مقالاتِ چشتی

مقالات، مضامین، مقدمات و تقاریظ کا مجموعہ

جلد دوم

رشحاتِ قلم:

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبد الحلیم چشتی صاحب

طیب اللہ آثارہ واعلی درجاتہ فی دار السلام

سابق رئیس شعبۂ تخصص علومِ حدیث

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

مرتب: شوکت علی

فہرست

کتب خانے

تیسری چوتھی صدی ہجری میں مرکزِ اسلام بغداد

میں

کتابیاتی سرگرمیاں

(ماہنامہ معارف، جون 1982ء)

تیسری چوتھی صدی ہجری میں مرکزِ اسلام بغداد میں

کتابیاتی سرگرمیاں

از جناب مولانا محمد عبد الحلیم چشتی، نائیجیریا

عہد عباسی میں علوم کی کثرت و تنوع سے اہل علم کتابیات کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ ذخائر علوم سے آگاہی ہو، اہل علم کو اصل ماخذوں تک رسائی ہو اور حصول مواد میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔ عہد عباسی میں اس اہم کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے لیے علماء اور مصنفین نے خود نوشت کتابیات کا سلسلہ شروع کیا، اور انھوں نے مختلف کتب خانوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھا کر اپنے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں منتخب کتابیات تیار کیں، یہ سلسلہ اتنا پھیلا کہ کتابیات کو مختلف ناموں فہرس، فہرست، ثبت، تذکرہ، برنامج، مشیخہ و معجم سے یاد کیا جانے لگا۔

عہد عباسی کے اندر تیسری چوتھی صدی ہجری میں ہر موضوع پر موضوعی کتابیات کی ترتیب و تدوین شروع ہو چکی تھی، چنانچہ یعقوب بن اسحاق کندی المتوفی سنہ ۲۶۰ھ سنہ ۸۷۳ء کی موضوعی کتابیات اٹھارہ ۱۸ موضوعات اور دو سو چھتیس ۲۳۶ کتابوں پر مشتمل تھی ان موضوعات پر کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) فلسفہ ۲۲ کتب و رسائل، (۲) منطق ۹، (۳) حسابیات ۱۱، (۴) کرویات ۸، (۵) موسیقیات ۷، (۶) نجومیات ۱۵، (۷) ہندسیات ۲۳، (۸) فلکیات ۱۶، (۹) طبیات ۲۰، (۱۰) احکامیات ۱۰، (۱۱) جدلیات ۱۶، (۱۲) نفسیات ۵، (۱۳) سیاسیات ۱۲، (۱۴) احداثیات ۴، (۱۵) ابعادیات ۸، (۱۶) تقدمیات ۵، (۱۷) انواعیات ۳۳۔[1]

موضوعی کتابیات موضوعی کتابیات ارباب فن اور نامور اہل علم سے تیار کرائی جاتی تھیں چنانچہ حنین بن اسحاق (سنہ ۱۹۴ھ ۸۱۰ء - سنہ ۲۶۰ھ ۸۷۳ء) نے علی بن یحییٰ کے لیے جالینوس کی کتابیات (فہرست جالینوس)

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست لابن ندیم۔ المطبعۃ الرحمانیۃ، مصر سنہ ۱۳۴۸ھ، ص ۳۵۸ - ۳۶۵۔

مرتب کی تھی، اس کے مطالعہ کی روشنی میں ابن ندیم نے یہ کہا ہے کہ حنین کے بیشتر ترجمے سریانی میں تھے، اور یہ اس کی خوش قسمتی ہے کہ حبیش اعسم اور عیسیٰ ابن یحییٰ نے جن کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا ہے وہ بھی حنین سے منسوب کی گئی ہیں[1] ابوبکر محمد رازی المتوفی ~~۳۳۱~~ ۹۲۳ء نے اس کتابیات پر استدراک "کتاب فی استدراک ما بقی من کتب جالینوس مالم یذکرہ حنین ولا جالینوس فی فہرستہ" کے نام سے لکھا تھا[2] رازی نے پہلی مرتبہ کتابیاتی دنیا میں تحقیق کا دائرہ یہاں تک بڑھایا کہ خود جالینوس سے جن کتابوں کا تذکرہ رہ گیا تھا اس کا کھوج لگایا اور علمی دنیا کو واقفیت کے لیے پیش کیا،

یحییٰ بن عدی المتوفی ۳۶۴ھ / ۹۷۵ء نے ارسطو (۳۸۴ سنہ - ۳۲۲ سنہ ق م) کی تصانیف اور ان کی شروح پر مشتمل "فہرست کتب ارسطاطالیس" مرتب کی تھی، ابن ندیم نے یہ فہرست یحییٰ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی تھی[3] لیکن خود اس نے یحییٰ کی تصانیف میں اس کتابیات کا ذکر نہیں کیا ہے[4] اور نہ القفطی وغیرہ نے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے[5] یہ اس امر کی نہایت واضح دلیل ہے کہ اس قسم کی کتابیات اس دور میں تیار کی جاتی تھیں لیکن ہر مقام پر ان کے بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

فہرست اسماء الخطباء والبلغاء، یہ ابو علی ابن مقلہ خطاط المتوفی ۳۲۸ھ نے طبقات پر مرتب کی تھی ابن ندیم نے اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ فہرست دیکھی تھی، اس نے اسی ترتیب والفاظ کے ساتھ اسے کتاب الفہرست میں نقل کیا ہے[6] مورخ ہشام کلبی المتوفی ۲۰۴ھ اور مدائنی المتوفی ۲۱۵ھ کی تصانیف کی موضوعی فہرست بخط ابوالحسن بن الکوفی المتوفی ۳۴۸ھ / ۹۶۰ء کو اسی ترتیب وعنوانات کے ساتھ من وعن الفہرست میں نقل کیا ہے[7]

---

[1] کتاب الفہرست لابن الندیم المطبعۃ الرحمانیہ، مصر ۱۳۴۷ھ، ص ۴۰۳ [2] ایضاً، ص ۴۱۷ - [3] ایضاً ص ۴۵۱ - ۴۵۲ [4] ایضاً ص ۳۶۹ [5] تاریخ الحکماء للقفطی طبع لیپزگ ۱۹۰۳ء ص ۳۶۱ [6] کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۱۸۲ [7] ایضاً ص ۱۴۰ - ۱۴۳ و ۱۴۷ - ۱۵۲۔

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں مصنفین کی موضوعی اور دوسری قسم کی کتابیات تیار کیے جانے کا رواج ہو گیا تھا، چنانچہ جابر بن حیان المتوفی ~~۲۰۰~~ ۸۱۵ء کے نامور شاگرد خرقی کی تصانیف کی دو فہرستیں تھیں، ایک فہرست کبیر کیمیا اور دوسرے موضوعات پر تھی، اور دوسری فہرست صغیر تھی، جو صرف علم کیمیا کی کتابوں پر محیط تھی[1]

ابن ندیم بحیثیت فہرست نگار و کتاب شناس اور کتاب الفہرست کی خصوصیات

تیسری صدی ہجری میں ہر موضوع پر کتابوں کی کثرت کی وجہ سے اہل علم موضوعی کتابیات کی ترتیب کی طرف مائل ہوئے، پھر چوتھی صدی ہجری میں ابو الفرج محمد بن اسحاق الوراق الندیم نے فہرس الفہارس (کتابیات کی کتابیات) ترتیب دی، اس دور میں فہرس الفہارس کی اصطلاح ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لیے ابن ندیم نے اس وسیع مفہوم کو حسب ذیل الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے:

"یہ عرب و عجم کی ان تمام (منتخب) کتابوں کی فہرست ہے جو عربی زبان میں لکھی گئی تھیں یا مختلف علوم و فنون سے عربی میں منتقل کی گئی تھیں"[2]

ظاہر ہے ان کا احاطہ کتابیات کے بغیر کیسے ممکن تھا، غالباً اسی جامعیت کی وجہ سے ابن ندیم نے اس کتاب کا نام سیبویہ کی الکتاب کی طرح "الفہرست" رکھا، جو اس امر کا غماز ہے کہ یہ کتاب الفہرست علم کتابیات کی جملہ مروجہ معلومات و مدونہ کتابیات کو حاوی ہے، یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ محمد ابن اسحاق الندیم نے اگرچہ ہذا فہرست کتاب جمیع الامم من العرب والعجم الموجود منہا بلغۃ العرب الخ کے الفاظ لکھے ہیں، لیکن کتاب کے مطالعہ و استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ "جمیع" کا لفظ کثرت کتب کے اعتبار سے لایا گیا ہے، اس سے مراد مصنفین وغیرہ کی مشہور و متداول کتابوں کا تذکرہ ہے، جیسا کہ ابن ندیم نے فقیہ زعفرانی المتوفی ۲۶۰ھ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ "ہمیں زعفرانی کی روایت کردہ

---

[1] ملاحظہ ہو الفہرست لابن الندیم ص ۵۰۰ [2] ایضاً ص ۲۹۷

کتابوں کو نام بہ نام ذکر کرنے کی حاجت نہیں، اس لیے کہ وہ زیادہ تر فنا ہو چکی ہیں اور تصنیف کے بعد وہ نقل بھی نہیں کی گئی ہیں[1] بعض کے متعلق کثیر التصانیف ہونے کی تصریح کر کے ان کی چند تصانیف کو بیان کرنا[2] یا کسی مصنف کے بارے میں اس کا "ومن کتبہ الخ"[3] اور "ولہ من الکتب الخ" اس کی کتابوں میں سے یہ کتب ہیں[4]، کے الفاظ لکھنا پھر فہارس کو موضوعی کتابیات مصنفین کو ہر مقام پر من و عن نقل نہ کرنا، بلکہ بعض مقام پر انہی کتابوں کو درج کرنا جن کو خود دیکھا یا معتبر لوگوں سے سنا ہے، یہ وہ قرائن ہیں جو تصانیف کے دائرہ کو منتخب و متداول کتابوں تک محدود رکھنے کی دلیل ہیں، اس نے چونکہ اپنے زمانہ میں پائی جانے والی کتابوں کا بھی اندراج کیا ہے، اس لیے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ گذشتہ عہد کی کتابیات ہی نہ تھی بلکہ یہ رواں کتابیات بھی تھی۔

الفہرست میں کتابوں کے ناموں کے اندراج میں کتاب کے معروف و غیر معروف دونوں نام نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا، تاکہ کتابیات سے فائدہ اٹھانے والے کو اشتباہ نہ ہو، مثلاً ابو عبد الرحمن محمد ضبی کی کتاب "الزکاۃ" کے متعلق کہا ہے کہ یہ کتاب السنن[5] یا وکیع کی کتاب الطریق نواحی کے نام سے بھی مشہور ہے[6]۔

مشتبہ مقام پر ماں باپ کے نام کی نسبت کو بھی ظاہر کیا گیا ہے، مثلاً محمد بن حبیب کے متعلق کہا ہے کہ حبیب ماں کا نام ہے[7]، اور اسماعیل بن علیہ کی نسبت کہا ہے کہ علیہ ماں کا نام ہے[8] کہیں لقب کے معنی اور وجہ لقب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، مثلاً قطرب کے معنی متحرک کنکاں کیڑا اسے چونکہ قرار نہیں تھا، یہ سیبویہ کے پاس سویرے ہی آ جاتا تھا اس لیے اس نے اس کا نام ہی قطرب رکھا تھا[9]

---

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۷۹ [2] ایضاً ص ۲۰۹ [3] ایضاً ص ۲۰۵ [4] ایضاً ص ۱۰۷، ۲۰۶، ۳۳۰، ۳۴۰، ۵۰۰ [5] ایضاً ص ۳۱۶ [6] ایضاً ص ۱۳۶ [7] ایضاً ص ۵۵ [8] ایضاً ص ۸۰ [9] ایضاً ص

مصنفین کے علمی مقام کو واضح کرنے اور ان کی تصنیفات کی اہمیت کو بیان کرنے کے لیے امام فن کا قول پیش کیا ہے، مثلاً اصمعی کے بارہ میں کہا ہے کہ ابو العباس مبرد کا قول ہے کہ اصمعی شعر و معانی میں سب سے برتر ہے، یہی حال ابو عبیدہ کا ہے، لیکن وہ علم نسب میں اصمعی سے بلند تر تھا اور اصمعی علم نحو کا اس سے بڑا عالم تھا[1] اس نوع کے تبصرے متعدد مقامات پر کیے ہیں[2]۔ الفہرست کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں تشریحی کتابیات کا آغاز ہو چکا تھا، چنانچہ ابن ندیم نے الفہرست میں کتاب کے طرز و انداز کو بھی بتایا ہے، مثلاً ابن قتیبہ کی کتاب ادب الکاتب کے متعلق لکھا ہے کہ یہ معارف ابن قتیبہ کی طرح ہے[3]۔

مصنفین کے طرز تصنیف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے مثلاً کہا کہ فلاں مصنف کو تصنیف کا اچھا سلیقہ تھا[4]۔ فلاں مصنف فلاں کے انداز پر کتاب لکھتا ہے[5]۔ یا فلاں فلاں میں یہ فرق ہے اور ان میں فلاں زیادہ ماہر ہے۔ مثلاً فزار اپنی تصانیف میں فلاسفہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے[6]۔ ابو زید بلخی کی فلسفیانہ تصانیف فلاسفہ کی بہ نسبت اہل ادب سے زیادہ قریب ہیں، اس لیے ان کا ذکر بھی ادباء کے زمرے میں کیا گیا ہے[7]۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں فہرست ساز اسالیب تصانیف پر بھی گہری نظر رکھتا تھا۔ الفہرست اس دور کی تصانیف کے اسلوب پر بھی روشنی ڈالتی ہے، کوئی کتاب اگر کسی مصنف سے منسوب ہوتی ہے تو اس کی طرف اشارہ کیا ہے[8]، کسی مصنف نے بہت سے موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں تو اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی کتابوں کی

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۸۲، ۱۳۰، ۱۴۰ [2] ایضاً ص ۸۰، ۲۱۶، ۱۳۷۔ [3] ایضاً ص ۹۲۔ ۱۲۶ [4] ایضاً ص ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۱ [5] ایضاً ص ۱۶۴، ۲۲۳، ۴۲۸ [6] ایضاً ص ۲۱۰ [7] ایضاً ص ۹۹، ۱۶۳ [8] ایضاً ص ۱۹۸۔

[9] ایضاً ص ۲۱۴ (تذکرۂ کردی)

قدر و قیمت کو کتب خانہ کے نقطۂ نظر سے بتایا ہے[۱]

وہ مصنفین جن کی تصانیف کی طرف اہل علم کی توجہ حسن ضبط کی[۲] یا حسن خط کی وجہ سے رہی ہے[۳] اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اگر کسی خاص شہر میں ان کو قبول عام حاصل رہا ہے اس کو بھی بتایا ہے[۴] مختلف مرتب دواوین کے اشعار کی تعداد کو بھی بیان کیا ہے[۵] کسی مشہور عالم کی کوئی کتاب نظر سے نہیں گذری، صرف مسودات ہی مطالعے سے گذرے ہیں تو اس کی طرف بھی اشارہ کیا، گویا علمی و تحقیقی ورثے کو نظر انداز نہیں کیا ہے، چنانچہ بلخی فلسفی کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے مسودات اہل علم کے پاس بہت دیکھے ہیں، لیکن کوئی پوری کتاب نہیں دیکھی، یہ کہا جاتا ہے کہ خراسان میں اس کی تصانیف موجود ہیں[۶] رازی نے اس کی تصانیف کو اپنی تصانیف قرار دیا ہے[۷]، مشترک مصنفین کی نشاندہی بھی کی ہے[۸]

ابن ندیم نے جگہ جگہ کتابوں کے اوراق کی تعداد بتائی ہے، ایک مقام پر تصریح کی ہے کہ بغیر کسی نسبت کے ورق کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے ورق سلیمانی مراد ہے جو بیس (۲۰) سطری ہوتا ہے، ہر شاعر کے کلام کی تعداد کو اسی ورق میں بیان کیا ہے، تاکہ ان کے کلام میں کمی بیشی کی نشاندہی ہو سکے، جو شخص ان کی کتابیں اور شعر جمع کرنے کا خواہاں ہے وہ علی وجہ البصیرت اس سے آگاہ رہے، ہمارا یہ اندازہ تقریبی ہے، تحقیقی نہیں[۹]۔ اس کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ عہد عباسی میں کتابیات کے Collation کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الفہرست کی تدوین کی غایت اہل علم میں کتابوں سے متعلق

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۲۱۴ (تذکرہ مروزی)، ۱۹۰ (المرزبانی) ۲ ایضاً ص ۱۳۰۔
۳ ایضاً ص ۱۱۶۔ ۱۱۸ ۴ ایضاً ص ۱۱۵۔ ۱۲۴۔ ۲۷۵ ۵ ایضاً ص ۲۳۵۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔
۶ ایضاً ص ۴۱۹ ۷ ایضاً ۸ ایضاً ص ۳۰۵ (تذکرہ بنو الصباح)، ۹ ایضاً ص ۲۲۶۔

مفید معلومات فراہم کرنا، ذخائر کتب میں اضافہ و انتخاب میں مدد و آسانی پیدا کرنا تھا، ان ہی مقاصد کے پیش نظر ایک صنف کے نامور مصنفین کو تقدم و تاخر زمانی و مکانی اور ترتیب حروف تہجی کا لحاظ کیے بغیر ہر مقام پر ایک ہی جگہ بیان کیا ہے، پوری کتاب میں اس کا بھی انداز ہے[۱]۔ ابن ندیم کے بعد بھی فہرست نگاروں نے مذکورہ بالا اصول کو اپنایا ہے، جیسا کہ ابن خیر کی فہرست ما رواہ عن شیوخہ سے ظاہر ہے۔

ابن ندیم نے کسی اہم کتاب کا نسخہ کسی کے پاس دیکھا ہے تو اس کی تفصیل پیش کی ہے، مثلاً کتاب القبائل والایام محمد بن حبیب اخباری المتوفی ۲۴۵ھ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کتاب موصوف نے فتح بن خاقان کے لیے تصنیف کی تھی، اس کا اصل نسخہ ابوالقاسم بن ابی الخطاب بن فرات کے پاس دیکھا، یہ طلحی کاغذ پر تیس (۳۰) سے کم اجزاء پر مشتمل تھا، اس نسخہ کی ظاہری ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ اصل مقدار سے کم ہے، اس کا ہر جزء دو سو یا اس سے زیادہ اوراق پر مشتمل تھا، اس نسخہ کی فہرست طلحی کاغذ کے پندرہ (۱۵) اوراق پر خط جرک میں تستری بن علی وراق کی لکھی ہوئی ہے، اور یہ فہرست قبائل اور ان کی سرگذشت ایام پر محیط ہے[۲]، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کتاب سے اہل علم کو روشناس کرانے اور تعیین موضوع میں فہرست سازوں اور درجہ بندی کرنے والوں کی رہنمائی کے لیے تیسری صدی ہجری کے نصف اول ہی میں فہرست کتاب کے شروع میں لگانے کی ابتداء ہو چکی تھی اور اس اہم کام کے آغاز کا سہرا محمد بن حبیب بغدادی کے سر ہے[۳]

---

۱ ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۹۵، ۲۰۹، ۲۱۰ ۲ ایضاً ص ۱۵۵، ۱۵۶ ۳ معجم الادباء لیاقوت
طبع دوم مطبعہ ہندیہ مصر ۱۹۲۵ء ج ۶ ص ۴۷۶ و کتاب المحبر لمحمد بن حبیب مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ
۱۳۶۱ھ ص ۵۱۰، ۵۱۱ (کلمۃ اختتام الکتاب لمحمد حمید اللہ) ص ۵۱۰، ۵۱۱

فہرست مضامین کتاب کے لیے لفظ ثبت کا استعمال

ابن ندیم نے فہرست مضامین کتاب کے لیے "ثبت" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے، چنانچہ نضر بن شمیل المتوفی سنہ ۲۰۲ھ کی کتاب الصفات کے متعلق لکھا ہے کہ "بڑی کتاب ہے، ابو عبید نے غریب المصنف میں اس سے استفادہ کیا ہے، میں نے اس کا ثبت ابو الحسن بن کوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے، جو من وعن نقل کرتا ہوں، پھر ہر جلد کے مضامین کی فہرست پیش کی ہے"۔[۱]

مصطلحات فن کتابیات کا استعمال

ابن ندیم نے مصطلحات فن کو استعمال کیا، مثلاً زائدہ ابن قدامہ الشہید المتوفی سنہ ۲۶۱ھ کی کتاب السنن کے لیے لکھا ہے کہ یہ انہی ابواب پر مشتمل ہے جن پر کتاب السنن مشتمل ہوتی ہے جیسے کتاب الطہارۃ، صیام وصلوٰۃ وغیرہ۔[۲]

الف بائی ترتیب کی وضاحت کے لیے مثلاً دو لفظ عملہ علی حروف المعجم اور علی الحروف کی اصطلاح استعمال کی ہے۔[۳] اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلم مرتبین کتابیات نے تشریحی اندراجات میں ایسی معلومات پیش کیں جو اہل علم کی ترغیب کا باعث ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ صرف موضوع ہی نہیں خود کتاب سے آگاہی بھی اس دور میں اہل علم کو مطالعہ کتاب پر آمادہ کرنے کے لیے کافی تھی، اس سے یہ حقیقت بھی روشن ہو جاتی ہے کہ ابن ندیم نے کتابیاتی اندراجات میں موجودہ کتابوں کے نادر نسخوں سے بھی اعتنا نہیں کیا، بلکہ قدیم نادر و نایاب کتب کی توجہ اہل علم کی طرف منعطف کرانے کے لیے تشریحی کتابیات پیش کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

ابن ندیم نے کتابوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے میں ان ماخذوں کی نشاندہی بھی کی ہے، چنانچہ جن کتابوں کو بچشم خود دیکھا ہے، ان کے کاتبوں کے نام کی تصریح کی ہے۔[۴] اور جن علماء سے

۱؎ کتاب الفہرست ص ۷۷ ۲؎ ایضاً ص ۳۱۶ ۳؎ ایضاً ص ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۳۵۔
۴؎ ایضاً ص ۱۱۸، ۲۲۳

معلومات حاصل کی ہیں ان کا بھی حوالہ دیا ہے۔[۱] کبھی دو فنون کی کتابوں کو ایک مقام پر دو عنوان سے پیش کیا ہے۔[۲] بعض موضوع پر ایسی مشہور کتابوں کو جن کے مصنفین کا علم نہیں ہے ان کو بھی فہرست میں جگہ دی ہے۔[۳] اپنے معاصر مصنفین کا ذکر مشہور و ہمعصر ہونے کی وجہ سے نہایت مختصر کیا ہے۔[۴]

بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن ندیم نے بعض مقامات پر کتابیں بروقت دستیاب نہ ہونے یا ان کے مولفین کے متعلق معلومات فراہم نہ ہونے کی وجہ سے بیاض چھوڑ دی، تاکہ معلومات حاصل ہو جانے کی صورت میں ان کا اضافہ کیا جا سکے، اس نوع کے اضافہ کا اختیار ناظرین کو بھی دیا ہے۔[۵]

مندرجۂ بالا امور کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ کتابیات کی تاریخ کے اندر کتب خانے کے نقطۂ نگاہ سے تبصرے، تنقید، جائزے اور تعارف کتب کی طرح سب سے پہلے ابن ندیم نے ڈالی، نیز عہد عباسی میں کتاب کی ظاہری و باطنی ہیئت کو نمایاں کرنے کی سعی بلیغ کی، اگرچہ بعض علمی دشواریوں کی وجہ سے ہر جگہ ان امور کا التزام نہیں کیا جا سکا ہے، تاہم جہاں بسہولت ممکن ہو سکا مذکورہ بالا امور کی روشنی میں کتاب کے ہر دو رخ کی تصویر کشی کی گئی ہے، آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مخطوطات کی ظاہری و باطنی ہیئت کو نمایاں کرنے کے لیے مذکورہ بالا امور کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، جو ابن ندیم کے وضع کردہ رہنما اصول کی افادیت و اہمیت اور مقبولیت کا نہایت بین ثبوت ہے۔

ابن ندیم پہلا ماہر کتابیات ہے جس نے چوتھی صدی ہجری میں کتابیاتی اندراج میں تنوع و وسعت پیدا کی اور کتابیاتی مواد کے قوام میں ایسے بنیادی اجزاء کو شامل کیا جن کے اندراج کے بعد کتاب کا پورا تعارف و تشخص ہو جاتا اور کتاب کے طلبگار کو کتاب کی ظاہری و باطنی ہیئت کو سمجھنے میں

۱؎ ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۴۳۲ ۲؎ ایضاً ص ۱۲۶ ۳؎ ایضاً ص ۴۳۵ ۴؎ ایضاً ص ۲۰۸۔
۵؎ ایضاً ص ۲۰۴ (الزیدیہ)

کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی ہے، کتابیاتی مواد کے اندراج میں جن بنیادی اجزاء کو شامل کیا گیا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مصنف (۲) کتاب (۳) ایڈیشن (۴) مقام اشاعت (۵) ناشر (۶) تاریخ اشاعت کتاب (۷) تعداد اوراق (۸) اجزاء و مجلدات

اس ترقی یافتہ دور میں ان اجزاء میں سے تین جزء (۱) مقام اشاعت (۲) ناشر (۳) تاریخ اشاعت کو Imprint کے نام سے یاد کیا جاتا اور کیٹلاگنگ کے بنیادی اجزاء میں اس کا شمار کیا جاتا ہے، بقیہ اجزاء کو Collation میں داخل کیا گیا ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کتابیاتی اندراج اور کیٹلاگنگ دونوں میں قدرے تغیر و اصلاح کے ساتھ ابن ندیم کی وضع کردہ اساس پر عمل کیا جاتا ہے، جو اس کے کتابیاتی مواد کے اندراجی اجزاء کے انتخاب، ساخت اور ان کی صحت نیز اس کی بنائی اور اپنائی ہوئی مبادی کی اہمیت، افادیت و استحکام کی نہایت روشن دلیل اور اس کے ذہن کی جدت و اختراع، فن کتابیات سے طبعی مناسبت، اس فن میں اس کی مجتہدانہ بصیرت کی شاہد عدل ہے۔

کتابوں میں حوالوں کا اہتمام اور کتابیات کا آغاز

عہد عباسی میں جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا اور کتابیں استعمال میں آنے لگیں تو علماء اور مصنفین اپنی کتابوں میں حسب ضرورت ان کے حوالے دینے لگے تھے، چنانچہ تیسری صدی ہجری میں غالباً سب سے پہلے امام ابو عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے کتاب العلل میں ائمہ فن کی کتابوں کا حوالہ دیئے اور اپنے پیش نظر ماخذوں کی نشاندہی کرنے کا اہتمام کیا تھا، چنانچہ موصوف کتاب العلل میں رقمطراز ہیں:

"جامع ترمذی میں جو باتیں علل احادیث، رجال و تاریخ کی بیان کی ہیں وہ میں نے بخاری کی التاریخ الکبیر سے لی ہیں اور اقوال فقہاء اور علل حدیث کے سلسلہ میں پیشوایان فن ہشام بن حسن (المتوفی ۱۴۶ھ) عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج (المتوفی ۱۵۰ھ) سعید بن ابی عروبہ (المتوفی ۱۵۶ھ) مالک بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ) حماد بن سلمہ (المتوفی ۱۶۷ھ) عبد اللہ بن المبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (المتوفی ۱۸۲ھ) وکیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) عبد الرحمٰن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸ھ) وغیرہ اہل علم و فضل کی تصانیف پیش نظر رہی ہیں۔"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں دوسری اور تیسری صدی ہجری کے اندر تصانیف کا سلسلہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک عالم دوسرے عالم کی کتابوں کا حوالہ دیتا تھا، حوالہ کی صورت بھی ترقی پذیر رہی ہے، چوتھی صدی میں جب ہر موضوع پر کتابوں کا ذخیرہ زیادہ فراہم ہو گیا تو مصنفین نے اوائل کتاب میں اپنے ماخذوں کی نشاندہی کرنا ضروری قرار دیا تاکہ قاری کو موضوع سے متعلق مصنف کے پیش نظر تحقیقی و مستند نسخوں کا علم ہو سکے اور اقتباسات کو سمجھنے میں مدد مل سکے، نیز مصنف کی کتاب بھی مستند سمجھی جائے، کبھی ایسا کیا جاتا تھا کہ مصنف کتابیات کی وضاحت جداگانہ رسالہ میں کرتا تھا، چنانچہ ابو داؤد سجستانی المتوفی ۲۷۵ھ / ۸۸۹ء نے کتاب السنن کی کتابیات ایک مستقل رسالہ میں جو رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکۃ فی وصف سننہ کے نام سے موسوم ہے، بیان کی تھیں[2]۔ ان مقاصد کے پیش نظر مصنف ابتدا میں کبھی کتابوں کے نام نقل کرتا اور کبھی کتاب کے آخر میں ذکر کرتا اور بعض مواقع پر دوران بحث دوسرے مصنفین کی شہادتوں پر اعتماد کر کے حوالوں سے کتاب کو زینت دیتا جو اس کے خزائن کتب یا اس کی دسترس میں نہیں ہوتی تھیں، تاکہ جب کبھی اور جہاں کہیں قاری کو وہ کتابیں مل سکیں، وہ ان سے استفادہ

---

[1] ملاحظہ ہو سنن الترمذی، مطبع العلوم دہلی، ۱۲۶۵ھ ص ۶۴۷۔ [2] رسالۃ ابی داؤد الی اہل مکۃ فی وصف سننہ، تحقیق محمد الصباغ، اضواء الشریعۃ عدد پنجم، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ، ص ۲۷۸۔

کرکے، چنانچہ ابن فارس المتوفی ۳۹۵ھ نے معجم مقائیس اللغۃ میں کتابیات کے اس اسلوب کو اختیار کیا، اور مقدمۂ کتاب میں بنیادی پانچ کتابوں، کتاب العین خلیل، کتاب غریب الحدیث ابوعبید، کتاب المنطق ابن السکیت، کتاب الجمہرۃ ابن درید کو بیان کرکے لکھا کہ ان کے علاوہ لغت کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ بھی پیش نظر رہی ہیں، ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کتابوں سے ماخوذ ہے[1]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مصنفین نے تیسری صدی ہجری میں کتاب کے آخر میں اور چوتھی صدی ہجری میں آغاز کتاب میں کتابیات پیش کرنے کی جو اساس قائم کی تھی، اس پر بادنیٰ تصرف آج تک عمل جاری ہے، یہ طرز عمل قاری کی مصنفین اور کتابوں تک رہنمائی میں مدد دیتا اور کتابیاتی مقاصد کو پورا کرتا تھا۔

مواد کی حیثیت اور تبصرہ پانچویں صدی ہجری میں کتابیات کے استعمال کا رواج عام ہو گیا تھا مورخ اسلام ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے الانباہ علی قبائل الرواۃ میں جن کتابوں سے استفادہ کیا، ان کو مقدمۂ کتاب میں نام بنام شمار کرا کر کہا ہے:

"میں نے اس کتاب کو انساب کی بنیادی کتابوں سے ترتیب دیا ہے، جن میں (۱) کتاب ابی بکر محمد بن اسحاق (۲) کتاب ابی المنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی (۳) کتاب ابی عبیدہ معمر بن المثنی (۴) کتاب محمد بن عبدہ ابن سلیمان (۵) کتاب محمد بن حبیب (۶) کتاب نسب قریش ابوعبداللہ احمد بن محمد بن عبید عدوی (۷) کتاب نسب قریش زبیر بن بکار (۸) کتاب نسب قریش مصعب بن عبداللہ زبیری (۹) کتاب انساب العرب علی بن کیسان کوفی (۱۰) کتاب علی بن عبدالعزیز جرجانی (۱۱) کتاب

[1] معجم مقائیس اللغۃ لابن فارس عیسی البابی الحلبی قاہرہ ۱۳۶۶ھ ج ۱، ص ۳۔۵

عبدالملک بن حبیب الاندلسی، اس کے علاوہ فقرے اور جملے میں نے حدیث و آثار اور کتب تاریخ و ادب سے لیے ہیں[1]"۔

موصوف نے جب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب لکھی تو اس میں بھی کتابیات کو آغاز کتاب میں بیان کیا اور فرمایا:

"میں نے اس کتاب میں جو لکھا ہے وہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب[2]، ابن اسحاق کی کتاب[3]، طبقات واقدی[4]، تاریخ واقدی سے منقول ہے[5]، بعض کتابیں نہیں مل سکیں، ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالے سے نقل کیا، ان کو بھی بتا دیا ہے، مثلاً ہم نے جو مصعب بن عبداللہ، ابن المدائنی اور ابومعشر کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ کتاب ابن ابی خیثمہ سے ماخوذ ہے[6]، تاریخ بخاری، تاریخ ابوالعباس محمد بن اسحاق سراج، ابن جریر طبری، ذیل المذیل، ابوالبشر دولابی کی کتاب المولد والوفاۃ سے مستفاد ہے، صحابہ کی جنگ، شہادت، آنحضرت کی زیارت، ملاقات، اسلام یہ باتیں طبقات کبیر ابن سعد سے لکھی ہیں[7]، اس کے علاوہ جو باتیں ہیں وہ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن کی کتاب "الحروف فی الصحابہ"[8] اور ابومحمد جارود کی کتاب الصحابہ، کتاب ابوجعفر عقیلی اور کتاب ابن ابی خیثمہ سے منقول ہے، میں نے ابن ابی حاتم رازی کی کتاب اور ازرق دولابی یعقوبی کی کتاب الصحابہ کا بھی مطالعہ کیا ہے، اس کتاب میں ان کتابوں کے علاوہ بھی معلومات ہیں جو شیوخ سے سنی ہیں[9]، اور انساب کی کتابوں کا تذکرہ ہم نے کتاب الانباہ میں کیا ہے[10]۔

[1] ملاحظہ ہو الانباہ علی قبائل الرواۃ ص ۴۵۔۴۶ یہ کتاب القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم کے ساتھ مطبعۃ السعادۃ قاہرہ سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی تھی۔ [2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب تحقیق علی محمد البجاوی مطبعۃ نہضۃ مصر ۱۳۸۰ھ ج ۱ ص ۲۰۔۲۱ [3] ایضاً ص ۲۲ [4] ایضاً ص ۲۳ [5] ایضاً [6] ایضاً ص ۲۴ [7] ایضاً ص ۲۵۔

عہدِ عباسی
میں
کتب خانوں کی ترویج واشاعت کے اسباب

(ماہنامہ معارف، دسمبر 1982ء)

عہد عباسی میں کتبخانوں کی ترویج و اشاعت کے اسباب

از
ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی، سینیئر لائبریرین، بیرو یونیورسٹی، کانو، نائیجیریا،

حکم اقرأ اور قیدوا العلم بالکتاب نے اہل علم کو علمی ذخیرہ کی کتابت، قرأت، جمع و تحفظ نشر و ابلاغ کا گرویدہ بنایا اور اس طرح انفرادی ذخائر سے کتب خانوں کا آغاز ہوا۔ دوسری صدی ہجری میں انفرادی عمومی اور فنی خصوصی ذخائر کا اس تیزی سے ارتقا ہوا کہ گھر گھر کتب خانے قائم ہو گئے۔

عصر حاضر میں انفرادی کتب خانوں کو اہمیت حاصل نہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ خدمات سے خالی ہوتے ہیں لیکن عہد عباسی میں انفرادی کتب خانوں کی نوعیت اس سے یکسر مختلف تھی، وہ علمی ذخائر کا سرچشمہ تھے، تہذیبی و تمدنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے عوام و خواص کے ذہنوں کو مصفا و مجلا کرتے اور کتابی تہذیب کے ارتقا میں ممد و معاون تھے، وہ بجا طور پر اپنی خدمات کے اعتبار سے ادارہ جاتی کتب خانے کہے جانے کے مستحق تھے، ان کی طلب و رسد سے سوق الکتب آباد تھے، جگہ جگہ پڑھنے لکھنے کا چرچا تھا، اور کتابوں کے ملنے اور ان کے ابلاغ کی سہولت حاصل تھی۔

اس مقالہ میں ہم نے عہد عباسی میں کتب خانوں کی ترویج و اشاعت کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے، انکی عددی حیثیت سے بحث کی ہے اور عہد عباسی میں شناخت کتب خانہ کے رہنما اصول کی نشاندہی کی ہے، انشاء اللہ اس سے عہد اسلامی میں کتب خانوں کی تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملے گی، مسلمانوں کے کتب و کتب خانوں سے شغف، انکی حفاظت و اشاعت کا اور اس باب میں انکی سرگرمیوں کا نقشہ واضح ہو سکے گا نیز عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی میں انکی مساعی کا علم بھی۔

عہد عباسی میں کتب خانوں کی ترویج واشاعت کے اسباب

عہد اسلامی میں عباسی دور کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس دور کے اوائل ہی میں کتابوں اور کتب خانوں کا رواج ہو چکا تھا، کم و بیش ہر نامور عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہوتا تھا، ہمارے اس خیال کی تائید حسب ذیل امور سے ہوتی ہے:

(۱) اس دور کے ائمہ فن ایک دوسرے کی کتابوں کا تنقیدی نگاہ سے مطالعہ کرتے اور ایک دوسرے کی تردید میں کتابیں لکھتے تھے، یہ امر ان کے پاس ذاتی کتب خانہ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے، چنانچہ عبداللہ بن نافع کا بیان ہے۔

"ابن ابی ذئب رحمہ (۸۰-۱۵۸ھ / ۶۹۹-۷۷۵ء) عبدالعزیز ماجشون (م ۱۶۴ھ / ۷۸۰ء)، ابن ابی حازم (۱۰۷-۱۸۴ھ / ۷۲۵-۸۰۰ء) محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ / ۷۶۸ء) امام مالک بن انس رح (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۲-۷۹۵ء) پر تنقید کرتے تھے، ان میں زیادہ سخت محمد بن اسحاق تھا، وہ کہتا تھا میرے پاس ان کی کتابیں لاؤ میں ان کی خامیاں بتاؤں، میں ان کی کتابوں کا سالوتری ہوں"[1]

امام اوزاعی رح (۸۸-۱۵۷ھ / ۷۰۶-۷۷۴ء) نے امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ / ۶۹۹-۷۶۷ء) کی کتاب السیر (جنگی قوانین) کی تردید میں کتاب لکھی تو امام ابو یوسف رح المتوفی ۱۸۲ھ نے ان کی تردید میں الرد علی سیر الاوزاعی لکھی[2] پھر امام ابو یوسف رح نے امام اعظم ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ (۷۴-۱۴۸ھ / ۶۹۳-۷۶۵ء) کے اختلافات فقہی پر اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ لکھی[3]، امام محمد رح المتوفی ۱۸۹ھ نے امام مالک رح کی تردید میں کتاب الحجۃ تصنیف کی۔[4] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک عالم کا ذخیرۂ کتب دوسرے عالم کے پیش نظر رہتا تھا۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۲۴ [2] الرد علی سیر الاوزاعی از ابو یوسف یعقوب تحقیق ابی الوفاء الافغانی مصر لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد الدکن ۱۳۵۷ھ ص ۴ مقدمۃ المحقق [3] اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ، از امام ابو یوسف القاضی تحقیق ابی الوفاء الافغانی لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد ۱۳۵۷ھ ص ۳ مقدمۃ المحقق [4] الحجۃ علی اہل المدینۃ لمحمد بن الحسن الشیبانی تحقیق مہدی حسن الکیلانی مطبعۃ المعارف الشرقیہ ۱۳۸۵ھ

(۲) یہ ائمہ فن اور علماء ایک دوسرے سے کتابیں مستعار لیتے تھے، چنانچہ امام احمد رح بن حنبل مورخ ابن سعد کاتب واقدی المتوفی ۲۳۰ھ سے مورخ واقدی المتوفی ۲۰۷ھ کی تصانیف مستعار لے کر مطالعہ کرتے تھے[1]، امام شافعی رح امام محمد سے کتابیں لے کر پڑھتے تھے[2]، امام مالک رح امام ابوحنیفہ رح کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے[3]۔

(۳) ائمہ فن اور اکابر علماء اہل علم کو دوسرے ائمہ فن کے ذخیرۂ علمی کو پیش نظر رکھنے، حاصل کرنے اور اس کی نشر و اشاعت کرنے کی ترغیب دیتے اور تاکید کرتے تھے، چنانچہ امام شافعی امام اعظم رح کے سرمایۂ علمی کے متعلق فرماتے تھے۔

الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الفقہ[4] فقہ میں لوگ امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

(۴) رحلہ (Travel for Research Work) علمی تاسیس اور ترویج واشاعت کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے، تمام علوم خاص طور پر تین اسلامی علوم تفسیر، حدیث، فقہ وہ علوم تھے اور ہیں، جن میں استنباط مسائل و استخراج معانی کا سلسلہ برابر قائم ہے، اور اس کا میدان بھی بہت وسیع ہے۔ عہد عباسی میں ہر بڑا عالم اپنی زندگی کا قیمتی حصہ اس کے معانی پر غور کرنے، سمجھنے اور ان سے مسائل استنباط کرنے میں صرف کرتا تھا، ان کے علمی ذخائر کو حاصل کرنے کے لیے سفر نہایت ضروری تھا اسی لیے عہد عباسی میں مفسرین، محدثین، و فقہاء شرق و غرب کے دور دراز ممالک کا سفر کرتے تھے، پھر دوسرے علوم کی تکمیل و تحصیل کتب کے لیے بھی اسی طرح سفر کیا جانے لگا تھا اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس سفر (رحلہ) کی غرض و غایت علوم و فنون میں

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۲۲ [2] البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج ۱۰ ص ۲۰۲-۲۰۳ [3] تانیب الخطیب تالیف محمد زاہد الکوثری ص ۴۔ [4] مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ابی یوسف و محمد بن الحسن للذہبی حیدر آباد الدکن لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ ۱۳۶۶ھ ص ۱۹۔

تحقیق وتدقیق، اساتذۂ فن کے ذخیرۂ کتب وکتب خانوں کی تحصیل اور ان کی نشر واشاعت بھی یہ رحلہ اسی مقصد سے کیا جاتا تھا، چنانچہ ابو سفیان محمد بن حمید یشکری معمری المتوفی سنہ ۱۸۲ھ کے متعلق علامہ سمعانی رقمطراز ہیں۔

انما اشتهر بهذه النسبة لرحلته الى معمر بن راشد الصنعانی لتحصیل کتبه وحدیثه[1]

موصوف کو معمر بن راشد صنعانی کی طرف نسبت سے شہرت حاصل ہے، موصوف نے سفر یمن ان کی کتابیں اور حدیثیں جمع کرنے کے لیے کیا تھا، اور خالد بن نزار ایلی کا بیان ہے۔

رحلت لکتب ابن جریج سنة خمسین ومائة فوجدته قد مات[2]

میں نے ابن جریج کی طرف سنہ ۱۵۰ھ میں سفر کیا، جب ان کے پاس پہنچا تو اس وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقدس سفر علوم وفنون میں اختصاص حاصل کرنے، اساتذۂ فن کے فیوض علمی، ان کی کتابوں اور ان کے کتب خانوں کی ترویج واشاعت کے لیے کیا جاتا تھا۔

(۵) عہد عباسی میں ہر طالب علم اپنے استادوں کی امالی (Lectures) قلمبند کرتا، ان کی کتابیں جمع کرتا، انھیں جی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا، اس لیے انہی کتابوں کے نسخے اس کے لیے سند ہوتے تھے، اکثر ان پر اس کے شیوخ واساتذہ کے دستخط ہوتے یا ان سے پڑھنے کی صراحت ہوتی تھی، اس قسم کے نسخوں کو "الاصول" کہا جاتا تھا، اس دور میں ہر فن کا طالب علم اس نوع کا ذخیرۂ کتب دور طالب علمی ہی سے جمع کرنے لگتا تھا، جو اس کے پاس تحصیل علوم کے زمانے تک بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتا تھا اور آیندہ اہل علم کو نقل کرنے، پڑھنے اور

[1] الانساب للسمعانی، ورق ۵۳۶ ب ۳۰۶ [2] العبر، ج ۱، ص ۲۲۰

مطالعہ کرنے کے لیے عاریۃً دیا جاتا تھا، جیسا کہ مورخ ابن سعد کاتب واقدی کے مذکورۂ بالا واقعہ سے ثابت ہے کہ یہ علماء "الاصول" کو اشاعت کے لیے اپنے پاس رکھتے تھے، چنانچہ نامور محدث ابو سہیل ہارون بن احمد استرابادی المتوفی سنہ ۳۶۲ھ جن کے متعلق حاکم نیشاپوری نے لکھا ہے،

کان صحیح الاصول، کثیر الحدیث[1]

موصوف کے پاس کتابوں کے اصل صحیح نسخے اور بہت حدیثیں تھیں۔

اور مورخ مستغفری نے "تاریخ نسف" میں لکھا ہے کہ

روزانہ ظہر کی نماز کے بعد باب مقصورہ پر املا کراتے تھے، جن میں عامہ اہل علم اور امیر زادے شرکت کرتے تھے، میں بھی اپنے بھائی، چچا، خدام اور اتالیق ابو علی منصور بن محمد کے ہمراہ ان کی کئی مجلسوں میں شریک ہوا تھا، اس وقت میری عمر دس برس کی تھی، میرے سماع احادیث کا آغاز انہی کی مجالس املا سے ہوا تھا، موصوف جامع مسجد اور ابو القاسم عبد اللہ کے محل سرا میں جو انھیں اپنے فرزند ابو نصر کی تعلیم کے لیے بخارا میں لایا تھا، "احادیث ابی حنیفہ عن ابی الولید الطیالسی وابراہیم بن بشار وغیرہما" نیز "اخبار مکہ" اور اپنے فوائد پڑھاتے تھے جو کچھ لوگوں نے ان سے سنا اور حاصل کیا تھا وہ "خان برازین" کے فتنہ صفر سنہ ۳۶۴ھ میں برباد ہوا، اور ان کے مسموعات میں سے لوگوں کے پاس بہت تھوڑا رہا تھا۔[2]

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عامۂ اہل علم استاد سے جو پڑھتے وہ لکھ لیتے تھے، انکا ذخیرۂ علمی کتابوں کی صورت میں ان کے پاس محفوظ ہوتا تھا کہ وہ گاہ بگاہ حوادث روزگار سے

[1] الانساب للسمعانی تحقیق عبد الرحمٰن الیمانی، حیدرآباد الدکن مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ سنہ ۱۳۸۲ھ ج ۱ ص ۲۰۲ [2] ایضاً ج ۱ ص ۲۰۳۔

ضائع ہوجاتا تھا جیسا کہ ابو سہیل کا املا کرایا ہوا ذخیرۂ کتب بلوے میں برباد ہوگیا تھا۔ ابو موسیٰ ہارون بن محمد ازاذ واری جوینی المتوفی ۳۱۳ھ بلند پایہ ادیب و فقیہ تھے، نیشاپور میں پڑھا اور بغداد میں لکھا تھا، موصوف کے متعلق حاکم نیشاپوری کا بیان ہے۔

اذا ورد البلد یحش مشائخنا[1] — موصوف کا جب نیشاپور میں ورود ہوتا تو ہمارے مشائخ کو ان کی آمد سے خوشی ہوتی تھی۔

موصوف کی آمد سے خوشی کا اصل سبب ان کا علم اور ان کا وہ علمی ذخیرہ تھا، جو عامۂ اہل علم کے علم میں اضافہ کا سبب ہوتا تھا۔

(۶) اساتذہ کا اپنے شاگردوں کو کتابوں کی روایت کی اجازت دینے کا رواج شروع سے تھا، ان اقسام اجازت میں سے جن کا رواج فروغ علم کی وجہ سے عہد عباسیہ میں زیادہ تھا چوتھی قسم "مناولہ" بھی ہے، اس میں شیخ اپنا اصلی نسخہ یا اسکی نقل شاگرد کو دیتا خواہ مالک بنا دیتا، خواہ عاریۃً دیتا تاکہ طالب علم اس کو نقل کرکے اس کا مقابلہ کرے۔[2] اس سے بھی استاد، شاگردوں کے ذخیرۂ علمی میں اضافہ کرتا تھا، دستور کے مطابق ہر پڑھا لکھا ذخیرۂ کتب رکھنے کا پابند ہوتا تھا۔

(۷) عہد عباسی میں اپنے نوشتہ کے علاوہ بیان کرنا بھی عالم کی غلطی سمجھی جاتی تھی،[3] اس لیے بھی ذاتی کتب خانوں کا اس دور میں بکثرت قیام عمل میں آیا اور انھیں غیر معمولی فروغ حاصل رہا۔

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی، ج ا ص ۷۔ [2] الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع بعیاض بن موسیٰ الیحصبی تحقیق احمد صقر القاہرہ، دار التراث ۱۳۸۹ھ ص ۸۰، الکفایہ فی علم الروایۃ للخطیب، حیدر آباد دکن، مطبعۃ جمعیۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۳۵۷ھ ص ۳۳۰، علوم الحدیث لابن الصلاح تحقیق نور الدین عتر، حلب مطبعۃ الاصیل ۱۳۸۶ھ ص ۱۴۷، ۱۴۷۔ [3] عیون الاخبار لابن قتیبہ القاہرۃ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، ۱۳۴۶ھ ج ۲ ص ۱۲۰۔

(۸) یہ بھی حقیقت ہے کہ عہد عباسی میں تاریخ، تذکرہ اور طبقات کی کتابوں میں بلند پایہ شخصیتوں، صاحب فن اور مشہور و معروف عالموں کا تذکرہ ہی قلمبند کیا جاتا تھا جن کے علم کا دریائے فیض کتابی و تدریسی خدمات کی صورت میں رواں رہتا تھا چنانچہ ابو الطیب عبد الواحد لغوی المتوفی ۳۵۱ھ مراتب النحویین میں رقمطراز ہیں۔

ہم نے کتاب میں جس ترتیب پر اہل عراق کا ذکر کیا ہے، ان پر علم اعراب ختم ہوا ہے۔ اور یہ وہ اصحاب کتب و مرجع علم و فن تھے جن سے علم اعراب میں رجوع کیا جاتا اور مشکل مسائل کو حل کیا جاتا تھا۔ اس سلسلہ کے علماء میں ہم نے اگر کسی کو چھوڑا ہے تو اس کی حسب ذیل تین وجوہ ہیں۔

۱۔ یا تو وہ امام فن نہیں تھا اس کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔

۲۔ یا اس کا کوئی ایسا شاگرد نہیں نکلا جو اس کے نام کو زندہ رکھتا۔

۳۔ یا اس نے کوئی ایسی تالیف نہیں چھوڑی جس کی نشر و اشاعت اہل علم ضروری سمجھتے ہوں جیسا کہ ہمارا یزیدیوں کے تذکرہ سے صرف نظر کرنا حالانکہ ان کا گھرانہ ایک علمی خانوادہ تھا، یہ سب اپنے جد امجد یحییٰ بن مبارک یزیدی سے نسبت رکھتے ہیں اور وہ ابو زید اصمعی، ابو عبیدہ اور کسائی کے طبقہ کا تھا اس نے علوم کی تحصیل ابو عمرو عیسیٰ بن عمر، یونس اور ابو الخطاب اکبر سے کی تھی، اس نے ابو عمرو سے قرأت مشہورہ روایت کی ہے جو لوگوں میں متداول ہے مگر اس کا علم رواۃ کے بارہ میں قلیل ہے، البتہ اس کی اولاد اور اس کے خانوادہ میں اس کا چرچا زیادہ ہے، وہ ثقہ، امین اور قدیم بلند رتبہ عالم تھا۔[1]

---

[1] مراتب النحویین تالیف ابو الطیب عبد الواحد اللغوی تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم القاہرہ مکتبۃ نہضۃ مصر ۱۳۷۵ھ ص ۸۸

عہد عباسی میں کم و بیش ہر عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہونا مبالغہ نہیں حقیقت ہے، کیونکہ اوائل عہد عباسی میں ایسے ایسے ائمہ فقہ، ائمہ حدیث، ائمہ لغت، ائمہ نحو و ادب کے پاس ذاتی کتب خانوں کا سراغ ملا ہے جن کے کتب خانوں کا نام سن کر لوگوں کو تعجب ہوگا۔[1] چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ / ۶۹۹-۷۶۷ء) امام مالک (۹۳-۱۷۹ھ / ۷۱۲-۸۰۲ء) امام اوزاعی (۸۸-۱۵۷ھ / ۷۰۷-۷۷۴ء) امام ابویوسف (۱۱۳-۱۸۲ھ / ۷۳۱-۷۹۸ء) امام محمد (۱۳۱-۱۸۹ھ / ۷۴۸-۸۰۴ء) امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ / ۷۶۷-۸۲۰ء) امام احمد (۱۶۴-۲۴۱ھ / ۷۸۰-۸۵۵ء) امام بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ / ۸۱۰-۸۷۰ء) امام مسلم (۲۰۴-۲۶۱ھ / ۸۲۰-۸۷۵ء) امام فن جرح و تعدیل ابوزرعہ عبیداللہ رازی (۲۰۰-۲۶۴ھ / ۸۱۵-۸۷۸ء) امام لغت و ادب خلیل بن احمد بصری (۱۰۰-۱۷۰ھ / ۷۱۸-۷۸۶ء) امام نحو ثعلب (۲۰۰-۲۹۱ھ / ۸۱۶-۹۰۴ء) وغیرہ کے پاس ذاتی کتب خانے موجود تھے، یہ ائمہ فن اپنی خداداد و مجتہدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے مرجع علوم تھے ان کی مہارت فن، جلالت شان اور زبردست حافظے کے پیش نظر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ابتدائی دور میں یہ اپنے ذاتی کتب خانوں کے ذریعہ علوم و فنون کی تدوین کرتے، انھیں فروغ دیتے، کتب اور کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کو پروان چڑھانے کی سعی پیہم کر رہے تھے، ان میں بعض ائمہ فن ایسے بھی تھے مثلاً ثعلب جن کے متعلق ان کے معاصرین نے تصریح کی ہے کہ درس اور ملاقات کے وقت ان کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی گئی،[2] بایں ہمہ ان کے پاس کتب خانہ تھا، یعنی بظاہر ذاتی کتب خانہ نہ ہونے کی دلیل کے باوجود ان کے پاس ذاتی کتب خانہ موجود تھا۔[3] ابوبکر محمد بن قاسم انباری نحوی (۲۷۱-۳۲۸ھ / ۸۸۴-۹۴۰ء) جن کے متعلق تذکرہ نگاروں کا بیان ہے۔

کان یملی من حفظہ و ماکتب   موصوف اپنے حافظہ سے املا کراتے تھے ان سے

---

[1] کتاب الانباہ للقفطی ج ا ص ۱۲۸ [2] طبقات النحویین واللغویین تالیف محمد بن الحسن الزبیدی تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم مصر محمد سامی امین الخانجی ۱۳۷۳ھ ص ۱۶۶، کتاب الانباہ ج ا ص ۱۴۰ [3] معجم الادباء ج ۲ ص ۱۴۴-۱۴۵

موصوف نے ایک اور مقام پر لکھا ہے:۔

انما اشتھرۃ العالم بمصنفاتہ و الروایۃ عنہ[1]   عالم کی شہرت اس کی تصانیف اور اس سے روایات کرنے والوں سے ہوتی ہے۔

اس سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں کسی عالم کی شہرت کی بنیادی وجہیں دو ہی تھیں، ایک تصنیف و تالیف کے ذریعہ کتابی سرمایہ میں اضافہ اور دوسری روایت کے ذریعہ علم کی نشر و اشاعت، دور عباسی میں تذکرہ نگاری کے اندر کم و بیش انہی اصولوں کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، اس لئے تذکرہ نگار جب کسی عالم کا تذکرہ لکھتے ہیں تو اس کے حالات میں تصریح کرتے ہیں کہ اس نے کن سے پڑھا، کہاں پڑھا، کن فنون میں کمال پیدا کیا، کہاں املا کرایا، کہاں وعظ کہا، کہاں مناظرہ کیا، کیا کیا لکھا، کن اہل علم اور ارباب فن کو اس سے تلمذ کا فخر حاصل رہا، کن مسجدوں، مدرسوں، سرایوں، تکیوں میں پڑھایا، کن خانقاہوں اور مشہدوں میں فروکش رہا، کن اہم مقامات میں وہ سفر کرتے ہوئے ٹھہرا، یہ وہ مقامات تھے جہاں عموماً کتب خانے قائم کیے جاتے تھے چنانچہ ابوسلمہ نصر شاشی ایلاقی المتوفی ۳۹۰ھ جو ایلاق کے قائدین میں سے تھے شاش میں رہتے تھے، ہیثم بن کلیب شاشی سے پڑھا تھا، امام بخاری سے بیک واسطہ حدیث روایت کرتے تھے، لوگوں نے ان سے بہت حدیثیں لکھی ہیں،[2] مورخ ابوسعد ادریسی کا بیان ہے کہ موصوف حج کے لیے جاتے ہوئے سمرقند آئے اور باب دستان کے پاس رباط الامیر میں اترے تو ہمارے اصحاب نے ان سے لکھا اور میں نے موصوف سے شاش میں ۳۸۰ھ سے قبل لکھا تھا۔[3]

---

[1] مراتب النحویین تالیف ابوالطیب عبدالواحد اللغوی تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم القاہرہ۔ مکتبہ نہضۃ مصر ۱۳۷۵ھ ص ۱۰۰ [2] کتاب الانساب ج ۱ ص ۱۳۳ [3] ایضاً

عنه الاملاء فاملاً عن حفظه ۔[1] املا زبانی ہی لکھی گئی ہے ۔

یہ مذکورۂ بالا بیان موصوف کے پاس کتب خانہ نہ ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ ان کے پاس زبردست کتب خانہ تھا۔[2] ان حقایق کی روشنی میں مذکورۂ بالا دعوی کہ عہد عباسی میں کم وبیش ہر عالم کے پاس نجی کتب خانہ تھا، کہا جائے تو کچھ بیجا نہیں ۔

امام ثعلب کے مذکورۂ بالا واقعہ سے یہ امر بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ دوسری تیسری صدی ہجری میں درس اور ملاقات کے موقعہ پر کسی عالم کے ہاتھ میں کتاب کا نہ ہونا موجب حیرت وتعجب تھا۔ یہ اس حقیقت کا نہایت بین ثبوت ہے کہ اس دور میں اہل علم کا اپنے پاس کتابیں اور کتب خانہ رکھنا معمول سا بن گیا تھا، اور ان کو کتابوں سے ایسا شغف ہو گیا تھا کہ درس کے وقت ہی نہیں ملاقات کے وقت بھی ان کے ہاتھ سے کتاب نہیں چھوٹتی تھی، یہ تاریخی شہادتیں دائمی کتب خانوں کے وجود ہی کو ثابت نہیں کرتیں بلکہ ذاتی کتب خانوں کی کثرت کی بھی شاہد عدل ہیں ۔

مشہور مورخ محمد بن عمر واقدی (۱۳۰ - ۲۰۷ھ / ۷۴۷ - ۸۲۳ء) جن کے ذاتی کتب خانہ میں ایک سو بیس بار شتر کتابیں تھیں، مورخین اور تذکرہ نگاروں نے صرف واقدی کے کتب خانے کا ذکر بھی ایک خاص واقعہ کی وجہ سے کیا ہے کہ انھیں بغداد کے مغربی حصہ سے مشرقی حصہ میں مکان تبدیل کرنا پڑا تو کتابیں ایک سو بیس اونٹوں پر لے جانی پڑی تھیں ورنہ ان کے معاصرین میں سے ہر ایک کے پاس اس سے بھی زیادہ کتابوں پر مشتمل کتب خانہ موجود تھا چنانچہ مورخ واقدی کا بیان ہے ۔

ما من احد الا وکتبه اکثر من حفظه وحفظی اکثر من کتبی ۔[2]	میرے معاصرین میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی کتابیں اس کے حفظ سے زیادہ نہ ہوں البتہ میرا حفظ میری کتابوں سے زیادہ ہے ۔

[1] کتاب الانساب ج ۱ ص ۳۵۴ [2] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۹۲، [3] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۵، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، تالیف محمد بن محمد ابن سید الناس، القاہرۃ مکتبۃ القدسی ۱۳۵۶ھ ج ۱ ص ۱۸۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اہل علم کا ذخیرۂ علمی اتنی وسعت اختیار کر گیا تھا کہ اتفاق سے اگر کسی نامور عالم یا اہل فن کے یہاں گھر کے کسی کونے میں رکھا ہوا ذخیرۂ کتب دکھائی دیتا تو اہل علم کی نظروں میں سماتا نہیں تھا، حیرت وتعجب سے پوچھا جاتا تھا، کہ کیا جناب کے پاس کل اتنا ہی کتابوں کا ذخیرہ ہے، چنانچہ ابراہیم بن سفیان زیادی المتوفی ۲۴۹ھ کا بیان ہے ۔

"ایک شخص خراسان سے اصمعی المتوفی ۲۱۶ھ کے پاس آیا جب وہ اصمعی سے مانوس ہو گیا تو اس نے ان سے ایسے موقعہ پر پوچھا جب وہ گھر میں تشریف فرما تھے کہ جناب کی کتابیں کہاں ہیں، اصمعی نے زاویۃ بیت (گھر کے ایک گوشہ) کی طرف اشارہ کیا اس نے اسے بہت تھوڑا سمجھا اور کہا بس اتنا ہی ہے، اصمعی نے کہا حقیقت میں یہ بھی اپنی ندرت کے اعتبار سے بہت ہے۔"[1]

مورخ واقدی کے مذکورۂ بالا بیان میں ما من احد کے الفاظ عام ہیں جو شاہان عباسی کے زیر نگیں پورے اسلامی قلمرو کے معاصر علماء پر یکساں صادق آتے اور منطبق ہوتے ہیں، لیکن کسی وجہ سے اگر اس کا دائرہ خاص علماء اور نامور ارباب فن تک محدود رکھا جائے تو بھی دوسری تیسری صدی ہجری میں بغداد کے اندر ذاتی بڑے کتب خانوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو تو چنداں مستبعد نہیں ۔

مورخین اور تذکرہ نگاروں نے مورخ واقدی کے تمام مشہور معاصرین کا تذکرہ قلمبند کیا ہے لیکن معدودے چند کے سوا کسی کے کتب خانے کا ذکر انکے یہاں نہیں ملتا جو ہمارے اس دعوے کی نہایت قوی دلیل ہے کہ عہد عباسی میں کتب خانے مسلم معاشرے کے لوازم زندگی بن چکے تھے، اور

[1] مراتب النحویین، ص ۴۹ - ۵۰ ۔

کم و بیش ہر ایک عالم کے پاس ذاتی کتب خانہ ہوتا تھا، اس لیے ہر ایک کے تذکرہ میں اسکے کتب خانے کے ذکر کرنے کا چنداں اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔

اس دور میں ارباب کمال کی اسلامی قلمرو میں جیسی کثرت تھی اسکا اندازہ صرف بصرہ میں ارباب فن کی تعداد سے کیا جا سکتا ہے، چنانچہ واقدی کے معاصر اور خلیل بن احمد بصری کے نامور شاگرد نضر بن شمیل (ب ۱۲۲ھ - ۲۰۳ھ / ۷۴۰ء - ۸۱۹ء) نے اپنی تنگ دستی کی وجہ سے جب بصرہ کو خیر آباد کہا اور خراسان کا رخ کیا تو تین ہزار اہل علم انھیں رخصت کرنے مربد تک گئے تھے، انکے متعلق ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ نضر بن شمیل کا رخصت کرنے والوں میں کوئی جلیل القدر محدث، کوئی نحوی، کوئی لغوی، کوئی عروضی اور کوئی اخباری تھا۔[1]

مربد میں نضر نے ان ارباب کمال سے کہا تھا کہ مجھے بصرہ میں ایک یا دو کلیچے بھی پیٹ بھر کھانے کو مل جاتے تو میں بصرہ کو چھوڑ کر نہ جاتا، نضر بن شمیل کا کتب خانہ تھا اور جو علماء علم و کتب اور کتب خانوں کے فروغ و ترقی میں سرگرم عمل تھے انھیں وطن سے نکلنے نہیں دیا جاتا تھا، اسی لیے نضر بن شمیل کو اہل بصرہ سے یہ بات کہنی پڑی تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی نامور عالم کسی شہر میں اقامت پذیر ہوتا اور اس کی مساعی جمیلہ سے اس بستی یا شہر میں علم اور کتابوں کو فروغ و ترقی ہوتی تو اس کا وہاں سے نکلنا اہل شہر کو گوارا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ معمر بن راشد صنعانی المتوفی سنہ ۱۵۲ھ نے جو بصری تھے، صنعا کو چھوڑ کر بصرہ آنا چاہا تو اہل صنعا نے صنعا میں ان کی شادی کر دی اور پھر ان کا صنعا سے نکلنا نہ ہو سکا۔[2] اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو گئی کہ جن ارباب فن سے شہر، بستی اور کوچہ کو فخر حاصل ہوتا تھا ان کو شہر اور بستی میں رکھنے کی ہر تدبیر کی جاتی تھی انھیں جمالیاتی اور سماجی بندھنوں میں باندھا جاتا تھا تاکہ رفاقت کی وجہ سے داغ مفارقت نہ دے سکیں۔

---

[1] طبقات النحویین واللغویین للزبیدی، ص ۵۳، الانباہ للقفطی ج ۳ ص ۳۴۹، ابن خلکان ج ۲ ص ۱۶۱، [2] تہذیب التہذیب لابن حجر، حیدرآباد الدکن مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ سنہ ۱۳۲۶ھ ج ۱۰ ص ۲۲۵

ابو عبیدہ نے نضر بن شمیل کا مذکورۂ بالا واقعہ کتاب مثالب اہل البصرہ میں اہل بصرہ کی مذمت بیان کرتے ہوئے نقل کیا ہے، جس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوئی ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ بصرہ جیسا چھوٹا سا شہر تین ہزار ایسے گوناگوں باکمال علماء سے آباد تھا، وہ علماء جو نضر بن شمیل کو رخصت کرنے نہیں گئے یا نہیں جا سکے تھے ان کی تعداد کا تو کوئی علم نہیں، ظاہر ہے ایسے علم دوست اور علم کے قدر دانوں کے متعلق واقدی کی مذکورۂ بالا شہادت کی موجودگی میں یہ کہنا درست ہے کہ ان تین ہزار علماء و فضلاء کے پاس نجی کتب خانوں کا ہونا ظاہر و باہر ہے۔

علماء اور ارباب کمال کی اتنی بڑی تعداد جہاں آباد ہوتی تھی ایسے شہر اور ایسی بستی کے لیے بلاد اسلامی کے جغرافیہ نویس علامہ سمعانی لکھتے ہیں۔

هذه النسبة الى البصرة وشهرتها	یہ بصرہ کی طرف نسبت ہے اور اسکی شہرت نے
اغنتني عن ذكرها لكن ذكرتها	مجھے اسکے ذکر سے مستغنی کر دیا ہے، لیکن
لكي لايخلو الكتاب عنها۔[1]	میں نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ کتاب
	اس کے ذکر سے خالی نہ رہے۔

یاقوت کا بیان ہے:۔

والمنسوبون اليها من اهل العلم	اور بصرہ کی طرف اہل علم کی اتنی بڑی تعداد
لايحصون[2]	منسوب ہے کہ شمار نہیں کی جا سکتی۔

اسی علمی ثروت کی وجہ سے بصرہ کو "خزانۃ العرب" کہا جاتا تھا۔[3]

---

[1] کتاب الانساب ج ۲ ص ۲۵۷، [2] معجم البلدان ج ۱ ص ۶۴۴، [3] کتاب الانساب ج ۲ ص ۲۵۳

اس قسم کی معلومات تذکرہ، تاریخ وطبقات کی کتابوں کے علاوہ انساب وجغرافیہ بلاد کی کتابوں میں بھی بکثرت ملتی ہیں، ان کی اصل غایت اس عالم کے حدود استفادہ وافادہ علمی کو بیان کرنا، اس کے حلقۂ اثر کو بتانا، اشاعت علم، کتابوں اور کتب خانوں کے فروغ وترقی میں اس کی مساعی جمیلہ کو بیان کرنا، اس کے ذخیرۂ کتب سے اس خطہ کے اہل علم کے استفادہ وفیض عام کی صراحت کرنا ہوتا تھا، اسی لئے تذکرہ نگار اس عالم کا جو پہلی مرتبہ کسی امام فن کے ذخیرہ سے کسی خاص خطۂ ارضی اور کسی خاص اسلامی شہر کو روشناس کراتا تھا اس کا تعارف اول من ادخل کتب فلان[1] (موصوف سب سے پہلے فلاں کی کتابیں لے کر پہنچے تھے) کے شاندار الفاظ سے کراتے تھے۔

عہد عباسی میں مورخین اور تذکرہ نگاروں کا طبقات[2]، مکاتیب فکر[3]، ادبا[4]، اقالیم وممالک[5]، انساب[6] والقاب[7] اور کنیٰ[8] پر کتابیں لکھنے، کتب تاریخ میں ہر سنہ کے بعد مشاہیر کی وفیات ذکر کرنے کی غرض وغایت ہی مشاہیر عصر، نامور ارباب فن، اہل علم واہل قلم کے فیضان واثر کو بیان کرنا اور ان کی تحقیقات سے علمی دنیا کو متعارف کرانا ہوتا تھا[9]، جس سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۸۰۰، [2] المذاہب الفقہیۃ الاربعۃ الحنفی، المالکی، الشافعی، الحنبلی وانتشارہا عند جمہور المسلمین لاحمد تیمور باشا مع دراسۃ تحلیلیۃ لمحمد ابی زہرۃ، القاہرۃ لجنۃ نشر المؤلفات التیموریۃ، ج ۳، ت ص ۲۵، ۸۲، ۸۳۱، [3] کتاب مشاہیر علماء الامصار تالیف محمد بن حبان البستی تحقیق فلایشہر القاہرۃ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ۱۳۷۹ھ ص، طبقات الفقہاء لابی اسحاق ابراہیم الشیرازی تحقیق احسان عباس، بیروت، دار الرائد العربی ۱۹۷۰ء ص ۳۱ [4] مراتب النحویین ص ۳ مقدمۃ المحقق طبقات النحویین واللغویین ص مقدمۃ المحقق [illegible] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴ مروج الذہب ومعادن الجوہر للمسعودی تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید ط ۳ مصر مطبعۃ السعادۃ ۱۳۷۷ھ ج ۱ ص، [5] یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر للثعالبی تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید القاہرۃ مطبعۃ حجازی ۱۹۴۷ء ج ۱ ص ۴ [6] تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب تالیف عبد الرزاق ابن الفوطی تحقیق مصطفیٰ جواد دمشق المطبعۃ الہاشمیۃ [illegible] [7] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۲۳ [8] اللباب ج ۱ ص [illegible] المؤتلف والمختلف تالیف الحسن بن بشر الآمدی تحقیق عبد الستار احمد فراج القاہرۃ مکتبۃ الحلبی ۱۳۸۱ھ ص ۲ [9] وفیات الاعیان لابن خلکان تحقیق احسان عباس، بیروت دار الثقافۃ ۱۹۶۹ء ج ۵ ص ۳۴۵۔

[illegible]

سوانح حیات وکتابیات کو بھی تنوع، وسعت اور فروغ حاصل ہوتا رہا۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ مورخ ابوعبداللہ ابن سعد کاتب واقدی (۱۶۸-۲۳۰ھ) نے الطبقات الکبیر کو اسلامی صوبوں پر مرتب کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصد پہلی، دوسری اور تیسری صدی میں اسلامی قلمرو کے مختلف صوبوں اور شہروں کی علمی ترقی، علماء واہل فن کی علمی وفنی سرگرمیوں کو بیان کرنا ذخائر علمی اور کتب خانوں کی طرف رہنمائی کرتا تھا۔

انہی حقائق کی وجہ سے علامہ سمعانی اور یاقوت رومی وغیرہ اسلامی قلمرو کے ایک ایک کوچہ، بستی، قصبے، شہر، صوبے اور ملک کے متعلق اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ یہ بستی محدثین سے آباد تھی، اس محلے میں ادباء رہتے تھے، یہ بڑا مردم خیز خطہ تھا، یہاں سے ہر فن میں ارباب کمال نکلے ہیں، اس سرزمین سے گذشتہ وموجودہ ہر دور میں علماء وفضلاء نکلتے رہے ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس خطہ کو فروغ علم، فروغ کتب اور کتب خانوں کی ترویج واشاعت میں امتیاز حاصل رہا ہے، کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان یاقوت سے بطور نمونہ حرف الف کی تقطیع سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، اس سے حقیقت حال واضح ہو جائے گی، علامہ سمعانی اصفہان کی ایک بستی آبی کے متعلق رقمطراز ہیں "خرج منہا جماعۃ من المشاہیر"[1] اس بستی سے نامور اہل علم کی ایک جماعت نکلی ہے، آجری جو بغداد کے غربی گوشہ میں نہر طابق کا ایک محلہ ہے، اس کے متعلق یاقوت لکھتے ہیں "اس میں بہت سے علماء رہتے ہیں"[2] اسکاف کے متعلق موصوف کا بیان ہے "نامور علماء، ادباء، حکام، محدثین کی بہت بڑی تعداد یہاں سے نکلی ہے"[3] آمد ایک بہت پرانا چھوٹا مضبوط شہر تھا، اس کے متعلق سمعانی فرماتے ہیں یہاں سے ہر فن کے علماء نکلے ہیں،[4]

---

[1] کتاب الانساب، ج ۱، ص ۴۸ [2] معجم البلدان ج ۱، ص ۵۱ [3] ایضاً ج ۱، ص ۱۸۱

[4] کتاب الانساب ج ۱، ص ۸۲،

اور آمل طبرستان کے متعلق لکھتے ہیں، قدیم وجدید اہل علم کی ایک جماعت اس کی طرف منسوب ہے، یہاں سے ہر فن کے علماء نکلے ہیں۔[۱]

علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں (۴۵۲۶) مشہور نسبتوں کا ذکر کیا ہے جن میں ابتدائی (۳۴۸) نسبتوں میں دو سو نامور علماء کا تذکرہ کیا ہے، اس حساب سے صرف کتاب الانساب میں تقریباً چودہ پندرہ ہزار نامور علماء و فضلاء کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔[۲] اگر ایک نسبت میں صرف ایک ہی قابل قدر کتب خانہ شمار کیا جائے تو چھٹی صدی ہجری میں اسلامی دنیا میں کم از کم ساڑھے چار ہزار عوامی، شاہی اور ذاتی کتب خانوں کی تعداد پہنچتی ہے[۳] ورنہ دس بارہ ہزار سے کسی طرح کم نہیں قرار دی جاسکتی، تاہم اس تعداد سے کتب خانوں کی کثرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور مسلم معاشرہ میں کتب خانوں سے عام دلچسپی کا بھی پتہ چلتا ہے یہ بھی دراصل عہد عباسی میں کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کا اثر تھا، اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ کتابی سرگرمی اور کتب خانوں کی ترقی میں عہد عباسی کو خصوصیت خاص حاصل ہے لیکن افسوس ہے کہ اس دور کے کتب خانوں کی تاریخ پر علمی اور تحقیقی انداز میں اب تک ایسا کام نہیں ہوا، جس میں اصل ماخذوں کو زیادہ سے زیادہ کھنگالا گیا ہو، فنی نقطۂ نگاہ سے ان کے اسباب و علل کا کھوج لگایا گیا ہو اور ان کے ارتقاء کو عہد بعہد بتایا گیا ہو۔

(د) عہد عباسی میں کتب خانوں کی نشان دہی کے اسباب

مورخین اور تذکرہ نگاروں نے طبقات و سیر کی کتابوں میں حسب ذیل تین اہم اسباب کی وجہ سے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے۔

[۱] کتاب الانساب ج ۱ ص ۲۰۰ ؛ [۲] سمعانی اور ان کی کتاب الانساب مقالات عرشی، از امتیاز علی عرشی، لاہور مجلس ترقی ادب ۱۹۷۰ء ص ۲۲۸

(۱) نہایت غیر معمولی کتب خانوں کو بیان کیا ہے۔[۱]

(۲) کسی خاص واقعہ کے ضمن میں اتفاقاً کتابوں اور کتب خانوں کا ذکر ان کے زبان و قلم پر آگیا جیسا کہ مورخ واقدی کے بغداد میں نقل مکانی کی وجہ سے اس کی کتابوں اور اس کے کتبخانوں کا ذکر تاریخ و تذکرہ کی کتابوں میں آگیا۔[۲]

(۳) کسی عالم، بادشاہ، امیر، وزیر وغیرہ کی کتابوں سے غیر معمولی شغف کی وجہ سے ضمنی طور پر اس کے کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے۔[۳]

ان ہی تینوں اسباب کی روشنی میں اس موضوع پر لکھنے والوں نے کتب خانوں کا ذکر کیا۔[۴]

(ز) عہد عباسی میں کتب خانوں کی شناخت کے رہنما اصول ....

عہد عباسی کے مورخین و تذکرہ نگاروں نے کتب خانوں کی رہنمائی اور نشاندہی جن اشاروں اور فقروں سے کی ہے وہ کتب خانوں کی شناخت کے اساسی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی روشنی میں عہد عباسی کے کتب خانوں کی تعیین کی گئی ہے وہ رہنما اساسی اصول حسب ذیل ہیں۔

(۱) کسی خاص نام سے کتب خانہ قائم کرنا یا کسی کے ذخیرۂ کتب کے لیے خزانہ کا لفظ لکھا جانا مثلاً۔

الف:-	لہ خزانۃ۔[۵]	ب:-	خزانۃ کتب[۶]
ج:-	خزائن الکتب۔[۷]	د:-	خزانۃ الحکمۃ۔[۸]

[۱] کتاب صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء، تالیف احمد بن علی، القاہرہ دار الکتب المصریہ ۱۳۳۱ھ ج ۱ ص ۴۶۶ [۲] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۵ معجم الادباء ج ۷ ص ۵۸ [۳] کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۱۶۹، ۲۰۵، ۳۸۲ [۴] معجم الادباء ج ۵ ص ۱۵۹، ۲۶۶ [۵] کتاب الفہرست ص ۶۰ [۶] آثار البلاد و اخبار العباد تالیف ذکریا بن محمد بن محمود القزوینی بیروت دار صادر للطباعۃ والنشر ۱۳۹۰ھ ص ۳۸۰ [۷] فقہ اللغۃ و سر العربیہ تالیف عبدالملک الثعالبی تحقیق مصطفیٰ السقا ابراہیم الابیاری عبدالحفیظ شلبی، ط ۲ مصر مطبعۃ مصطفیٰ البابی ۱۳۹۲ھ ص ۹ و کتاب المنتظم ج ۱۰ ص ۱۱۳ [۸] کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۳۸۲

و:- خزانۃ العلوم	د:- بیت الحکمۃ
ز:- دار الحکمۃ	ح:- صوان الحکمۃ
ط:- بیت الکتب	ی:- بیوت الکتب
ك:- دار الکتب	ل:- مکتب
م:- دار العلم	ن:- دار المعرفۃ

(۲) کتابیں جمع کرنا۔ مثلاً یہ کہنا۔

الف۔ اقتنی کتباً کثیرۃ — اس نے بہت کتابیں حاصل کی تھیں۔

جمع مالم یجمعہ احد من اقرانہ — موصوف نے اتنی کتابیں جمع کیں جو ان کے معاصرین میں سے کسی نے جمع نہیں کی تھیں

د۔ جمع من الحدیث مالم یجمعہ احد — موصوف نے حدیث کا اتنا ذخیرہ جمع کیا تھا کہ

---

[1] جمہرۃ انساب العرب تالیف ابن حزم تحقیق عبد السلام محمد ہارون، مصر، دار المعارف ۱۳۸۲ھ، ص ۱۰۰
[2] کتاب الفہرست لابن الندیم، ص ۳۴۱، [3] معجم الادباء ج ۵ ص ۶۶ [4] کتاب المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار المعروف بالخطط المقریزیہ، القاہرہ، دار الطباعۃ المصریہ بیولاق ۱۲۷۰ھ ج ۱ ص ۴۴۳ [5] کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون تالیف حاجی خلیفہ، استانبول، مطبعۃ المعارف ۱۳۲۰ھ ج ۱ ص ۶۸۳ [6] کتاب تتمۃ صوان الحکمۃ تالیف علی بن زید بیہقی تحقیق محمد شفیع، لاہور، پنجاب یونیورسٹی ۱۳۵۱ھ ص ۴۴، ۵۶، ۱۲۸، [7] ایضاً ص ۴۳ [8] النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرۃ، تالیف یوسف ابن تغری بردی، القاہرۃ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۳۴۸ھ ص ۱۳۲
[9] کتاب الانساب ج ۵ ص ۴۳ [10] کتاب الخطط المقریزیہ ج ۱ ص ۴۵۸ [11] تاریخ ابن خلدون ج ۵ بیروت، دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء ج ۴ ص ۹۰ [12] تاریخ الحکماء للقفطی تحقیق جیوس سرٹ، لیپزک، تھیبوڈر دیچ، ۱۹۰۳ء ص ۳۶۲ [13] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۶۵، النجوم الزاہرہ ج ۵ ص ۱۲۶
[14] کتاب الانساب ج ۱ ص ۲۲۳۔

معاصرین میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔

ج۔ جمع من الکتب مالم یجمعہ غیرہ — موصوف نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ ان کے معاصرین میں سے کسی نے نہیں کی تھیں۔

د۔ جمع من الکتب مالم یجمعہ احد — اس نے اتنی کتابیں جمع کی تھیں کہ کسی نے نہیں کی تھیں

ہ۔ جمع کتباً عظیمۃ — موصوف نے بڑی کتابیں جمع کی تھیں۔

و۔ جمع کتباً کثیرۃ — اس نے بہت کتابیں جمع کی تھیں۔

ز۔ جمع الکتب الحسان۔ — اس نے عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔

ح۔ جمع وکتب مالا یحصی۔ — اس نے اتنی کتابیں جمع کی، اور لکھی ہیں کہ شمار نہیں کی جاسکتیں۔

ط۔ جمع من الکتب کثیراً وکان شدید الشغف بہا۔ — اس نے بہت کتابیں جمع کی تھیں، اور اسے ان سے بہت شغف تھا۔

پانچویں صدی ہجری میں اس فقرہ کا یہ مطلب تھا کہ اس نے ہزاروں کتابیں جمع کی تھیں، اس کا بہت بڑا کتب خانہ تھا، چنانچہ مرہف بن اسامہ المتوفی ۶۱۳ھ کے متعلق منذری نے یہی الفاظ لکھے ہیں، یاقوت نے موصوف کا جو بیان نقل کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، ج ۹ ص ۱۱۰، المختصر فی اخبار البشر تالیف ابو الفداء اسماعیل مصر المطبعۃ الحسینیۃ المصریہ ۱۳۲۵ھ ج ۲ ص ۱۳۰ [2] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۹۹۴۔ [3] کتاب المنتظم ج ۹ ص ۱۸۰ [4] البدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱۲ ص ۶۳ [5] المنتظم ج ۱۰ ص ۱۲۲ [6] کتاب المنتظم ج ۱۰ ص ۱۲۲، کتاب العبر ج ۳ ص ۵۹ [7] التکملۃ لوفیات النقلۃ لعبد العظیم المنذری تحقیق بشار عواد معروف النجف مطبعۃ الآداب ۱۳۹۱ھ ج ۲ ص ۲۱۰

کتب خانہ میں کتابوں کی اتنی بڑی تعداد موجود تھی کہ انھیں بھی اس کا صحیح علم نہ تھا، ایک افتاد میں موصوف نے چار ہزار کتابیں فروخت کیں تو بھی پتہ نہ چلا کہ کتب خانہ سے کچھ نکلا ہے۔[1]

ی ۔ رحل وجمع وصنف۔[2]	موصوف نے سفر کیا، کتابیں جمع کیں اور تصنیف کیں۔
ک ۔ سمع وجمع وصنف۔[3]	اس نے احادیث کا سماع کیا، انھیں جمع کیا اور تصنیف کی۔
ل ۔ تعب فی جمعہ وجمع المجموع۔[4]	موصوف نے جمع حدیث میں بہت مشقت برداشت کی اور مجموعے جمع کیے۔
م ۔ حصل الاصول الثمینۃ۔[5]	اس نے اصل قیمتی نسخے حاصل کیے تھے۔
ن ۔ حصل الاصول وجمع الکتب۔[6]	اس نے اصل نسخے حاصل کیے اور کتابیں جمع کیں۔
س ۔ حصل اصولاً کثیرۃ۔[7]	اس نے بہت سے اصل نسخے جمع کیے تھے۔
ع ۔ حصل عندہ من الاصول والاجزاء مالا یوصف کثیرۃ۔[8]	موصوف نے اصل نسخے اور اجزاء اتنے جمع کیے تھے کہ ان کی تعداد حیطۂ بیان سے باہر ہے۔
ف ۔ حصل کتباً کثیرۃ۔[9]	موصوف نے بہت کتابیں جمع کی تھیں۔
ص ۔ حصل... الکتب الجیدۃ۔[10]	اس نے بہت عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔
ق ۔ حصل کتباً نفیسۃ۔[11]	اس نے نفیس کتابیں فراہم کی تھیں۔
ر ۔ حصل من الکتب الطبیۃ	اس نے طب وغیرہ کی اتنی کتابیں جمع کی تھیں جو

[1] معجم الادباء، ج ۲ ص ۱۹۷ [2] الانساب ورق ۱۳۴ ب [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۳۱۔
[4] الانساب ورق ۷۹ ب [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۸۴ [6] التکملہ لوفیات النقلہ ج ۳ ص ۲۵۵ [7] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۰۵ [8] ایضاً ج ۳ ص ۱۱۹۲ [9] البدایہ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۵۶ [10] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۷۴ [11] کتاب المنتظم، ج ۱۰ ص ۱۲۱۔

وغیرہما مالا یکاد یوجد عند غیرہ۔[1]	اس کے معاصرین میں سے کسی کے پاس مشکل ہی سے مل سکتی تھیں۔
ش :۔ صرف فیہا زائداً عن خمسین الف دینار فی تحصیل الکتب اشتراءً ونقلاً وکتابۃ۔[2]	موصوف نے پچاس ہزار دینار سے زیادہ رقم کتابوں کی خریداری اور نقل وکتابت کرانے پر خرچ کی تھی۔
ش :۔ کان حریصاً علی طلب الکتب[3]	وہ کتابیں جمع کرنے کا دلدادہ تھا۔
س :۔ کان حریصاً علی کتابتہ۔[4]	وہ حدیثیں لکھنے کا شوقین تھا۔
ث :۔ کان حریصاً علی نقل الکتب وتحصیلہا۔[5]	وہ کتابیں نقل کرنے اور حاصل کرنے کا دلدادہ تھا۔
ت ۔ (الف) ابو البشر الفضل حریص علی اقتناء الکتب۔[6]	ابوبشر فضل کتابیں جمع کرنے کا دلدادہ تھا۔
ث :۔ خلف ما جمعہ فی طول عمرہ من الکتب۔[7]	عمر بھر جو کتابیں جمع کی تھیں وہ چھوڑ گئے۔
ث (الف)، کان کثیر العنایۃ بتحصیل الکتب[8]	موصوف کو کتابیں حاصل کرنے کی بہت لگن تھی۔
خ ۔ کان کثیر الکتب۔[9]	وہ کتابیں بہت رکھتا تھا۔

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ، ج ۳ ص ۳۵۰-۳۵۱ [2] الانباہ الرواۃ ج ۲ ص ۳۰۵
[3] عیون الانباء جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ - [4] المعجم الکبیر
[5] عیون الانباء، ج ۲ ص ۱۷۶ [6] یتیمۃ الدہر ج ۲ ص ۲۸ [7] التاریخ الکبیر لابن عساکر بترتیب تہذیب عبد القادر افندی بدران، دمشق طبعہ روضۃ الشام ۱۳۲۹-۱۳۵۱ھ ج ۳ ص ۳۶ [8] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ تالیف عبد القادر ابن ابی الوفاء محمد القرشی حیدرآباد دکن مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۳۲ھ ج ۲ ص ۱۵۷ - [9] کتاب الانساب ج ۱ ص ۲۲۳ [10] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۶۶ -

خ (الف) كان من المكثرين في الحديث كتابة وسماعا۔[1]	موصوف حدیث کی بکثرت کتابت و سماعت کرنے والوں میں سے تھے۔
ذ ۔ كتب بخطه الكثير وحصل الاصول[2]	اس نے اپنے قلم سے بہت لکھا اور اصل نسخے جمع کیے تھے،
ض ۔ كتب وحصل الاصول الكثيرة[3]	موصوف نے لکھا اور بہت زیادہ اصل نسخے جمع کیے تھے۔
ض (الف) كتبت وكتب لي عشرة احمال[4]	میں نے لکھا اور میرے واسطے دس بار شتر کتابیں لکھی گئیں۔
ظ ۔ ما رأيت فيمن رأيت اكثر كتبا ... منه۔[5]	میں نے جن اہل علم کو دیکھا ہے ان میں موصوف سے زیادہ کتابیں کسی کے پاس نہیں دیکھیں۔
ع ۔ نسخ الكثير وحصل الاصول۔[6]	اس نے بہت نقل کیا اور اصل نسخے فراہم کیے تھے۔

(۳) علمی ذخیرہ بنانے اور اس میں اضافہ کرنے کے لیے خود کتابیں نقل کرانا یا اجرت پر نقل کرانا، مثلاً یہ کہنا۔

الف ۔ كتب الكثير وجمع ما لم يجمعه احد من اقرانه[7]	اس نے بہت لکھا اور اتنا علمی ذخیرہ جمع کیا کہ اس کے ہمعصروں میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔

حافظ ابن الفرات المتوفی سنہ ۴۱۴ھ کے عظیم کتب خانہ کے متعلق اسی قسم کے فقرے لکھے گئے ہیں جس میں ایک ہزار جزء تو صرف علی بن محمد مصری کی روایت سے موجود تھے، سو تفسیر[8] اور

[1] المنتظم ج ۸ ص ۲۰۰ [2] الوافی بالوفیات، ج ۸ ص ۲۳۲، الجامع المختصر فی عنوان التواریخ وعیون السیر تالیف علی بن انجب الساعی تحقیق مصطفی جواد، بغداد، المطبعة السریانیة الکاثولیکیة سنہ ۱۹۳۴ء ج ۹ ص ۲۱۳۔ [3] تذکرة الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۶۱-۱۳۶۲۔ [4] ایضاً ص ۱۳۳۶۔ [5] ایضاً ص ۱۳۳۳ ج [6] ایضاً ص ۱۲۱۳، [7] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۳، الانساب ورق ۴۲۰ ب کتاب المنتظم ج ۸ ص ۱۷۱، الکامل فی التاریخ ج ۹ ص ۷۰، البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۱۲ [8] تذکرة الحفاظ ج ۳ ص ۱۰۲۵

سو تاریخیں موصوف کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی محفوظ تھیں، جب مرے تو اٹھارہ صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے تھے اور یہ وہ کتابیں تھیں جو چوری سے بچ رہی تھیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مختصر سے جملہ میں کتنی وسعت مضمر ہے۔

ب ۔ كتب بخطه ما لا يوصف كثرة[1]	اس نے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔
ج ۔ كتب ما لا يوصف كثرة ودام ينسخ ويصنف۔[2]	اس نے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ برابر نقل کرتا اور تصنیف کرتا رہا ہے۔
د ۔ كتب بخطه المليح الرشيق ما لا يوصف كثرة۔[3]	موصوف نے اپنے عمدہ و خوبصورت خط سے اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔
ه ۔ كتب بخطه السريع الرفيع ما لا يوصف كثرة۔[4]	اس نے اعلیٰ و تیز خط میں اتنا زیادہ لکھا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔
و ۔ كتب بخطه شيئا كثيرا۔[5]	اس نے اپنے قلم سے بہت کچھ لکھا ہے۔
ز ۔ كتب الكتب ونسخ الكتب الكبار[6]	اس نے کتابیں لکھیں اور بڑی بڑی کتابیں نقل کیں۔
ح ۔ كتب الكتب الطوال۔[7]	اس نے لمبی لمبی کتابیں لکھیں۔
ط ۔ كتب بخطه كثيرا واستنسخ وحصل الاصول۔[8]	موصوف نے اپنے قلم سے بہت زیادہ لکھا، نقل کرایا اور اصل نسخے حاصل کیے۔
ق ۔ كتب بيده عدة احمال۔[9]	اس نے اپنے ہاتھ سے کئی بار شتر کتابیں نقل کی تھیں۔

[1] العبر الذہبی ج ۴ ص ۲۹۸ [2] تذکرة الحفاظ ج ۴ ص ۱۳۷۳ [3] ایضاً ص ۱۲۰۲، [4] ایضاً ص ۱۲۵۲ [5] تذکرة الحفاظ، ج ۴ ص ۱۴۰۰۔ [6] ایضاً ص ۱۲۸۳۔ [7] العبر ج ۳ ص ۱۰۶ [8] تذکرة الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۰۱، [9] میزان الاعتدال للذہبی ج ۳ ص ۴۷۹۔

ی - کتب الکثیر وصنف وجمع [1]
اس نے بہت زیادہ لکھا، تصنیف اور کتابیں جمع کیں۔

ک - سمع مالا یوصف کثرة ونسخ بخطه الصحیح السریع [2]
موصوف نے اتنا سماع کیا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا اور اپنے قلم سے صحیح اور جلدی نقل کیا۔

ل - نقل بخطه الملیح مالا یدخل تحت الحصر [3]
اس نے اپنے پاکیزہ خط سے اتنا لکھا ہے کہ شمار سے باہر ہے۔

م - نسخ واستکتب وصنف وجمع [4]
اس نے کتابیں نقل کیں، کرائیں، تصنیفات کیں اور جمع کیں،

ن - نسخ لنفسه ولغیره [5]
اس نے اپنے لیے اور غیروں کے لیے کتابیں نقل کی تھیں۔

س - کانت النقلة یحصلون من جاهه ویمتازون من فضله [6]
نقل نویسوں کو اس کی طرف سے اجرت ملتی اور وہ اسکے لطف وکرم سے بہرہ مند ہوتے تھے۔

ع - کان یصل الی النقلة من ماله و افضاله شیئ کثیر جدا [7]
کتابیں نقل کرنے والوں کو مال بھی ملتا اور اسکی بے پایاں عنایتوں سے بھی سرفراز ہوتے تھے۔

ف - کان یقارب عطاءه للنقلة و النساخ فی کل شهر الفی دینار [8]
وہ کتابیں نقل کرنے اور لکھنے والوں کو ہر مہینہ تقریباً دو ہزار دینار دیتا تھا۔

ق - کان الوراقون یکتبون له [9]
وراق اس کے لیے کتابیں لکھتے تھے۔ (باقی)

---

[1] البدایه والنهایه ج ۱ص ۹ ۱۴۳، الطبقات السنیه فی تراجم الحنفیه ج ۱ ص ۲۷۹-۲۸۰ [2] تذکرة الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۹۹ [3] ایضاً ص ۱۳۱۱ [4] ایضاً ص ۱۲۳۵۔ [5] ایضاً ص ۱۳۱۲۔ [6] عیون الانباء ج ۲ ص ۱۰۶۔ [7] ایضاً۔ [8] ایضاً۔ [9] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۳۴۸، تهذیب التهذیب ج ۷ ص ۴۴۴-۴۴۵۔

حکم اقراء کے ثقافتی پہلو

اور

شاہانِ عباسی کی عالمگیر تحریک کتب سازی کے اثرات

(ماہنامہ معارف، ستمبر–اکتوبر 1984ء)

حکم اقراء کے ثقافتی پہلو
اور
شاہانِ عباسی کی عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات

از - ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی، سینیر لائبریرین، بیرو یونیورسٹی، کانو، نائیجیریا۔

ملک اور بیرون ملک کے نامور اہل علم نے اسلامی عہد کے کتب خانوں کو اپنا موضوع بحث بنایا لیکن سب نے گنے چنے معروف و مشہور کتب خانوں کا ذکر کیا مولانا شبلی اور مستشرق اولگا پنٹو نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا اس نے اس موضوع پر محققین کو قلم اٹھانے پر آمادہ کیا، چنانچہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی نے بعض نئے پہلو مثلاً وراقت اور انتظام کتب خانہ پر لکھا، بعد میں اس موضوع پر لکھنے والوں کا یہی سرمایہ معلومات رہا ہے، چنانچہ مصر و شام کے نامور اہل علم ڈاکٹر شلبی اور ڈاکٹر محمد ماہر حمادہ کی معلومات بھی اولگا پنٹو سے زیادہ نہیں، شاذ و نادر ہی کہیں ان کے یہاں نئی معلومات ملتی ہیں۔

اسلامی عہد میں مسلمانوں کی علمی تاریخ کا باب نہایت شاندار رہا ہے خاص طور پر عہد عباسی کو اس باب میں امتیاز خاص حاصل ہے، اس دور میں کتب خانوں کی اتنی کثرت رہی ہے کہ اس سے قبل انسانی تاریخ کے کسی دور میں بھی کتب خانوں کی اتنی کثرت و تنوع کا کہیں سراغ نہیں ملتا، اس لیے ان کے ذکر کے بغیر کتب خانوں کی تاریخ نامکمل ہے۔

حسن اتفاق سے اس موضوع پر لکھنے کیلئے قرعۂ فال میرے نام پر نکلا، میں نے اس امر کی کوشش کی

کہ مسلمانوں نے اپنے جملہ علوم و فنون کی اساس قرآن و سنت پر رکھی ہے، اور انہی سرچشموں سے انھوں نے اپنے گوناگوں علوم و فنون کی آبیاری کی اور انھیں تازگی و شادابی حاصل ہوئی فن کتبخانہ بھی مسلمانوں کا خاص فن رہا ہے، اس فن کو پروان چڑھانے کے لیے انھوں نے جیسی دوررس دو ہیرایا اور گوناگوں خدمات انجام دی ہیں، عہد اسلامی سے قبل بھی کتب خانوں کی تاریخ میں اس کا کہیں سراغ نہیں لگتا۔

اس فن کی اساس حکم اقراء اور قیدوا العلم بالکتاب پر قائم ہے، اور اس کی ترقی اسی کا فیضان ہے، میں نے اس کی بنیادوں کو قرآن و سنت میں تلاش کیا اور الحمدللہ غور و فکر کے بعد ان کی کڑیاں مجھے ملتی گئیں میں نے اپنے تحقیقی مقالہ میں انھیں واضح کرنے اور مشکلات فن کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، اس کوشش میں کس حد تک مجھے کامیابی ہو سکی ہے اس کا کچھ اندازہ قارئین اکرام کو "حکم اقراء کے ثقافتی پہلو اور خلفاء عباسیہ کی عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کے اثرات" سے ہو سکے گا۔ اس مقالہ میں جو خوبی آسکی ہے، اسے اسلامی تعلیمات کا فیضان سمجھئے اور جو لغزش و خطا ہو وہ میری طرف سے ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب،

غار حرا میں اقراء کے حکم نے عربوں کو الکتاب کی (۱) قرأت (۲) کتابت (۳) حفاظت اور (۴) اشاعت کا پابند کر کے علم و عرفان کا دالہ و شیدا بنایا، پھر ان کی دعوت پر جس قوم و ملت نے اقراء کے نور کی معرفت کو دل میں جگہ دی وہ بھی مذکورہ بالا چار باتوں کی خوگر ہو گئی، اس طرح نور اقراء سے عالم میں علمی دور کا آغاز ہوا اور تحریک علوم و کتب کے احیاء کا ایسا زنی پذیر سلسلہ شروع ہوا کہ جب تک اس عالم میں اقراء کا سلسلہ قائم ہے اسکی تحریک احیائے علوم و کتب کا دریائے فیض رواں رہے گا۔ اقراء کی اس تحریک احیائے علوم و کتب سے

کتب خانوں کا قیام عمل میں آیا، پھر شاہان عباسی نے خزانۃ الحکمۃ، بیت الحکمۃ، خزانۃ الکتب قائم کرکے بنی نوع انسان کے تمدنی و ثقافتی مشترکہ ورثہ کی حفاظت کے جذبہ کو مزید توانائی بخشی اور کتب خانہ سازی کی تحریک کو عالمگیر تحریک بنایا، اس کتب خانہ سازی کی عالمگیر تحریک کے دیرپا اور دور رس اثرات حسب ذیل تھے۔

(۱) عرب جو اپنی قوت حافظہ پر غیر معمولی اعتماد کی وجہ سے اپنے علمی و ثقافتی ورثہ کو ضبط تحریر میں لانا عار سمجھتے رہتے تھے۔[1] اس تحریک نے ان کے ذہن ہی کو بدل کر رکھ دیا، وہ اس کو فخر سمجھنے لگے، چنانچہ اوائل عہد عباسی میں پورے اسلامی قلمرو کے اندر تصنیف و تالیف اور تدوین علوم کے ترقی پذیر سلسلہ کا نہایت سرعت سے آغاز ہوا۔[2]

یہ عالمگیر و اجتماعی تحریک پورے اسلامی قلمرو میں پروان چڑھی اور ایسی مقبول عام ہوئی کہ اس کے چلانے اور کتب خانوں کو فروغ دینے کے لیے نہ مرکزی نہ صوبہ جاتی و بلدیاتی اداروں کی مدد درکار ہوئی حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک نے مسلم معاشرے کے احساسات اتنے بیدار کیے تھے کہ کتب خانوں کا قیام و اہتمام مسلم معاشرے کے ثقافتی آداب ولوازم میں سمجھا جانے لگا تھا۔

(۲) عہد عباسی میں کتب خانہ مسلمانوں کی تمدنی زندگی کا لازمی جز بن گیا تھا، اس لئے تذکرہ کی کتابوں میں کتابوں کے شوقین بادشاہوں، امیروں، وزیروں اور عالموں وغیرہ کے

---

[1] تقیید العلم تالیف احمد بن علی الخطیب بغدادی، تحقیق یوسف العش، دمشق، المعہد الفرنسی ۱۹۴۹ء ص ۱۱۰۔ [2] المحدث الفاصل بین الراوی والواعی تالیف الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی، تحقیق محمد عجاج الخطیب بیروت، دار الفکر، ۱۳۹۱ھ ص ۶۱۱ - ۶۱۲، تذکرۃ الحفاظ الذہبی حیدرآباد الدکن، ط ۳، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۳۷۵ھ ج ۱ ص ۱۰۱، تاریخ الخلفاء سیوطی تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید کراچی نور محمد کارخانہ تجارت کتب ۱۳۹۱ھ ص ۲۶۱، النجوم الزاہرہ فی اخبار ملوک مصر و القاہرۃ لابن تغری بردی القاہرہ مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۳۳۹ھ ج ۱ ص ۳۵۱

کتب خانوں کے ذکر کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ تذکرہ و تاریخ کی کتابوں میں کتب خانوں کا ذکر شاذ و نادر ہی ملتا ہے، شاہ دمشق الملک المعظم جو ایک عالم و نہایت فاضل مصنف تھا، تذکرہ نگاروں نے اس کے سب ہی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، لیکن اس علم دوست، معارف پرور شیدائے کتب بادشاہ کے کتب خانہ کا کسی نے تذکرہ نہیں کیا، یاقوت نے ابو سعد محمد بن احمد عمیدی نحوی المتوفی ۴۳۳ھ کی کتاب تنقیح البلاغہ کا مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ اس کے کتب خانہ میں دیکھا تھا،[1] اس لیے عمیدی کے ذکر میں اس کے کتب خانہ کا نام آگیا ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ اس کا بھی کوئی کتب خانہ تھا۔

(۳) عہد عباسی میں بادشاہ، امیر، وزیر کے محل سرا در ذی حیثیت اور پڑھے لکھے لوگوں کے مکان میں کتب خانہ ہونا لوازم زندگی میں شمار کیا جاتا تھا، چنانچہ شاہان عباسی میں سے ہر ایک خلیفہ کے پاس کتب خانہ موجود تھا، لیکن تذکرہ نگاروں نے دو چار کے سوا کسی خلیفہ کے کتب خانے کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ عوام و خواص میں ان کے کتب خانوں کی بہت شہرت ہوتی تھی، چنانچہ صولی نے ایک موقعہ پر خلیفہ راضی باللہ سے یہ بات کہی تھی۔

یتحدث الناس بان سیدنا	عوام میں چرچا ہے کہ ہمارے بادشاہ
مع جلالتہ علمہ وعلو نعمتہ	نے جلالت علمی اور علوئے نعمت کے باوجود
عمل خزانۃ کتب کما عمل متقدموا	خزانہ کتب بنایا ہے جیسا کہ پیشرو بادشاہ
الخلفاء۔[2]	کتب خانے بناتے چلے آئے ہیں۔

---

[1] ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب لیاقوت تصحیح د، س، مرجلیوث ط ۲، مصر مطبعۃ ہندیہ ۱۹۲۳ء ج ۶ ص ۴۲۸ [2] اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ للصولی القاہرہ طبعۃ بیورت، د، ۱۹۳۵ء ص ۳۹، خزائن الکتب القدیمۃ فی العراق منذ اقدم العصور حتی سنہ ۱۰۰۰ھ، تالیف کورکیس عواد بغداد مطبعۃ المعارف ۱۹۴۸ء ص ۱۱۶

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ راضی باللہ کے تمام پیشرو بادشاہوں۔

منصور (۱۳۶ھ/۷۵۴ء - ۱۵۸ھ/۷۷۵ء) مہدی (۱۵۸ھ/۷۷۵ء - ۱۶۹ھ/۷۸۵ء) ہادی (۱۶۹ھ/۷۸۵ء - ۱۷۰ھ/۷۸۶ء)
رشید (۱۷۰ھ/۷۸۶ء - ۱۹۳ھ/۸۰۹ء) امین (۱۹۳ھ/۸۰۹ء - ۱۹۸ھ/۸۱۳ء) مامون (۱۹۸ھ/۸۱۳ء - ۲۱۸ھ/۸۳۳ء)
معتصم (۲۱۸ھ/۸۳۳ء - ۲۲۷ھ/۸۴۱ء) واثق (۲۲۷ھ/۸۴۲ء - ۲۳۲ھ/۸۴۷ء) متوکل (۲۳۲ھ/۸۴۷ء - ۲۴۷ھ/۸۶۱ء)
منتصر (۲۴۷ھ/۸۶۱ء - ۲۴۸ھ/۸۶۲ء) مستعین (۲۴۸ھ/۸۶۲ء - ۲۵۱ھ/۸۶۵ء) معتز (۲۵۱ھ/۸۶۶ء - ۲۵۵ھ/۸۶۹ء)
مہتدی (۲۵۵ھ/۸۶۹ء - ۲۵۶ھ/۸۷۰ء) معتمد (۲۵۶ھ/۸۷۰ء - ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) معتضد (۲۷۹ھ/۸۹۲ء - ۲۸۹ھ/۹۰۲ء)
مکتفی (۲۸۹ھ/۹۰۲ء - ۲۹۵ھ/۹۰۸ء) مقتدر (۲۹۵ھ/۹۰۸ء - ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) قاہر (۳۲۰ھ/۹۳۲ء - ۳۲۲ھ/۹۳۴ء)

کے پاس کتب خانے تھے، لیکن تاریخ کی کتابوں میں منصور، ہارون اور مامون کے سوا کسی کے کتب خانہ کا ذکر نہیں ملتا، یہ اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ عباسی دور میں کتب خانہ مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کا ایک لازمی جز بن چکا تھا، ہر پڑھے لکھے کا گھر چھوٹے بڑے کتب خانے سے خالی نہیں تھا۔ اس امر میں بڑے لوگوں کی بڑی شہرت تھی، اور ان کے کتب خانے شہرت کی بناء پر ذکر سے مستغنی سمجھے جاتے تھے، اس لیے ان کے کتب خانوں کے متعلق زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔۔

(۴) مسلم معاشرہ میں عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا عام معمول بن گیا تھا، چنانچہ ابونصر احمد بن حامد اصفہانی المتوفی ۵۲۶ھ جو سلطان محمود سلجوقی کے خزانہ شاہی کا نگران تھا، تذکرہ نگاروں نے اس کا تذکرہ لکھا[1] لیکن اس کے دارالکتب کا ذکر نہیں کیا، وجہ یہی ہے کہ عہد عباسی میں عوام کے لیے کتب خانے بنانے کا عام معمول تھا، اس لیے اس کے بانیوں کے ذکر کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، اگر کوئی بہت ہی غیر معمولی کارنامہ ہوتا تو اس کا ذکر گاہ بگاہ

[1] وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان لابن خلکان مصر، المطبعۃ المیمنیۃ، ۱۳۱۰ھ ج ۱ ص ۶۰-۶۱

تذکرہ نگاروں کی زبان قلم پر آجاتا تھا، اہل خیر عموماً مسجدیں بنواتے اور ان میں کتب خانے قائم کرتے تھے، بعض اہل خیر کئی کئی مسجدیں مختلف شہروں میں تعمیر کراتے تھے، چنانچہ حسان بن سعید منیعی المتوفی ۴۶۳ھ نے بہت سی مسجدیں مختلف شہروں میں بنوائی تھیں،[1] ان میں کتب خانے بھی قائم تھے، لیکن ان کے غیر معمولی کارنامے کی وجہ سے تذکرہ نگار صرف جامع منیعی نیشاپوری کا ذکر کرتے ہیں اور بیت الکتب کا ذکر صرف عبدالغافر فارسی نے کیا[2] اور کسی نے نہیں کیا، جس سے ہمارے مذکورۂ بالا دعوے کی مزید تائید ہوتی ہے۔

(۵) عہد عباسی میں تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں اہل علم کی سہولت و افادہ کیلئے بغداد کے اندر گھروں میں (انفرادی)، اور راستوں اور چوراہوں پر عوامی کتب خانے موجود تھے،[3]

(۶) اسلامی قلمرو کے بعض شہروں میں صرف عوامی کتب خانوں کی تعداد دس تک پہنچ گئی تھی، چنانچہ یاقوت نے مرو شاہجہاں کے بیان میں دوسرے اقسام کے کتب خانوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف دس ایسے مشہور عوامی کتب خانوں کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، جن سے دو سو مجلدات بلا ضمانت بآسانی مل جاتی تھیں۔[4]

(۷) سلاطین بھی عوامی کتب خانوں کے قیام کو خیر و برکت اور عزت و شرف کا

[1] کتاب الانساب للسمعانی لیڈن ای جے بریل ۱۹۱۲ء ورق ۵۴۴، اللباب فی تہذیب الانساب لابن الاثیر بغداد، مکتبۃ المثنی، ب ت، ج ۳ ص ۲۶۶ [2] السیاق The Histories of Nishapur تالیف عبدالغافر تحقیق Richard N. Frye Hague Mouton 1965 ورق ۱۱ ب وذیل منتخب من کتاب السیاق لعبد الغافر الفارسی لابراہیم بن محمد الصریفینی [3] کتاب الحیوان للجاحظ تحقیق عبدالسلام محمد ہارون مصر، مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی ۱۳۵۶ھ ج ۱ ص ۶۰-۶۱ [4] معجم البلدان مولفہ یاقوت، بیروت دار صادر ۱۳۷۶ھ ج ۵ ص ۱۱۴۔

کام سمجھتے، اور اس میں مسابقت کو پسندیدہ اور نہایت شریفانہ اقدام خیال کرتے تھے، چنانچہ عضد الدولہ نے بصرہ میں جب ابن سوار کے دار الکتب کو دیکھا تو کہا تھا "ھذہ مکرمۃ سبقنا الیھا"[1] یہ ایسا خیر کا کارنامہ ہے جس میں ابن سوار ہم سے گوے سبقت لے گیا ہے۔ عضد الدولہ کے مذکورہ بالا جملہ میں عوامی کتب خانوں کے قیام کا ایک گونہ عزم و ارادہ بھی پایا جاتا ہے۔

(۸) ہر جامع مسجد اور ہر اُس مسجد میں جس کے اندر درس کا حلقہ قائم ہوتا تھا عوامی کتب خانہ بنایا جاتا تھا۔[2] پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں جب خلیفہ ناصر لدین اللہ نے روح العارفین نامی کتاب لکھی تو بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں اس کا درس دیا جاتا تھا۔[3] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بغداد کی سو سے زیادہ مسجدوں میں عوامی کتب خانے قائم تھے، کیونکہ ہر جامع مسجد اور ایسی مسجد میں جہاں تعلیمی حلقے قائم ہوتے تھے، عوامی کتب خانہ قائم کیا جاتا تھا۔[4] نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں عوامی اور نصابی کتب خانوں کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔

(۹) دوسری صدی ہجری کے نصف آخر میں کتب اور کتب خانوں میں انہماک اتنا بڑھ گیا تھا

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، بیروت دار صادر للطباعۃ و النشر ۱۳۸۵ھ ج ۱ ص ۸۰ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۴۴، تمدن عرب از گستاولی بان ترجمہ سید علی بلگرامی، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۸۹۸ء ص ۳۹۱ و ۳۹۹ الحضارۃ الاسلامیۃ فی القرن الرابع الہجری لآدم متز ترجمہ محمد عبد الہادی ابو ریدہ، ط ۳ القاہرۃ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۳۶۶ھ ج ۱ ص ۳۴۳، [3] المختصر المحتاج من تاریخ الحافظ ابی عبد اللہ ابن الدبیثی ا محمد الذہبی تحقیق مصطفیٰ جواد، بغداد مطبعۃ المعارف ۱۳۷۱ھ ج ۱ ص ۱۸۰ [4] ابن خلکان جلد ۱، ص ۴۹ تمدن عرب ص ۳۹۱، الحضارۃ الاسلامیۃ لآدم متز جلد ۱، ص ۳۴۳

کہ اہل علم اس کو بلند ترین عہدہ و منصب اور شاہوں کی قربت و مصاحبت سے بہتر و برتر سمجھنے لگے تھے۔ جاحظ کا بیان ہے، "میں جب اسحاق بن سلیمان ہاشمی المتوفی ۱۹۴ھ کے پاس ان کی گورنری سے معزولی کے بعد گیا اور انھیں کتب خانہ میں، کتابوں کے اندر منہمک دیکھا تو کہا تھا کہ آج کے دن سے زیادہ پُر وقار، بلند تر، بارعب اور باعظمت میں نے ہاشمی کو کبھی نہیں دیکھا تھا، اسلیے کہ اس نے ہیبت کے ساتھ محبت کو اور عظمت کے ساتھ حلاوت کو اور سیادت کے ساتھ عظمت کو جمع کر دیا تھا۔[1]"

(۱۰) زمانہ طالب علمی سے طلبہ کتب خانہ بنانے کی دھن میں لگ جاتے تھے، چنانچہ صولی المتوفی ۳۳۵ھ نے جب راضی باللہ اور اس کے بھائی ہارون کو پڑھانا شروع کیا اور انھیں کچھ منتخب[2] فقہ و ادب اور لغت و تاریخ کی کتابیں خرید کر دیں تو عمل کل عد منہما خزانۃ لکتبہ ہر ایک نے اپنا کتب خانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔

(۱۱) کتابیں پڑھے لکھے لوگوں کی زندگیاں بدلتی، ان کے اذہان کو جلا بخشتی، ان کے افکار میں ندرت و وسعت پیدا کرتی تھیں اور بے پڑھے لکھے لوگوں کے محل سراؤں اور رہن بسیروں کی سجاوٹ اور زینت کا بھی کام دیتی تھیں جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے کتب اور کتب خانوں سے تطہیر قلب و نظر اور تزکیۂ ذہن و فکر کے علاوہ آرائش مکین و مکان کا بھی کام لیا تھا، چنانچہ اسکا علمی مظاہرہ عباسی قلمرو سے باہر مشرق کے علاوہ مغرب میں بھی ہوتا رہتا تھا، حضرمی کا بیان ہے کہ میں قرطبہ کے سوق الکتب میں اپنی مطلوبہ کتاب کی طلب و جستجو میں مدت سے منتظر تھا، ایک وقت ایسا آیا کہ وہ کتاب روشن خط اور

---

[1] کتاب الحیوان للجاحظ ج ۱ ص ۶۱ - ۶۲ [2] الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ لابن الطقطقی بیروت دار صادر ۱۳۸۰ھ ص ۲۶ [3] اخبار الراضی للصولی، ص ۳۹ - ۴۰۔

عمدہ تشریح کے ساتھ نظر آئی مجھے بہت خوشی ہوئی، میں اس کی قیمت بڑھا کر دینے لگا لیکن بولی لگانے والا میری زیادہ قیمت پر بڑھتا رہا اور حد سے نکل گیا، میں نے آواز لگانے والے سے پوچھا ذرا بتاؤ کون ہے جو اس کتاب کی قیمت لگانے میں اتنا بڑھ گیا ہے کہ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، اس نے ایک امیر آدمی کی طرف اشارہ کیا، میں نے اس سے جا کر کہا، جناب فقیہہ اگر آپ کو اس کی ضرورت ہے تو میں اس کو چھوڑتا ہوں، اس کی قیمت انتہا کو پہنچ گئی ہے، اس نے کہا جناب میں کوئی فقیہہ نہیں، نہ مجھے یہ علم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے، میں نے کتب خانہ بنایا ہے تاکہ شہر کی سربرآوردہ شخصیتوں میں میرا شمار ہونے لگے، اب میرے کتب خانہ کی الماری میں بس اس کتاب کے رکھنے کی گنجایش ہے، میں نے جب اس کی ظاہری آرایش و زینت دیکھی تو یہ قلب و نظر میں سما گئی، زیادہ قیمت کی میں نے کوئی پرواہ نہیں کی، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اس نے رزق و دولت فراواں دے رکھی ہے، اس کے اس جملہ نے مجھے یہ کہنے پر آمادہ کیا کہ بلاشبہ دولت آپ ہی جیسوں کے پاس آتی ہے، وہ اخروٹ انہی کو کھلاتا ہے جن کے دانت نہیں ہوتے، جو کچھ کتاب میں ہے اس کو میں جانتا ہوں اور اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس پیسہ اتنا نہیں ہے کہ اسے لے سکتا۔[1]

(۱۲) مسلم معاشرہ کی ذہنی سطح اتنی بلند ہو چکی تھی کہ قیادت و سیادت اپنا بھرم رکھنے کے لیے کتب خانوں کی محتاج تھی، کسی شخص کی قیادت و سیادت کے متعلق رائے قائم نہیں ہو سکتی تھی، جب تک یہ نہیں معلوم ہو جاتا تھا کہ اس کی ملکیت میں کتب خانہ ہے، جیسا کہ مذکورۂ بالا واقعہ سے ثابت ہے، اس حقیقت کا انکشاف بھی مذکورۂ بالا خاص واقعہ کی وجہ سے ہوا ورنہ پتہ بھی نہ چلتا کہ مسلم معاشرہ میں عزت و شرف کی خاطر جاہلوں کو بھی قابل رشک

[1] نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب تالیف احمد ابن محمد احمدی تحقیق محمد محی الدین عبد الحمید، بیروت دار الکتاب العربی ۱۳۶۹ھ ج ۳ ص ۱۰۱

کتب خانہ بنانا پڑتا تھا۔

(۱۳) عہد عباسی میں مسلم معاشرے کے اندر اہل علم کو کتابوں کے دیکھنے، مطالعہ کرنے اور خریدنے کا ذوق و شوق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ہر عالم اپنی بساط و استطاعت کی حد تک کتاب کبھی اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، جب کتاب کی قیمت اس کے بوتے سے باہر ہو جاتی تھی وہ خاموشی اختیار کرتا تھا، حضرمی کا واقعہ اس امر کا واضح ثبوت ہے۔

(۱۴) عہد عباسی میں دربار سے وابستہ اہل علم کے لئے کتب خانہ رکھنا اس لئے بھی ناگزیر تھا کہ ان کے پاس فرمانرواؤں کی طرف سے علمی سوالات آتے رہتے تھے، جن کے جوابات کے لیے کتابوں سے مراجعت ضروری ہوتی تھی، چنانچہ ابو علی صقلی کا بیان ہے

میں ابن خالویہ المتوفی ۳۷۰ھ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ سیف الدولہ کا فرستادہ لغت سے متعلق چند سوالات لیکر آیا، ابن خالویہ انھیں دیکھکر کچھ پریشان ہوئے پھر اپنے خزانہ کتب میں آئے، کتابیں نکالیں، تلامذہ میں تقسیم کیں تاکہ ان باتوں کا جواب دیا جائے۔[1]

(۱۵) عہد عباسی میں مشرق سے مغرب تک کتابوں کی ظاہری زیب و زینت بھی بڑھنے لگی اور جمالیاتی نقطۂ نظر سے تزئین و آرایش پر بھی خوب زور دیا جانے لگا تھا جیسا کہ حضرمی کے مذکورۂ بالا واقعہ سے ظاہر ہے نیز کتابوں کی آرایش و زیبایش کا فن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ

[1] رسالۃ ابن القارح لعلی بن منصور المعروف بابن القارح تحقیق عائشہ عبد الرحمن بنت الشاطی ط ۱/۲ القاہرہ دار المعارف ۱۳۹۴ھ ص ۴۳، یہ رسالہ، رسالۃ الغفران للمعری کے ساتھ شائع ہوا ہے، نیز ملاحظہ ہو رسالۃ الغفران ص ۵۰۴، و مراتب النحویین تالیف عبد الواحد اللغوی المتوفی ۳۵۱ھ تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، القاہرۃ، مکتبہ نہضۃ مصر ۱۳۷۵ھ مقدمۃ المحقق ص ۵۔

اس دور کے نثو صفحے کی کتاب کی سجاوٹ پر دس دس تولہ سونا کھپا دیا جاتا تھا، چنانچہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ کی کتاب بستان العارفین کے نسخہ کی زرکوبی و طلا کاری میں دس دینار دو دوانق اور ایک حبہ کے بقدر زر خالص استعمال کیا گیا تھا۔[1]

(۱۶) اہل علم اپنے لئے ہی نہیں اپنی اولاد کے لئے بھی کتب خانہ علیحدہ بنانے لگے تھے، چنانچہ ابو الحسن علی بن عبداللہ النطا کی المتوفی ۵۴۱ھ نے جو بہت اچھے خطاط تھے، تین خزائن کتب بنائے تھے، ایک کتب خانہ اپنے لئے، دوسرا اپنے فرزند ابو البرکات عبدالقاہر کے لئے اور تیسرا ابو عبداللہ حسن کے لئے بنایا تھا۔[2]

(۱۷) بعض عوامی کتب خانوں میں کتابوں کے علاوہ شائقین کتب کو نقد رقم بھی دی جاتی تھی، چنانچہ ابن سوار، بصرہ، رامہرمز کے کتب خانوں میں استفادہ کرنے والوں کو نقدی بھی دیتا تھا،[3] ابو القاسم جعفر موصلی المتوفی ۳۱۳ھ موصل میں اسی طرح کی داد و دہش کرتا تھا۔[4] تاکہ کتب خانوں سے ذوق و شوق میں مزید اضافہ ہوتا رہے اور عوام کتاب اور کتب خانوں سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جائیں۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ سرکار ہی نہیں دولتمند طبقہ بھی غیر سرکاری طور پر کتب اور کتب خانوں کے فروغ کے لئے ان عوامل کو پیش نظر رکھتا تھا، جو استفادہ کتب کی

---

[1] مرآۃ الزمان فی تاریخ الاعیان تالیف یوسف بن قزاوغلی، حیدرآباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النعمانیہ ۱۳۷۰ھ ص ۲۶۳، مدارس بغداد فی العصر العباسی مؤلفہ عبدالسلام معروف الدباغ، مطبعۃ دار البصری الطلبۃ ۱۳۸۶ھ ص ۱۴۷، [2] معجم الادباء یاقوت ج ۶ ص ۲۲۰، اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء تالیف محمد راغب الطباخ المطبعۃ العلمیہ حلب ۱۳۴۳ھ ج ۴ ص ۲۰۶، [3] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم للمقدسی، مطبعۃ بریل لیڈن ۱۹۰۶ء ص ۴۱۳، الحضارۃ الاسلامیہ لآدم متز، ج ۱ ص ۲۴۹ [4] معجم الادباء، ج ۲ ص ۴۲۰۔

راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے، افلاس اور روٹی کا مسئلہ جو آج بھی ایک دین اور نظام حیات بنا ہوا ہے، اس تحریک نے دولت مندوں کے ذہن کو ایسی جلا دی تھی کہ وہ کتب و کتاب خانوں کے شائقین اور استفادہ کے خواہش مندوں کی وابستگی و شیفتگی کو برقرار رکھنے کے لئے ان کی ضروریات زندگی بھی نقدی کی صورت میں مہیا کرنے لگے تھے، تاکہ کتب اور کتب خانوں سے دلچسپی و وابستگی کا سلسلہ دائم و قائم رہے۔

(۱۸) اس تحریک نے ایک ایسے نظام کتب خانہ کو جنم دیا جس نے ان تمام کڑیوں کو جن کے قیام اہتمام کے لیے آج مملکتوں کا سہارا لیا جاتا ہے، ٹیکس لگائے جاتے ہیں، محض ایک اخلاقی و روحانی نظام صدقہ جاریہ کے ذریعہ مربوط و استوار کر رکھا تھا حقیقت یہ ہے کہ اس نظام کے اندر چھوٹے سے چھوٹے پائنٹ اور ڈپو (مستقر) بیت الحکمت تک ہر ایک، ایک ہی سلسلہ میں منسلک نظر آتا ہے، حالانکہ آج کے دور میں ان کڑیوں کو باہم پیوست رکھنے کے لیے مالیاتی سرچشمہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی ہے اسی لیے ریٹ سپورٹیڈ (RATE-SUPPORTed) اور ٹیکس سپورٹیڈ (TAX-SU-PPORTed) لائبریریاں قائم کی جاتی ہیں۔[1] اس مالیاتی سرچشمہ سے دیگر کتب خانوں کو منسلک کرنے کے لئے کبھی بل، ایکٹ اور کبھی آرڈیننس منظور کئے جاتے ہیں، اس کے باوجود خدمت کی کمی کا احساس شدت سے کیا جاتا ہے، اسلام نے اشاعت علوم کی جو تحریک چلائی اور جو نظام قائم کیا اس نے اس قسم کے جبری مالیاتی نظام کے ذریعہ ان مختلف کڑیوں کو مربوط و منسلک رکھنے کے بجائے ایک اخلاقی و روحانی نظریہ سے اس کا رشتہ قائم کیا جو صدقہ جاریہ کے نام سے آج بھی عالم میں جاری و ساری ہے، صدقہ جاریہ کے پیچھے جو قوت نافذہ سرگرم عمل نظر آتی ہے، وہ قرآن و سنت کا پیدا کردہ یقین ہے، وہی دراصل وہ قوت نافذہ ہے،

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ج ۱۴ ص ۲ طبع ۱۹۶۶ء شکاگو (امریکہ)

جو ہمیشہ اپنے مظاہر دکھاتی رہی ہے، اس کی فیض بخشیاں بلاقید زمان ومکاں آج بھی ہر جگہ جاری ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ تملیکی نشاط (Possesive happiness) کا بھرپور مظاہرہ بھی اس نظام میں نظر آتا ہے، چنانچہ عہد عباسی میں ذاتی کتب خانوں کا بلاامتیاز مذہب وملت، رنگ ونسل، مسلک وعقیدہ ہر شخص کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنا ایک اخلاقی قوت نافذہ کا عمل داثر تھا، انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیمات نے صدقۂ جاریہ کے حدود کو بہت وسعت دی اور ... اس کی جڑیں بہت مضبوط کر دی اور بہت دور تک پھیلا دی تھیں،

(۱۹) ذاتی کتب خانوں نے عوامی کتب خانوں کی خدمات انجام دینا شروع کر دی تھیں، وہ بھی اہل علم کی علمی تشنگی دور کرنے، روحانی اور دماغی سامان فراہم کرنے لگے تھے، چنانچہ ابو الفضل عبید اللہ میکالی المتوفی ۴۳۶ھ نے اپنے نہایت نادر وبیش قیمت خزانۂ کتب سے علامہ ثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ کو بہت بڑی تعداد میں کتابیں دیہات میں لے جانے کی اجازت بھی دے دی تھی، جس کا تذکرہ علامہ ثعالبی نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

"مجھے امیر موصوف نے اجازت دی تھی کہ میں ان کی کتابوں کے خزانوں سے زاد راہ کے لیے پھلوں کو ساتھ رکھ لوں تاکہ جس کام کے میں درپے ہوں اس سے اس میں مدد لیتا رہوں، یہ امیر رہنما کی طرح ہیں جو مسافر کی توشہ سے مدد کرتا اور طبیب کی طرح ہیں جو مریض کو دوا کے ساتھ غذا بھی دیتا ہے، اس طرح گویا مجھے ادبی کتابوں کے ساتھ چھوڑ دیا گیا ہے، ان سے مطلب کی باتیں نکالتا اقتباسات لیتا، ابواب بندی کرتا، فصلیں قائم کرتا، نوع بنوع ترتیب دیتا تھا، اور ائمۂ فن خلیل، اصمعی، ابو عمرو شیبانی، کسائی، فرا، ابو زید، ابو عبید، ابو عبیدہ، ابن الاعرابی

نضر بن شمیل، ابو العباس مبرد، ابو العباس ثعلب، ابن درید، نفطویہ، ابن خالویہ، خازنجی، ازہری اور ان کے علاوہ ظریف ادیب جو فصاحت وبلاغت کے جامع تھے، جیسے صاحب ابو القاسم، حمزہ بن حسن اصبہانی، ابو الفتح مراغی، ابو بکر خوارزمی، قاضی ابو الحسن، علی بن عبد العزیز جرجانی، ابو الحسن احمد بن فارس زکریا قزوینی کے انوار وفیوضات سے مستفید ہونے لگا۔[1]

علامہ ثعالبی نے امیر موصوف کا مقابلہ اس طبیب سے کیا ہے جو اپنے دواخانہ سے جسمانی امراض کے لئے دوا وغذا دونوں مریضوں کو پہنچاتا ہے، امیر موصوف نے بھی روحانی و دماغی تسکین کے لیے کتب خانہ بنایا تھا، کتب خانہ بہمہ وجوہ یہ خدمت انجام دیتا تھا، یہ خود بھی محققین کی رہنمائی کرتے، ان کی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے زبان وقلم سے عالم کو فائدہ پہنچاتے اور اپنے کتب خانے سے نادر کتابیں بے نام شہر ہی میں نہیں دیہات میں لے جانے کے لیے بھی دیتے تھے، اس طرح ان کے کتب خانے سے دور ونزدیک ہر جگہ فائدہ اٹھایا جاتا تھا، گویا اس تحریک نے ذاتی کتب خانوں کو اپنی ہیئت وخدمات میں عوامی کتب خانوں کے ہمسر بنا دیا تھا اور انھیں ادارہ جاتی اور عوامی کتب خانوں کی خدمات میں تبدیل کر دیا تھا جیسا کہ مذکورۂ بالا واقعہ سے عیاں ہے۔

(۲۰) اس تحریک نے کتب خانوں کو ایسا مرغوب خاطر بنایا تھا، رشتۂ ازدواج کے انتخاب کے لیے مال ومنال اور حسب وجمال کی طرح کتب خانے کے وجہ انتخاب بننے کا رجحان بھی اہل علم کو ہونے لگا تھا، چنانچہ امام اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ نے سلیمان بن عبد اللہ زغندانی المتوفی ۲۲۱ھ کی بیٹی سے شادی اس لیے کی تھی کہ انھیں اس سے امام شافعی کی

---

[1] فقہ اللغۃ وسر العربیۃ تالیف عبد الملک الثعالبی تحقیق مصطفیٰ السقا وغیرہ، ط ۲، مصر مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۴ھ، ص ۱۶۹۔

جملہ تصانیف پر مشتمل کتب خانہ مل گیا تھا۔[3]

اسے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ عہد عباسی میں عقد نکاح صرف شرعی اور سماجی ضرورت نہیں سمجھی جانے لگی تھی، بلکہ وہ علمی ضرورت بھی بننے لگی تھی۔ علم، کتب اور کتب خانے ایک مقام سے دوسرے مقام پر اسی نسبت سے منتقل ہوتے اور یوں اس مقام کو بھی شہرت و بقائے دوام حاصل ہوتا تھا۔[4]

اس واقعہ کو چنداں حیرت و استعجاب سے نہیں دیکھنا چاہئے اس ترقی یافتہ دور میں بھی کتب خانہ جہیز میں دینے کا رجحان پایا جاتا ہے، چنانچہ اس دور کی نامور علم دوست شخصیت و اخلاق و شرافت کی یادگار ہمدرد دواخانہ کے سربراہ محافظ حکیم محمد سعید صاحب دہلوی نے اپنی دختر نیک اختر کے جہیز میں ذاتی کتب خانہ دے کر اسلاف کی یاد از سر نو تازہ کی ہے، کثر اللہ قبیلہ امثالہ

(۲۱) عہد عباسی میں کتب خانوں کی اہمیت و افادیت اتنی بڑھ چکی اور عام ہو چکی تھی کہ علم کے جویا اور رسیا، معذور و محتاج ہونے کے باوجود علم و حکمت کے خزانوں کی جستجو میں سفر کرنے لگے تھے، وہ ان کی علمی ثروت سے بہرہ مند ہوتے، ان کی خدمات کا برملا اعتراف کرتے، عملہ کی تعریف کرتے، ان کی ثقافتی سرگرمیوں کا اشعار و خطوط میں تذکرہ کرتے تھے، چنانچہ عربی زبان کا اور [illegible] و نابینا شاعر ابو العلاء معری (۳۶۳ھ۔ ۴۴۹ھ) نے معرہ سے بغداد کا سفر مشہور کتب خانہ دار العلم سابور [illegible] کی خاطر کیا تھا۔ وہ دار العلم کے خازن عبد السلام البصری المتوفی ۴۰۵ھ کی صحبت و ادبی مجلسوں میں شرکت کرتا تھا، اس نے اپنے اشعار میں عبد السلام بصری کا

---

[1] الانساب ورق ۲۰۰، [2] اللباب ج ۲ ص ۱۰، [3] ایضاً ج ۱ ص ۲۲۳ [4] انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ تالیف علی بن یوسف القفطی تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، القاہرہ مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۳۶۹ھ ج ۱ ص ۵۰

ذکر کیا ہے۔[1] اپنے ماموں کو ایک خط میں بغداد کے ایک سفر کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "اقدمنی تلک البلاد مکان دار الکتب بها"[2] بغداد میں دار الکتب کا قیام ہی مجھے یہاں کھینچ لایا ہے، اس نے اس کو سب سے بہتر جگہ قرار دی ہے۔ اسی طرح معری نے دار العلم الشام کا سفر کیا، اور اس وقت کے عظیم کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا۔[3]

(۲۲) عہد عباسی میں کتابوں سے محبت، ان کی اہمیت و افادیت اہل علم کے دل و دماغ میں ایسی بیٹھ گئی اور علمی و کتابی ضروریات کے ترقی پذیر سلسلہ کی تعمیر و تشکیل ان کے قلب و نظر میں ایسی سما گئی تھی کہ وہ اپنی اور بیوی بچوں کی جان پر فقر و فاقہ برداشت کرتے لیکن کتابوں کی جدائی اور اپنے علمی ذخیروں میں کمی کو گوارا نہیں کرتے تھے، چنانچہ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ کا مندرجہ ذیل واقعہ اس امر کا شاہد عدل ہے۔

ایک مرتبہ ان پر کئی دن فاقے سے گزر گئے، بیوی نے آکر عرض کیا میں اور آپ تو صبر سے بیٹھ رہیں گے لیکن ان دو بچیوں کو کہاں تک بھوکا ماروں، اپنی کتابوں میں سے کچھ دیجئے انہیں بیچ یا گروی رکھیں۔ موصوف کا بیان ہے میں نے ذرا بخل سے کام لیا اور کہا: "ان کے لئے تم کہیں سے قرض لے لو، مجھے ایک دن کی اور مہلت دو، میرے مکان کی دہلیز کے پاس میرا بیت الکتب تھا جہاں بیٹھ کر لکھتا پڑھتا تھا، رات کو ایک شخص نے آکر دستک دی، میں نے کہا کون! وہ بولا، آپ کا پڑوسی! میں نے کہا آئیے۔ اس نے کہا پہلے چراغ بجھا دیجئے

---

[1] انباہ الرواۃ و سقط الزند للمعری، بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۳۷۶ھ ص ۱۰۶ تجدید ذکری ابی العلاء ط ۶ القاہرہ .... دار المعارف ۱۹۶۳ء ص ۱۳۱ [2] خزائن الکتب القدیمہ فی العراق للعواد ص ۱۳۱ [3] رسائل ابی العلاء المعری تحقیق مارگولیتھ آکسفورڈ کلیرنڈن پریس ۱۸۹۸ء ص ۳۴

[4] انباہ الرواۃ للقفطی ج ۱ ص ۹۴

پھر آدونگا میں نے چراغ بہت مدھم کر دیا ڈبایا گو ایک رومال میں پانچ سو درہم اور کھانے کا سامان رکھکر چلا گیا میں نے بیوی کو بلایا اور کہا بچیوں کو کھلا دو۔[1]

ابراہیم حربی نے فقر و فاقہ، پیٹ کی آگ سب کچھ اپنے اور بیوی پر ہی نہیں بچیوں پر بھی گوارا کیا لیکن کتابوں کو بیچنا یا گروی رکھنا اور ذخیرہ میں کمی کرنا گوارا نہیں کیا[2]، کیونکہ انہی کتابوں نے ان کی کتابِ زندگی کو سنوارا تھا، فکر کی تربیت کی تھی، ان کے ذہن کو جلا بخشی تھی اور ان کے مذاق و مزاج پر حاوی ہو گئی تھیں، بھلا ایسے محسن رفیق کو کون جدا کر سکتا تھا۔

(۲۳) عہد عباسی میں کتابوں سے محبت و شیفتگی اتنی بڑھ گئی تھی کہ اگر کسی کو اپنی زندگی میں کبھی بحالت مجبوری اپنی کچھ کتابیں جدا کرنی پڑتیں تو اہل علم کے دل و دماغ پر جو گذرتی، وہ زبان قلم پر اشعار کی صورت میں آجاتی پھر جو اسے پڑھتا وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، اور ان کتابوں کی خریداری پر پچھتاتا اُس کا جی چاہتا کہ کاش وہ کتابیں اس کے مالک کو واپس کر سکتا چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ نامور محدث و مصنف، ادیب و شاعر راوی کتاب المحدث الفاضل ابو الحسن علی بن احمد بن علی ایذجی قالی بغدادی المتوفی ۴۴۸ھ کے ساتھ پیش آیا تھا، گردش ایام سے موصوف کو کچھ کتابیں اپنے ذاتی کتب خانے سے نکالنی پڑیں، ان میں جمہرہ ابن درید کا نسخہ بھی تھا، قاضی ابوبکر بن بدیل تبریزی نے اسے پانچ دینار میں ان سے خریدا تھا، اور تبریز لے گئے، اس نسخہ سے ابو بکر زکریا تبریزی نے الجمہرہ کا نسخہ نقل کیا، دورانِ نقل انھیں اس کی ایک جلد میں قالی کا خط رکھا ہوا ملا جس پر قالی کے وہ اشعار لکھے ہوئے تھے جو اس نے اس کتاب کی جدائی پر کہے تھے، وہ کہتا ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب، مصر، مطبعۃ السعادہ، ۱۳۴۹ھ ج ۶ ص ۳۷

[2] ایضاً ص ۳۳۔

انست بھا عشرین حولا و بعتھا فقد طال شوقی بعدھا و حنینی

میں بیس[1] برس نسخہ جمہرہ سے محبت کرتا رہا، اور جب میری محبت و اشتیاق بڑھ گیا اس موقع پر مجھے اسے بیچنا پڑا۔

وما کان ظنی اننی سابیعھا ولو خلدتنی فی السجون دیونی

مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ میں اسکو بیچونگا اگرچہ مجھے اسکی وجہ سے دائمی قرض کی قید میں رہنا پڑتا۔

ولکن لضعف و فقار و صبیۃ صغار علیھم تستھل شؤونی

لیکن کمزوری، احتیاج اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے جن پر میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں

فقلت و لم املک سوابق عبرتی مقالۃ مشوی الفواد حزین

اب میں کہتا ہوں اور مجھے اب آنسوؤں پر قابو نہیں رہا، ایک غمگین اور سوختہ جگر کی بات

وقد یخرج الحاجات یا ام مالک کرائم من رب بھن ضنین

اے ام مالک، حاجتیں نفیس چیزیں مالکوں سے نکلوا دیتی ہیں، جنھیں وہ جدا کرنا نہیں چاہتے مگر نکالنا پڑتی ہیں۔ زکریا تبریزی نے جب یہ رقعہ قاضی ابوبکر تبریزی کو دکھایا اس نے یہ شعر پڑھے تو کہنے لگا اگر اس کو پہلے دیکھا ہوتا تو میں یہ نسخہ قالی کو واپس کر دیتا لیکن اب قالی دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔[2]

(۲۴) اس تحریک نے عہد عباسی میں کتابوں کی قدر ایسی بڑھائی تھی اور ذخیرہ کتب کو ایسا بیش قیمت سرمایہ بنا دیا تھا کہ اسے گروی رکھا جاتا تھا،[3] گویا کتابیں عہد عباسی میں زر خالص کی حیثیت رکھتی تھیں، اس وجہ سے چور انہیں چراتے[4] اور اوباش انھیں لوٹا کرتے تھے۔[5] (باقی)

---

[1] معجم الادباء ج ۵ ص ۳۰۔ [2] تاریخ بغداد للخطیب ج ۹ ص ۴۳۔ [3] ایضاً ج ۱۲ ۔ [4] المنتظم فی تاریخ الملوک والامم لابن جوزی ج ۸ ص ۱۱۰ والبدایہ والنہایہ لابن کثیر ج ۱۱ ص ۳۱۴۔ [5] معجم الادباء ج ۳ ص ۱۰۲

حکم اقراء کے ثقافتی پہلو اور شاہان عباسی کی عالمگیر تحریک کتب خانہ سازی کی اثرات

از ۔ ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی، سینیئر لائبریرین بیرو یونیورسٹی، کانو، نائجیریا

(۲)

۲۵ ۔ کتب خانوں کے لیے علیحدہ عمارتیں بنوائی جاتی تھیں، چنانچہ سابور بن اردشیر المتوفی ۴۱۶ھ نے ۳۸۱ھ میں محلہ کرخ بغداد میں علیحدہ عمارت تعمیر کرا کر کتب خانہ قائم کیا تھا۔[۱]

اصفہان میں ابوالشیخ بن محمد نطنزی المعروف بذی البراعتین المتوفی ۵۴۹ھ نے دار الکتب کی نہایت عالیشان عمارت تعمیر کرائی شروع کی تھی، جو پوری بن جاتی تو اصفہان کی عمارتوں میں سب سے زیادہ خوشنما و پائیدار ہوتی، مگر ذی البراعتین کی سیاحت اور اس کے باہر رہنے کی وجہ کر ہمیشہ بنتی اور ٹوٹتی رہی تھی ۔ اس واقعہ کی اتنی شہرت ہو گئی تھی کہ ابو فراس عامری المتوفی ۵۶۳ھ نے اس پر حسب ذیل شعر کہے تھے ۔

دار کتب بغیر کتب و مال	من تراب انفقته فی تراب
یہ دار الکتب بغیر کتابوں کے ہے	مال جو زمین سے حاصل کیا تم نے زمین میں لگایا
انت فی (عامر) بزعمك	منها واللہ کل ساعة فی خراب
تم اپنے زعم میں اسے آباد کر رہے ہو	بخدا تو ہر آن برباد و خراب ہوتا رہتا ہے

---

[۱] المنتظم، ج ۸، ص ۱۷۲، البدایہ والنہایہ، ج ۱۱ ص ۳۱۲، الکامل فی التاریخ، ج ۹ ص ۱۰۱ ۔ خریدۃ القصر وجریدۃ العصر لعماد الاصفہانی تحقیق محمد بہجۃ الاثری، بغداد مطبعۃ المجمع العلمی العراقی ۱۳۷۵ھ ج ۱ ق ۱ ص ۳۰

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کو کتب خانوں کی عمارت تعمیر کرنے کا شوق بھی اسی تحریک سے پیدا ہوا تھا۔

۲۶۔ کتب خانہ کے ساتھ رصد گاہ کا سامان بھی رکھا جاتا تھا، چنانچہ ابو طاہر خاتونی ساوی المتوفی ۵۲۰ھ نے جامع خاتونی میں جو کتب خانہ قائم کیا تھا، اس میں تجربات کے لیے رصد گاہ کا سامان بھی محفوظ کر دیا گیا تھا۔[1]

۲۷۔ اہل علم نہایت عسرت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود قابل رشک کتب خانہ بناتے تھے چنانچہ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ فقر و فاقہ سے بسر کرتے لیکن ذخیرۂ کتب بڑھاتے رہتے تھے، دولت مندان کی تنگ دستی اور ان کے کتب خانے کو دیکھکر تعجب کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر کسی سے نہ رہا گیا، اور اس نے موصوف سے پوچھ ہی لیا کہ آپ نے اتنی کتابیں کیسے جمع کرلیں، ان کو غصہ آگیا، وہ فرمانے لگے ملجھی ددمی۔[2] خون پسینہ ایک کر کے جمع کی ہیں۔

۲۸۔ عہد عباسی میں فکری قوتوں کو پروان چڑھانے اور دماغی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا منبع و مخزن کیف و سرور اور سیر و تفریح کا مرکز کتب و کتب خانہ بن گیا تھا، چنانچہ شیخ ابو نصر احمد بن حسین میکالی کا بیان ہے، "ہم بیٹھے ہوئے ایک دن تفریح گاہوں کا ذکر کر رہے تھے بعض کہتے تھے کہ بہترین جگہ غوطۂ دمشق ہے بعض نہر ابلہ کو اچھا بتاتے تھے بعض کا خیال تھا کہ سغد سمرقند تفریح کی اچھی جگہ ہے بعض نہروان بغداد کے قائل تھے، بعض شعب بوان کو پسند کرتے تھے اور بعض نوبہار بلخ کو ترجیح دیتے تھے، ابن درید بولے یہ مقامات آنکھوں کی تفریح کے لیے خوب ہیں، بتاؤ تمہارے قلوب کی تفریح کے لیے کون سے مقامات اچھے ہیں، ہم نے پوچھا ابو بکر (ابن درید) وہ کیا ہیں،

[1] آثار البلاد و اخبار العباد تالیف زکریا القزوینی، بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر ۱۳۸۰ھ صفحہ ۳۰۰۔
[2] تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۳۳۔

تو بتایا ابن قتیبہ کی عیون الاخبار، ابن داؤد کی کتاب الزہرہ اور ابن ابی طاہر کی کتاب خلق المشتاق اور پھر یہ شعر پڑھے۔

ومن کانت نزھتہ قینہ — وکاس وکاس تصب
اور بعض وہ ہیں جنکی تفریح جام و سبو ہیں — ایک جام انڈیلا جاتا اور دوسرا بھرا جاتا ہے۔
نزھتنا واستراحتنا — تلاقی العیون ودرس الکتب[1]
ہماری تفریح اور آرام و راحت کا سامان — آنکھوں سے دیکھنا اور کتابیں پڑھنا ہیں

ابو بکر ابن درید المتوفی ۳۲۱ھ نے تحقیق و تدقیق بحث و نظر اور دل و دماغ کی فرحت کا سامان اور فکری قوتوں اور دماغی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کا سرچشمہ کتابوں کو قرار دیا تھا۔

۲۹۔ عہد عباسی میں محققین و شائقین کتب کو فیض بخش مراکز علم درسگاہوں، علمی اداروں اور کتب خانوں سے جہاں وہ اور ان کے اساتذہ و اہل علم استفادہ و افادہ کرتے رہتے تھے، اتنی شیفتگی و دلبستگی ہو جاتی تھی کہ یہ مراکز عقیدت و محبت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، اور ان کی ویرانی و بربادی پر وہ آبدیدہ ہوتے بعض اوقات وفور غم سے ان کے جذبات شعر کی صورت میں ڈھلکر زبان قلم پر آتے تھے، جو عہد عباسی میں مراکز علم اور کتب خانوں سے پڑھے لکھوں کی عام دلچسپی کا بین ثبوت ہے، چنانچہ مشہور متکلم عبدالکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ کے مندرجۂ ذیل شعر اسی امر کے غماز ہیں، وہ فرماتے ہیں۔

لقد طفت فی تلک المعاہد کلہا — وسیرت طرفی بین تلک المعالم
میں ان تمام علمی اداروں میں گھوما پھرا — اور میں نے اپنی نظریں ان درسگاہوں میں دوڑائیں
فلم ار الا واضعا کف حائر — علی ذقن او قارعا سن نادم[2]

[1] معجم الادباء ج ۶، ص ۳۹۳ - ۳۹۴
[2] کتاب نہایۃ الاقدام فی علم الکلام تالیف عبدالکریم الشہرستانی تحقیق الفرد جیوم بغداد مکتبۃ المثنی۔

(ترجمہ) جس کو بھی دیکھا حیران ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھے ہوئے — یا شرم سار یا دانتوں سے انگلی کاٹتے ہوئے

شارح صحیح مسلم یحیٰ بن شرف نوادی (سنہ ۶۳۱–۶۷۶ھ) دار الحدیث الاشرفیہ[1] میں حدیث کا درس دیتے تھے، ان کی تعلیمی و تدریسی خدمات اور علمی عظمت و شہرت کی وجہ سے اس دار الحدیث الاشرفیہ کو بھی یہ مرتبہ مل گیا تھا کہ علامہ تاج الدین عبد الوہاب سبکی کے باپ فقیہ عصر تقی الدین عبد الکافی المتوفی سنہ ۷۵۶ھ کا جب یہاں قیام رہا تو وہ رات کو اس کے ایوان میں آتے تہجد پڑھتے، اور اس آرزو میں اس کے فرش پر جبیں سائی کرتے کہ جہاں امام نودی نے قدم رکھے ہیں، وہاں میری جبین لگ جائے اور میں ان کی برکات سے بہرہ ور ہوسکوں، چنانچہ وہ اپنے فرزند تاج الدین سبکی سے اس عقیدت و حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے حسب ذیل اشعار پڑھتے تھے

وفی دار الحدیث لطیف معنی — علی بسط لھا اصبو وآوی

دار الحدیث اشرفیہ میں ایک لطیف معنی نہاں ہیں — میں اس کے فرش پر اٹھتا اور لیٹا رہتا ہوں

عسٰی لی امس بحر وجھی — مکانا مسہ قدم النواوی[2]

امید ہے کہ میرے چہرے کی گرمی — اس جگہ کو چھو سکے جسے نوادی کے قدم نے چھوا[2]

مذکورۂ بالا واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عہد عباسی میں فیض بخش مراکز علم کو کیسا مقام بلند حاصل تھا۔

---

[1] ب ات ص ۳، یہ دار الحدیث ابو الفتح الملک الاشرف مظفر الدین موسیٰ بن الملک العادل سیف الدین ابن ابی بکر بن ایوب المتوفی سنہ ۶۳۵ھ نے بنوایا اور سنہ ۶۳۰ھ میں اس کا افتتاح کیا تھا موصوف نے نہایت نفیس کتابوں پر مشتمل کتب خانہ بھی وقف کردیا تھا، (البدایۃ والنہایہ ج ۱۳ ص ۱۴۰) اس کا فرش بھی اسی زمانے کا بچھا ہوا تھا، نودیؒ اس پر قدم رکھتے ہوئے درس حدیث کے لیے آتے تھے۔

[2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی، مصر المطبعۃ الحسینیہ، ج ۵ ص ۱۶۶۔

۳۰۔ عہد عباسی میں ذاتی کتب خانے عوامی کتب خانوں کے تمام وظائف تحقیق، تعلیم معلومات، ذوق جمال کی تسکین اور تفریح کا سامان بھی بہم پہنچاتے تھے، اس کی سہولتیں مہیا کرتے تھے، عجیب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے کتب خانے فکری قوتوں کو پروان چڑھانے کے ساتھ تفریح طبع کا سامان بھی مہیا کرنے لگے تھے، چنانچہ فخر الدین مبارک شاہ بن حسین مروزی المتوفی سنہ ۶۰۲ھ کے کتب خانہ بغداد میں اہل علم کے لئے کتابیں اور جاہلوں کے لیے شطرنج رکھی گئی تھی،[1] تاکہ جہلاء کو کتابوں سے قریب لاکر علمی رغبت پیدا کی جاسکے۔

۳۱۔ اس تحریک نے عوام و خواص میں معاشرتی توانائیوں میں مکمل حصہ لینے کا ذوق و شوق پیدا کیا، اور انہیں سرگرم عمل بنایا تھا، اسی لئے ہر جگہ معاشرتی توانائیاں پروان چڑھنے لگی تھیں۔

۳۲۔ مسلم معاشرہ میں خواتین بھی مردوں کی طرح ذوق کتاب داری اور فروغ کتب و کتب خانون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگی تھیں۔[2]

۳۳۔ اس تحریک نے متمدن اقوام عالم کے ثقافتی ورثہ کی حفاظت کو تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے ذریعہ ان کی علمی تحقیقات کے ابلاغ عام کو مسلم دانشوروں اور مفکروں کا نہایت مقدس فریضہ بنادیا تھا۔[3]

۳۴۔ بادشاہ و امیر بھی علماء و ائمۂ فن کے کتب خانون کے حاصل کرنے کے آرزومند اور کوشاں رہتے، گو وہ حاصل کرنے میں مشکل ہی سے کامیاب ہوتے تھے، چنانچہ خلیفہ المتوکل

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، ج ۱۲ ص ۳۴۴، العسجد المسبوک والجوہر المحکوک فی طبقات الخلفاء والملوک تالیف الملک الاشرف الغسانی تحقیق شاکر محمود عبد المنعم بغداد دار البیان سنہ ۱۳۹۵ھ ص ۳۵، اذیل وفیات سنہ ۶۰۲ھ

[2] مرآۃ الزمان لسبط ابن الجوزی، ص ۴۲ – ۲۴۸، ۲۵۴، ۲۵۶، [3] ایضاً ج ۸ ق ۲ ص ۶۳۷

[4] کتاب الفہرست لابن الندیم مصر مطبعۃ السعادہ، سنہ ۱۳۴۸ھ، ص ۴۰، ۳۴۱، ۴۹۳

المتوفی ۲۴۶ھ نے امام احمد بن حنبل کی وفات کے بعد اپنا خاص ایلچی ان کے فرزند صالح کے پاس حصول کتب ہی کے لئے بھیجا تھا لیکن ان کے فرزند نے یہ کہلا بھیجا کہ ان کتابوں کی نقول درکار ہوں تو وہ ہمارے پاس کرائی جائیں، یہ کتابیں ہمارے ہی پاس رہنی چاہئیں، ہمیں ان کی روایت کی اجازت حاصل ہے، ان کو جدا نہیں کیا جاسکتا،[1] ابو حمدان ہر قیمت پر ابن ابی بعرہ کا کتب خانہ حاصل کرنا چاہتے تھے، اور اس ڈر سے وہ اپنا کتب خانہ کسی کو دکھاتا نہیں تھا لیکن اس کی آنکھ بند ہوتے ہی اس کا قمطر کبیر ایسا غائب ہوا کہ پھر کبھی نظر نہیں آیا۔[2]

۳۵۔ کتب خانہ جو اجتماعی و انفرادی ہر حیثیت میں بنی نوع انسان کا ایک نہایت قیمتی تمدنی و ثقافتی ورثہ ہے عہد عباسی میں اس کی حفاظت بنی نوع انسان کا نہایت مقدس فرض سمجھا جانے لگا تھا، حوادث روزگار و آسمانی آفتوں سے اس ورثہ کا بچاؤ ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، گاہ بگاہ نقصان ہو جاتا تھا، کتابیں ضائع ہو جاتی تھیں، جب کبھی کسی عالم کو اس صورت سے دوچار ہونا پڑتا اسے اور دوسرے علماء کو اس سے جو صدمہ ہوتا تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، عوام کو جیسا کچھ دکھ اس سے پہنچتا تھا، اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔

ابو موسیٰ عبد الرحمن بن موسیٰ استیجی، امام مالک، سفیان بن عیینہ اور اصمعی وغیرہ کے شاگرد تھے، فقہ، حدیث، لغت و ادب کے امام و حافظ تھے، موصوف نے اندلس سے مشرق کا سفر کیا۔ کتابیں جمع کیں، لے جاتے وقت وہ بحر تدمیر میں ڈوب گئیں جب استیجہ پہنچے اور لوگوں کو اس حادثہ جانکاہ کا علم ہوا تو پورا شہر تعزیت کے لئے امنڈ آیا، اہل استیجہ نے جہاں ان کی بخیر و عافیت واپسی پر مبارک باد پیش کی وہاں ان کی کتابوں کے تلف ہو جانے پر ان کی تعزیت بھی کی، یہ ان سے فرماتے تھے، ذہب الخرج وبقی الدرج،[3] کتابوں کے بورے چلے گئے، دفینہ بہہ گیا۔

[1] ترجمۃ الامام احمد من تاریخ الاسلام للذہبی تحقیق احمد محمد شاکر، القاہرہ، دار المعارف ۱۳۶۵ھ ص ۹۳
[2] کتاب الفہرست ص ۱۱۱ [3] تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس تالیف عبد اللہ بن محمد ابن الفرضی تحقیق عزت

جو سینہ میں تھا دہ رہ گیا۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عہد عباسی میں بنی نوع انسان کے علمی و ثقافتی ورثہ سے محبت ہر ایک کے دل میں کیسی رچ بس گئی تھی کہ ہر ایک کو اس ذخیرہ کے تلف ہو جانے کا صدمہ تھا، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک سے علمی و کتابی ضرورتوں کو پورا کرنے کا شوق و ذوق معاشرہ کے ہر فرد میں کتنا فروغ پا چکا تھا، کسی کی کتابیں ضائع ہو جاتیں تو اس کے ضیاع پر لوگ اس کے گھر پہنچتے اور اس کے غم میں شریک ہوتے تھے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تحریک شاہ سے گدا تک عام ہو گئی تھی، اس تحریک نے اس دور کے مسلم معاشرہ کو اتنا حساس بنایا اور افراد کے تحت الشعور میں کتب و کتب خانوں کی قدر و منزلت اتنی بڑھا دی تھی کہ ابو موسیٰ عبد الرحمن کے ذخیرۂ کتب کے ضیاع کو عبد الرحمن کی آپ بیتی نہیں بلکہ جگ بیتی سمجھا گیا تھا، دنیا کی کسی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ کسی غیر مسلم معاشرہ میں کبھی کتب خانہ کے فروغ کا اتنا شعور پیدا ہوا ہو جتنا عباسی دور میں پیدا ہو چکا تھا،

۳۶۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بغداد کے عوامی کتب خانوں میں متمدن اقوام عالم کے علوم و فنون کے ایسے بیش بہا نوادر جمع کئے گئے تھے کہ ان علوم و فنون کا دلدادہ جب انھیں دیکھ پاتا تو وطن اور اہل و عیال ہی کو نہیں حقیقی کعبہ کو بھی بھول جاتا اور یہاں اپنا مقصود پا کر اسی کا ہو رہتا تھا، چنانچہ ابو معشر فلکی جو بلخ کا باشندہ تھا، حج کے لیے جاتے ہوئے جب راستے میں بغداد سے گزرا اور علی بن یحییٰ المنجم المتوفی ۲۷۵ھ کا کتب خانہ دیکھا تو اسی کو دل دے بیٹھا، اور کعبۃ اللہ کو جانا ہی بھول گیا تھا۔[1]

[1] معجم الادباء ج ۵ ص ۴۶۷۔

یاقوت رومی جب مرو پہنچا اور یہاں کے عوامی کتب خانوں کو اور ان سے استفادہ کی سہولتوں کو دیکھا تو اہل وعیال کو بھول گیا، یہاں سے نکلنا ہی نہ چاہا، چنانچہ کہتا ہے کہ بلاد اسلامی پر تاتاریوں کی مسلسل یورش نے مجھے مرو شاہجہان کو خیرباد کہنے پر مجبور کیا ورنہ میں مرتے دم زندگی بھر نہ نکلتا، اس کی یادیں یاقوت کی زبان و قلم سے جو درد انگیز شعر نکلے ہیں، وہ پڑھنے کے لائق ہیں، اس سے ثابت ہوگیا ہے کہ جہاں کتب و کتب خانے ہوتے تھے، اہل علم اس سرزمین کے گرویدہ رہتے، اور وہیں زندگی کے دن پورا کرنے کی آرزو کرتے تھے۔[1]

۳۷ - کتب خانوں کی ترقی اور علمی کارناموں کی وجہ سے مشرق و مغرب (یورپ اور ایشیا) کے نامور خلفاء میں باہم موازنہ و مقابلہ کیا جاتا، اور ہر ایک کو دوسرے کا نظیر و مثیل قرار دیا جاتا تھا، چنانچہ ابن خلدون نے مشرق میں خلیفہ الناصر، المستضیٔ عباسی کو حکم ثانی کا نظیر و مثیل بتایا ہے۔[2]

۳۸ - علم و کتاب کی اشاعت اسلام کی اشاعت سے عبارت تھی اسی لیے ارباب سیف اور اصحاب قلم میں مقابلہ ہوتا تھا، چنانچہ قرطبہ کے اندر اسلام کی خدمت کرنے میں اصحاب الکتب (کتب خانے والوں) اور اصحاب الکتائب (لشکر والوں) کے اندر مقابلہ ہوتا اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔[3]

۳۹ - عربوں کو اپنے تہذیبی و ثقافتی مرکز اور علمی سرمایہ سے بہت محبت ہوگئی تھی اور اپنی اولاد کو ہتھیاروں اور کتابوں کے بازاروں میں جانے کی تاکید کرتے تھے، اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں سیف و قلم کے بازار ہی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور انہی کی طرف لوگوں کو جانے کی ترغیب دی جاتی تھی یہ ترغیب کتب کتبخانوں کی نشر و اشاعت اور شہرت کا باعث رہی ہے۔[4]

---

[1] معجم البلدان لیاقوت، بیروت، دار صادر للطباعۃ والنشر، ۱۳۷۴ھ ج ۵ ص ۱۱۴ [2] تاریخ ابن خلدون ط ۳ بیروت، دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ء ج ۴ ص ۳۱۰ [3] نفح الطیب للمقری، ج ۲ ص ۹ [4] رسالۃ فی مدح الکتب والحث علی جمعہا للجاحظ تحقیق ابراہیم السامرائی، مجلۃ المجمع العلمی العراقی، ج ۸ ص ۳۳۰، العقد الفرید لابن عبدربہ تحقیق احمد امین وغیرہ، ط دوم، القاہرۃ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ۱۳۷۵ھ ج ۲ ص ۲۱۰ [5] الخطط المقریزی القاہرۃ، دار الطباعۃ المصریۃ، بولاق ۱۲۷۰ھ ج ۲ ص ۱۰۲

۴۰ - عالم، جاہل، امیر، غریب، بادشاہ اور فقیر کے کتب خانے کے ذخائر کی کمیت و کیفیت کا تذکرہ کتب تاریخ و تذکرہ میں کیا جانا بھی عوام و خواص میں قیام کتب خانہ کی ترغیب کا موجب رہا ہے۔[1]

۴۱ - عہد عباسی میں عوامی کتب خانوں کا طریقہ عام ہوگیا تھا، مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں تمام ممالک اسلامیہ میں سیکڑوں ہزاروں کتب خانے قائم ہوگئے، کتب خانوں کی کثرت کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اسی زمانہ کے قریب مدرسوں اور یونیورسٹیوں کی بنیاد پڑی اور ہر مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ ہونا ایک لازمی بات قرار پائی۔[2]

۴۲ - اہل علم اس لیے بھی اپنی کتب و نگارشات وقف کرنے پر آمادہ ہوتے تھے کہ اس سے وہ محفوظ ہوجاتی تھیں، انھیں ان کے ضائع نہ ہونے اور آیندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے رہنے کا اطمینان ہوجاتا تھا۔[3]

۴۳ - مسلمانوں کو کتب و کتب خانوں سے عقیدے کی سی والہانہ محبت تھی انھوں نے ان کو اسی طرح حرز جان بنائے رکھا، جس طرح انسان عقیدے کو حرز جان بنائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس حقیقت کا ذکر ڈاکٹر اولگا پنٹو نے CuIt Of Books (کتابی تہذیب) کے الفاظ سے کیا ہے۔[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ج ۳ ص ۱۰۳۵، نفح الطیب للمقری ج ۲ ص ۱۰ و ۱۱ [2] مقالات شبلی، علم کدہ مطبع معارف ۱۳۷۱ھ ج ۶ ص ۱۹۷ [3] Four great libraries of Medieval Baghdad by Ruth Slellhorn Mackensen library Quarterly Vol.II,1932 [4] The libraries of the Arabs during the time of the Abbassides Pakistan library Review مارچ، جون، جلد ۱۱ شمارہ نمبر ۱ و ۲ ص ۳۵۔

۴۴۔ وزراء، امراء اور کتابوں کے شوقین دولت مند کتابوں کے ملنے پر کتاب پیش کرنے والے کو انعام و خلعت سے سرفراز کرتے تھے[1]، چنانچہ وزیر کمال الدین امین الدولہ دمشقی المتوفی ۶۳۰ھ نے ابن ابی اصیبعہ کو طبقات الاطبار کے پہنچانے پر انعام و خلعت سے سرفراز کیا تھا[2]۔

۴۵۔ بادشاہوں کی ریس میں وزیر امیر بھی اپنے کتب خانوں میں محققین و شائقین کتب کی سہولت و استفادہ کی خاطر دوسری صدی ہجری سے کتب خانہ میں کتاب کے تین تین نسخے رکھے گئے تھے، تاکہ تحقیق، تصحیح و نقل میں ان مختلف نسخوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاسکے، چنانچہ وزیر ابو الفضل یحییٰ بن خالد برمکی المتوفی ۱۹۰ھ کے خزانۃ الکتب و بیت المدارسہ میں اس امر کا لحاظ رکھا جاتا تھا، محمد بن عبد الملک الزیات کے کتب خانہ میں بھی کتابوں کے متعدد اور اہم نسخے رکھے جانے کا اہتمام کیا جاتا تھا[3]۔

۴۶۔ اوائل عہد عباسی سے اہل ثروت کتب خانوں میں ذخائر کے اندر اضافہ کی خاطر و تراق رکھتے تھے، اہل علم کو ان کے کتب خانوں سے استفادہ کی سہولت حاصل ہوتی تھی، بایں ہمہ نادار اہل علم اپنا کتب خانہ بنانے اور اپنے ذخائر کتب میں تنوع و کثرت کے لئے خود اہل ثروت کے کتب خانوں سے کتابیں نقل کرتے تھے، چنانچہ عامر بن ابراہیم بن واقد مولیٰ ابو موسیٰ اشعریؓ المتوفی ۲۰۱ھ یا ۲۰۲ھ ہیزم فروش علم و کتب کے شیدائی تھے، موصوف نے یعقوب قمی کے پاس ایک ماہ قیام کیا اور ان کے کتب خانے سے کتابیں نقل کیں، پھر نعمان بن عبد السلام کے کتب خانے میں جاکر ان کی کتابیں نقل کیں، لوگوں نے ان سے

[1] کتاب الفہرست لابن الندیم ص ۵، ۶، [2] عیون الانبار فی طبقات الاطبار لابن ابی اصیبعہ بیروت، دار الفکر ۱۳۷۶ھ ج ۲ ص ۲۸۶ - ۲۸۷، [3] کتاب الحیوان، ج ۱ ص ۲۰۔

[4] انبار الرواۃ قفطی، ج ۲ ص ۱۵۱، معجم الادبار ج ۲ ص ۸۵ - ۸۶۔

پوچھا آپ کتابیں کیوں نقل کرتے ہیں، جواب دیا میں جن کے ذخیرۂ کتب سے کتابیں نقل کرتا ہوں، ان کے پاس (کتب خانہ، وراق ہیں) میرے پاس وراق نہیں، میں اپنے لیے خود کتابیں نقل کرکے ذخیرہ کرتا اور کتب خانہ بناتا ہوں، اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اندر اہل علم کو ذاتی کتب خانوں سے نقل و استفادہ کی سہولت حاصل تھی[1]۔

۴۷۔ تعلیم، کتابت و قرأت اور کتابوں میں انہماک کو ریاست و سیاست اور زہد و پرہیزگاری کی اصل سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ابو علی صالح بن محمد المتوفی ۲۹۴ھ کا بیان ہے "بغداد میں محدث اور معتزلی دو شاعر تھے، معتزلی میرے پاس سے گزرا اور مجھے لکھتے ہوئے دیکھکر کہنے لگا، صاحبزادے کتنا لکھوگے آنکھیں جاتی رہیں گی، کبڑے ہوجاؤگے اور وقت سے پہلے چل بسوگے پھر اس نے مجھ سے کتاب لیکر اس پر حسب ذیل شعر لکھے۔

ان القرأۃ والتفقہ والتشاغل بالعلوم

پڑھنا، تفقہ حاصل کرنا اور تحصیل علوم میں لگے رہنا۔

اصل المذلۃ والاضافۃ والمہانۃ والہموم

ذلت، فقر و فاقہ، مشقت اور غموں کی جڑ ہے۔

اس کے بعد محدث کا گزر ہوا اور اس نے یہ شعر پڑھا، تو فوراً کہا اس دشمن جان نے غلط کہا ہے۔

"بل یرتفع ذکرک، وینشر علمک، ویبقی اسمک مع اسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یوم القیامۃ" بلکہ یہ انہماک علمی اور لکھنا پڑھنا تمہاری شہرت کا، تمہارے علم کی نشر و اشاعت کا اور تمہارے نام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ

[1] ذکر اخبار اصبہان تالیف ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی، لندن مطبعہ بریل ۱۹۳۲ء ج ۲ ص ۳۶

تاقیامت باقی رکھنے کا باعث ہے، پھر اس نے یہ شعر لکھے۔

ان التشاغل بالدفا تر والکتابۃ والدراسۃ

بلاشبہ کتابوں میں، نقل وکتابت میں اور تعلیم وتعلم میں انہماک و سرگرمی

اصل التفقیۃ والتنز ہد والریاسۃ والسیاسۃ[1]

زہد وپرہیزگاری اور ریاست وسیاست کی اصل وبنیاد ہے۔

۴۸۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں علماء واہل ثروت کی حویلیوں اور محلسراؤں نے عارضی علمی اداروں کی صورت اختیار کرلی تھی، وہ علوم وکتب کی نشر واشاعت میں اہم کردار ادا کرتے تھے، ان میں اہل علم اور وراقوں کے شب میں قیام کے واسطے چالیس پچاس بستر تیار رکھے جاتے تھے، چنانچہ حافظ ابو یوسف یعقوب بن شیبہ سدوسی نزیل بغداد (۱۸۲-۲۶۲ھ / ۷۹۸-۸۷۵ء) کے یہاں چالیس بستر صرف وراقوں کے واسطے رات میں استعمال کے لیے مخصوص تھے[2]، نامور مصنف وادیب ابو عبید محمد بن عمران مرزبانی (۲۹۶-۳۸۱ھ / ۹۰۹-۹۹۴ء) نے اپنی حویلی میں پچاس بستر اہل علم کے واسطے رات میں قیام کے لیے رکھے تھے[3]۔

مورخ صفدی نے اس تفصیل میں پڑے بغیر موصوف کی حویلی کے متعلق اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا ہے، "کان دارہ مجمع الفضلاء"[4] مرزبانی کی حویلی اہل علم کی اکیڈمی تھی، اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ تذکرہ نگار ومورخین اس قسم کے عارضی علمی اداروں کیلئے جو علوم وکتب کی نشر واشاعت میں سرگرم عمل تھے اور جہاں شب گزاری کے لیے بستر بھی

[1] تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۲۲۳ [2] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۸۱، کتاب المنتظم ج ۵ ص ۴۳
[3] ایضاً ج ۳ ص ۱۳۶، میزان الاعتدال فی نقد الرجال للذہبی تحقیق علی محمد البجاوی، مصر عیسی البابی الحلبی، ۱۳۸۲ھ ج ۳ ص ۶۷۲ [4] کتاب الوافی بالوفیات تالیف صلاح الدین خلیل الصفدی، فیسبادن دار النشر فرانز شتاینر ۱۳۸۱ھ ج ۴ ص ۲۳۶

کثیر تعداد میں تیار رکھے جاتے تھے، "دارہ مجمع الفضلاء"، "دارہ مجمع العلماء"[1] کے الفاظ سے ذکر کرتے تھے،

نامور فقیہ ابو الفرج احمد بن محمد بن عمر بن الحسن بغدادی حنفی المعروف بابن المسلمہ (۳۳۶ھ - ۴۱۵ھ) کا مکان جو شرقی بغداد میں درب سلیم کے اندر واقع تھا کے متعلق مورخ خطیب بغدادی کا بیان ہے، "کان دارہ مالفاً لاہل العلم"، موصوف کا مکان اہل علم کی اکیڈمی تھا،[2]

۴۹۔ تیسری صدی ہجری میں جو علماء وقضاۃ پرورش لوح وقلم کرتے، اہل علم ومصنفین کی اعانت وحاجت روائی کرکے فروغ کتب وکتب خانوں کی راہ ہموار کرتے ان کے لیے بھی "مالف" کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا، چنانچہ قاضی ابو عبد اللہ احمد بن ابی دواد بن جریر ایادی بصری ثم بغدادی معتزلی المتوفی ۲۴۰ھ کا شمار اسی قسم کی سوارف پرور شخصیات میں تھا، ابو بکر بن درید المتوفی ۳۲۱ھ حسن بن خضر سے ناقل ہیں۔

کان ابن ابی دواد مالفاً لاہل	ابن ابی دواد اہل ادب کی محبت و
الادب من ای بلد کانوا	الفت کا مرکز تھا خواہ وہ کسی شہر
وکان قد ضم الیہ جماعۃ	اور کسی دبستان فکر سے تعلق رکھتے
یعولہم ویمونہم،[3]	ہوں، ایسی ایک جماعت اس سے وابستہ تھی اور وہ ان کی حاجت روائی وکفالت کرتا تھا

۵۰۔ عہد عباسی میں تصنیف وتالیف اور کتابت ووراقت، ذخیرۂ کتب وکتب خانہ سازی میں

[1] کتاب منتظم، ج ۶ ص ۲۸۸ [2] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۔۔۔ النجوم الزاہرہ ج ۴ ص ۲۶۰، ذیل وفیات ۲۱۵ [3] تاریخ بغداد ج ۔۔۔ الطبقات السنیۃ فی تراجم الحنفیۃ تالیف عبد القادر التمیمی تحقیق عبد الفتاح محمد الحلو، القاہرہ المجلس الاعلی للشئون الاسلامیہ، ۱۳۹۵ھ ج ۱ ص ۳۴۰

اس پے بھی اضافہ ہوا کہ ان کا شمار علوم نافعہ میں کیا گیا ہے، ان کا نفع دائمی ہے، یہ دنیا و آخرت میں اجر و ثواب کا باعث ہیں، اس لئے ان کی طرف توجہ دلائی جاتی، اور ترغیب دی جاتی تھی، عرب کا شاعر کہتا ہے

ما من کاتب الا سیبقی　　کتابتہ وان فنیت یداہ

کاتب کی تحریر باقی رہ جائے گی　　اگرچہ اس کے ہاتھ فنا ہو جائیں گے

فلا تکتب بکفک غیر شیٔ　　یسرک فی القیامۃ ان تراہ[1]

اس لئے تم اپنے ہاتھ سوا ایسی چیز یادگار چھوڑو　　جسے تم قیامت کے دن دیکھ کر خوش ہو،

۵۱ - عہد عباسی میں چوتھی صدی ہجری کے اندر علم، مدرسہ، قلم و دوات اور کتاب کی طرف عزیزوں اور نوجوانوں کو رغبت دلائی جاتی اور ان باتوں کی نصیحت کر کے کتب و کتب خانہ سے ان کی دلچسپی بڑھائی جاتی تھی تاکہ ان کی علمی ترقی برقرار رہے، اور کتب و کتب خانوں میں اضافہ ہوتا رہے۔ چنانچہ بدیع الزماں ہمدانی، المتوفی ۳۹۸ھ اپنے بھانجے کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

انت ولدی ما دمت والعلم شانک　　تم میرے بیٹے ہو جب تک علم تمہاری

والمدرسۃ مکانک والمحبرۃ　　شان اور مدرسہ تمہارا مکان ہے،

حلیفک والدفتر الیفک فان　　دوات و قلم تمہارا ساتھی اور کتاب تمہاری

قصرت ولا اخالک[2]　　دوست ہے، تم اس میں کوتاہی کرو تو

پھر تمہارا کوئی مددگار نہ ہو۔

عہد عباسی میں علمی و کتابی ضرورت کی تحریک کے فروغ اور اس کے بنیادی عوامل کو

---

[1] کتاب العقد الفرید ج ۲ ص ۲۰۸ [2] الرسائل لبدیع الزمان الہمدانی، ط ۳، القاہرۃ، مطبعۃ ہندیہ، ۱۳۲۹ھ ص ۱۵۲۔

مندرجہ بالا سطور میں پیش کیا گیا ہے، یہ ایک ایسا جام جم ہے جس کے اندر عہد عباسی کی پوری علمی زندگی صاف صاف نظر آتی ہے، کتب خانوں کی تاریخ میں اسلامی دور سے پہلے اس طرح کے عوامل نہ کہیں رومیوں میں نظر آتے ہیں، نہ ایرانیوں میں، نہ یہ ہند و سندھ میں کارفرما دکھائی دیتے ہیں، نہ ان کی روشنی سے یونان و مصر روشن ہوا ہے، نہ نینوا و بابل میں یہ عوامل کبھی سرگرم عمل دیکھے گئے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو کتب خانے (GIAYTABTAtoc) گلی گلی (STREETS) نظر نہ آتے، یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے ابلاغ کو اتنا عام کیا اور علم کی ایسی اشاعت کی کہ گلی گلی تو کیا گھر گھر کتب خانہ نظر آنے لگا، چنانچہ کتب خانہ سازی عہد عباسی میں ایک عالمگیر تحریک کی صورت میں جلوہ گر ہوئی، امیر غریب، چھوٹا بڑا، عورت مرد ہر ایک اس تحریک سے متاثر ہوا اور اس نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کے پروان چڑھانے میں حصہ لیا، براعظم ایشیا، افریقہ اور یورپ تک یہ تحریک بارآور ہوئی، ہر جگہ پھولی پھلی، شاہی محلات میں بسیرا کیا، وزیروں کے ایوانوں میں رہی، امیروں کے محلوں میں پروان چڑھی، فقیروں کے جھونپڑیوں میں پلی بڑھی، عالم، ادیب، فقیہ، مفسر، شاعر، مفکر، حکیم، صوفی، لغوی، نجومی، مورخ، مہندس، خطاط، وراق، فنکار، صنعت کار، تاجر، مسلمان، عیسائی، یہودی، دیندار، دنیادار، دہریہ، زندیق، پڑھے لکھے، حتیٰ کہ بعض بے پڑھے لکھے کے ٹھکانے میں اپنا ٹھکانا بنایا، نظریاتی طور پر مخالف و برسرپیکار گروہوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھا، ہر ایک کے دل و دماغ کو اس تحریک نے شعوری و غیر شعوری طور پر متاثر کیا، عہد عباسی میں ہر شہر، قریہ، بستی، محلہ، گلی، کوچہ، معبد، مسجد، تکیہ، سرائے، محل سرا، مہمان خانہ، خانقاہ، سیرگاہ، گلستاں، قبرستاں، دریا کے کنارے، مدرسے، ادارے، بازار، کان، ہر چھوٹی بڑی مرکزی جگہ میں اس نے اپنا علمی مظاہرہ کیا، اور کتب خانہ قائم کر دکھایا، بادشاہ سے فقیر تک ہر ایک کے یہاں اس کا بول بالا رہا، اسی لئے مذکورہ بالا ہمہ اقسام کے کتب خانوں کا تذکرہ ہم نے اپنے تحقیقی مقالہ اسلامی ہوا نے عہد عباسی میں کیا،

کتاب سازی، وراقت

(ماہنامہ معارف، ستمبر–اکتوبر 1985ء)

کتاب سازی، وراقت

از
جناب علامہ محمد عبد الحلیم چشتی صاحب، کانو، نائجیریا

اسلامی قلمرو میں ہر نوعیت کے کتب خانوں کی کثرت حکم اقراء کے نور کا فیضان وعوامل ومحرکات کتب ﷺ اور عباسی خلفاء کی عالمگیر تحریک کتب خانہ کا اثر تھا، اس سے ہر طرف علم کی روشنی پھیلتی رہی، ہر شہر وبستی میں علمی وتحقیقاتی سرگرمیاں پروان چڑھتی رہیں، ہر موضوع پر نت نئی کتابیں بازار میں آتی اور کتب خانوں میں پہنچتی تھیں، کتب وکتب خانہ ہر پڑھے لکھے کا ایسا ہر دلعزیز مشغلہ بن گیا تھا کہ اس کے بنائے رکھنے اور دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچانے کے لئے وہ اپنی عمر عزیز کا معتد بہ حصہ کتابوں کی نقل، تصحیح ومقابلہ میں صرف کرتا، پھر اسے کتب خانوں میں وقف کرتا تھا، ان کتب خانوں کی طلب ورسد جن ذرائع سے پوری ہوتی، اور کتاب جن منازل سے گزر کر کتب خانوں میں پہنچنے کے لائق ہوتی تھی، اس مقالہ میں اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی، اسی لئے اس کا عنوان کتاب سازی، وراقت رکھا گیا، پہلے کاغذ سازی، اس کے اقسام، صنعت کاغذ سازی کے مراکز، کاغذ کی مقامی نسبتوں سے شہرت، بہترین کاغذ کی پہچان، سامان کتابت، قلم، دوات، سیاہی، نقل وضبط کا اہتمام، کتابت وخوشنویسی، اقسام خط، تحریر وکتب شناسی، شعبہ ومدرسۂ خوشنویسی کا قیام، کتابوں میں اعراب کا اہتمام، مقابلہ کتاب، تخریج والحاق نقص، عبارت قلم زد کرنا، مٹانا، قواعد صحت کتاب واحتیاطی پہلو، تصحیح میں احتیاط واصطلاحات، کاتبوں کا ضابطۂ اخلاق، ناقل وکاتب کی شروط سے بحث کی گئی ہے، آئندہ کسی شمارے میں صنعت وراقت، سوق الوراقین کی نوعیت، کثرت، مراکز، ان کی علمی وثقافتی حیثیت، تجارت کتب، کتب فروشوں کی خدمات، فروغ تجارت کتب کے عوامل، معیاری ومستند ناشرین، گراں وارزاں قیمت، انتخاب کتب کے اصول ومبادی اور تبصرۂ کتب پر روشنی ڈالیں گے، اس لئے کہ عہد عباسی میں کتابوں کا ان تمام پہلوؤں سے

جائزہ لیا جاتا تھا، ان مراحل سے گزرنے کے بعد کتاب کتب خانہ میں جگہ پاتی اور اہل علم کے استفادہ کے لائق سمجھی جاتی تھی، اس سے عہد عباسی کے اس علمی و ثقافتی ورثہ کی قدر و قیمت اور استنادی حیثیت کی وضاحت ہوتی ہے جو کتب خانوں میں طلبہ، اساتذہ، محققین و شائقین کتب کے استفادہ کے لئے رکھا جاتا تھا، عہد عباسی کی یہ وہی تحقیقات اور جدتیں تھیں جنھیں یورپ کی ترقی اور موجودہ تحقیقات کی اساس بننے کا فخر حاصل ہے۔

کاغذ اردو ئی سے کاغذ کی ایجاد اور اس کی صنعت کے اولین خطہ وقال سے بحث ہمارے مقالہ کا موضوع نہیں ہے، اس لئے ہم عہد عباسی میں مواد کتب سے روشناس کرانے کے لئے اس کا سرسری جائزہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، کاغذ کی صنعت نے سلطنتوں کو چاندی اور سونے کے سکوں کے بوجھ سے ہلکا کرنے کے لئے زر کاغذی مہیا کیا، اور علمی و ادبی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا، یہ کہنا بجا ہے کہ کاغذ ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس نے قدیم و جدید علمی سرمایہ کو منتقل کرنے، محفوظ رکھنے، اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے، اور پروان چڑھانے میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے، مسلمانوں نے جب اس صنعت سے دنیا کو روشناس کرایا، علمی و ثقافتی ورثہ اسی کاغذ پر منتقل ہوتا رہا، اور ہوتا رہے گا، پیپائرس کا آج تاریخوں میں نام ضرور روشن ہے لیکن ہماری لائبریریاں اس سے خالی ہیں، بابل و نینوا کی کھدائی سے جو الواح دریافت ہوئی ہیں، وہ اگر تواتر کے ساتھ نقل ہوتی رہتیں تو بھی یہ نئی دریافت بنی نوع انسان کے لئے ناگزیر تھی، اس اعتبار سے کاغذ ہی وہ مواد کتابت ہے جس نے ناپائیداری کے باوجود اپنی ارزانی، فراوانی کے سبب ہر نوع کے قدیم و جدید علمی سرمائے کو ہم تک با سانی منتقل کیا، تحریک احیائے علوم و فنون و تحریک کتب خانہ سازی کو حیات جاوید عطا کی اور گھر گھر کتب خانہ قائم کیا۔

عہد قدیم سے جن متمدن اقوام میں نوشت و خواند کا آغاز ہوا اور تھوڑا بہت چرچا رہا تھا ان میں مصری رومی، فارسی، ہندی، چینی، یونانی، عرب سب ہی شامل تھے، انھوں نے جو مواد لکھنے کے لئے انتخاب کیا تھا اس کا تذکرہ ابن الندیم نے الفہرست میں کیا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان نے لکھنے کے لئے مٹی، پتھر، لکڑی، تانبا، درخت کے پتے، چھال، گھاس، چمڑا، ہڈی، کپڑا اور اوراق بردی (Papyrus)

اور چینی کاغذ سب ہی کچھ استعمال کیا تھا، چنانچہ اشور بانی پال کا پورا کتب خانہ گلی تختیوں (Clay Tablets) پر مشتمل تھا[۱]، یونانی چمڑے[۲] پر، رومی سفید ریشم، نرم کھال اور اوراق بردی پر، جنگلی گدھے کے چمڑے پر، اہل فارس بھینس، گائے اور بکری کی کھال پر، عرب اونٹ کے شانہ کی ہڈی، سنگ سفید کے ٹکڑوں، کھجور کی چوڑی چکنی ٹہنیوں[۳] اور چمڑے پر بھی لکھتے تھے[۴]، چینی گھاس سے تیار کردہ کاغذ پر لکھتے تھے[۵]، اہل ہند تانبے، پتھر اور سفید ریشم پر لکھا کرتے تھے[۶]، فوری ضرورت کے لئے لوگ لکڑی اور درخت کی پتیں کو تحریر کے لئے استعمال کرتے اور تحریر کو تادیر رکھنے کے لئے توز کے پتوں پر لکھتے تھے[۸]۔

مذکورہ بالا اشیاء میں کچھ اپنی ناپائیداری، ناہمواری، کمیابی، سختی، گرانی، نقل و حمل کی دقت، ذخیرے کے لئے زیادہ جگہ کی احتیاج وغیر معمولی محنت کے بعد کارآمد بنانے کی وجہ سے زیادہ استعمال میں نہیں آسکی تھیں، اس لئے ان متمدن اقوام میں نوشت و خواند کا سلسلہ ہمیشہ نہایت مختصر و محدود طبقہ میں دائر و سائر تھا، اور کتب خانوں کی تعداد دہائیوں سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی، اہل مصر لکھنے کے لئے پیپائرس (Papyrus) جو گھاس سے تیار کیا جاتا تھا، استعمال کرتے تھے[۹]، عربی میں قرطاس، اوراق بردی سے بھی معروف ہے۔

قرطاس (مفرد) بکسر قاف بمعنی پیپائرس بردی اور قراطیس (جمع) بفتح قاف قرآن میں آیا ہے (الانعام

---

[۱] دی انسائیکلوپیڈیا امریکانا، ۱۹۸۰، ایڈیشن جلد ۲۱ ص ۲۵۸ [۲] کتاب البیرونی فی تحقیق ما للہند من مقولۃ فی العقل او مرذولۃ، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ، ۱۳۷۷ھ، ص ۱۳۳، [۳] الفہرست لابن الندیم ص ۳۱، صبح الاعشیٰ للقلقشندی، ج ۲ ص ۴۸۴ ؛ [۴] کتاب البیرونی فی تحقیق ما للہند، ص ۱۳۳، [۵] الفہرست لابن الندیم ص ۳۱، کتاب البیرونی فی تحقیق ما للہند ص ۱۳۳، صبح الاعشیٰ للقلقشندی ج ۲ ص ۴۸۵-۴۸۶، [۶] کاغذ سازی از مولانا سید ظفر ندوی ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، اعظم گڈھ، دار المصنفین ۱۳۸۳ھ ص ۲۲۱-۲۲۲، کتاب الفہرست لابن الندیم، ص ۳۱ و ۳۲، [۸] کتاب البیرونی فی تحقیق الہند، ص ۱۳۳، [۹] الفہرست لابن الندیم ص ۳۱۔

۷-۹۱) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب قرطاس سے آشنا تھے، یہ کارٹس (Chaorts) کا معرب ہے[۱]، پہلی اور دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کاغذ کی نشر و اشاعت سے قبل مسلمانوں میں قرطاس کا استعمال رہا اور کاغذ کے رواج پذیر ہونے کے بعد بھی قرطاس و قراطیس مصر کی نسبت کی صورت میں بلا شبہ اوراق ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، لیکن مصر کی نسبت کے بغیر بلا قرینہ ہمیشہ کاغذ کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ بغداد کا محلہ درب القراطیس کاغذ سازی کی وجہ سے مشہور تھا[۲]، اسلامی قلمرو میں کاغذ و محلہ کاغذ سازاں دونوں کی اسی معنی و نسبت سے شہرت ہے، اور یہی وہ مقامات تھے جہاں کاغذ ساز رہتے اور کاغذ بنتا تھا، اسی لئے زمخشری نے مقدمۃ الادب[۳] میں اور میدانی نے السامی[۴] میں قرطاس کا ترجمہ لفظ کاغذ سے کیا ہے، کاغذ یا کاغذ جس کی جمع کواغذ[۵] اور کواغیذ[۶] آتی ہے، امام لغت صغانی لاہوری نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ عربی میں فارسی زبان سے آیا ہے[۷] لیکن دراصل یہ چینی زبان کا لفظ ہے، بقول لوفر (Laufar) یہ (Ku-Chih) اور قدیم چینی زبان میں (Kokei-Kokoz) سے کاغذ بنا ہے، اور فراء کی رائے یہ ہے کہ ممکن ہے یہ لفظ ترکی ہو[۸]، یہ چونکہ چینی ترکستان کا علاقہ تھا اس لئے اسے ترکی الاصل کہنا بھی درست ہے، قراطیس اور کاغذ کی طرف نسبت کی وجہ عہد عباسی میں کاغذ سازی کی صنعت میں مہارت و کاغذ فروشی میں شہرت کی بنا پر اہل علم کو قراطیسی[۹] کاغذی[۱۰] اور وراق[۱۱] کی نسبتوں سے شہرت حاصل ہے، دمشق میں آج بھی ایک خانوادہ قراطیسی کی نسبت سے مشہور

---

[۱] Dozy, Supplement anx Dictionnaires arolas leide OI-denent E.J.Brill Vol.2.P331

[۲] تاریخ بغداد للخطیب ج ۲ ص ۱۹، [۳] مقدمۃ الادب للزمخشری گردآوردہ محمد کاظم امام، تہران، چاپخانہ دانشگاہ ۱۳۴۲ھ ص ۳۶۶، [۴] السامی فی الاسامی للمیدانی تحقیق محمد موسیٰ ہنداوی، بیروت، محمد موسیٰ ہنداوی، ۱۹۶۷ء ص ۲۹، [۵] لطائف المعارف للثعالبی تحقیق ... کتاب البیرونی فی تحقیق ما للہند، ص ۱۳۳، [۶] لطائف المعارف للثعالبی ص ۲۱۶-۲۱۸ (ل) ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم الابیاری، القاہرۃ، مطبعۃ المدنی ۱۳۸۴ھ ص ۵۳۱، [۷] تاج العروس للمرتضی الزبیدی ج ۲ ص ۴۸۶، [۸] لغت نامہ دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۰، شمارہ حرف کاف ۳ ص ۲۱، [۹] الانساب للسمعانی ورق ۴۴۵، [۱۰] ایضاً، [۱۱] ایضاً ورق ۵۰۹ ب،

ہے، اس خاندان کے افراد کاغذ کی تجارت کرتے ہیں[۱]، عہد عباسی میں کتب فروش پر قراطیسی کی طرح کراریسی کا لفظ بھی بولا جاتا تھا، لیکن جلد ہی لفظ "وراق" نے ان کی جگہ لے لی تھی، اس سے بعض اہل لغت کی رائے یہ ہے کہ وراقت کا دائرہ تجارت کتب تک محدود نہیں تھا، بلکہ کتاب و سامان کتابت، ورق، کتابت نقل، کتابوں کی سلائی، جلد سازی ہر چیز پر اس کا اطلاق ہوتا تھا[۲]،

دنیا میں سب سے پہلے ۱۰۵ عیسوی میں ایک چینی سائی لون[۳] (زائی لون) (Tsai-Lun) نے گھاس سے کاغذ تیار کیا تھا[۴]، ابن الندیم نے چینی کاغذ، ابن ابی بعرہ کے خزانۃ الکتب میں دیکھا تھا[۵] مسلمانوں نے اس صنعت کو ان سے سیکھا اور کتان (السی) اور قطن (روئی) سے کاغذ تیار کیا[۶]۔

کاغذ سازی کا آغاز دور اموی میں ہو چکا تھا[۷]، اس امر کا اعتراف اس عصر کے نامور محقق کرد علی کو بھی ہے[۸] علامہ شہاب الدین ہارون بن بہاء الدین مرجانی المتوفی ۱۳۰۶ھ نے وفیات الاسلاف میں تصریح کی ہے کہ یوسف بن عمر مکی نے قتیبہ بن مسلم کی فتح سمرقند ۸۷ھ[۹] کے بعد ۸۸ھ کے عہد دو میں حجاز میں روئی سے کاغذ بنایا تھا[۱۰]، اسی کاغذ کو ابن الندیم نے "ورق تہامی" کے نام سے ذکر کیا ہے، جو اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ ابن ابی بعرہ کے خزانۃ الکتب میں دیکھا تھا[۱۱]، ہمارے علم میں نہیں کہ ابن الندیم کے علاوہ کسی مورخ نے تہامی کاغذ کا تذکرہ کیا ہو، اگر ابن الندیم نے ورق تہامی کو نہ دیکھا ہوتا تو علمی دنیا کو اس کا نام بھی معلوم نہ ہوتا۔

---

[۱] الکتاب فی الاسلام، الفکر الاسلامی، شمارہ ۱۲، ۱۹۷۱ء ۱۲، [۲] صبح الاعشیٰ، ج ۲ ص ۴۸۲-۴۸۳، [۳] بحوالہ چینی، چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۲ء ص ۳۶۲-۳۶۳، [۴] خطط الشام محمد کرد علی ج ۴ ص ۲۴۲، The Encyclopaedia Americana, 1966 ed, vol. 21, P.256 Encyclopaedia of Library and Informations Science New York Marcel Dikker, Inc., 1977 Vol.2, P.45.46, 395

[۵] الفہرست لابن الندیم، ص ۴۰، [۶] ایضاً ص ۳۱، الورق والوراقۃ فی الحضارۃ الاسلامیۃ محمد طہ الحاجری مجلۃ المجمع العلمی العراقی شمارہ ۱۲ (۱۳۸۳ھ) ص ۱۳۵، [۷] ایضاً، [۸] خطط الشام ج ۴ ص ۲۴۲، [۹] فتوح البلدان للبلاذری تحقیق عبد اللہ انیس الطباع، عمر انیس الطباع، بیروت، دار النشر للجامعیین، ۱۳۷۷ھ ص ۴۹۲، [۱۰] معجم البلدان للیاقوت ج ۲ ص ۲۳۴

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف بن عمرو مکی کے کاغذ سازی کا دائرہ حدود تہامہ سے آگے نہیں بڑھا، اس لئے اس کی جیسی شہرت چاہیے تھی نہ ہو سکی، اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کاغذ سب سے پہلے حجاز کی سرزمین میں تیار کیا گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں، بلاد مغرب میں موسیٰ بن نصیر المتوفی ۹۷ھ/۷۱۵ء نے قنب (سن) اور کتان سے کاغذ بنانے کا طریقہ ایجاد کیا تھا[۱]، اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ برعظم ایشیا اور یورپ میں مسلمانوں نے کاغذ سازی کا سلسلہ شروع کیا تھا، ۱۳۴ھ/۷۵۱ء میں جنگ اطلخ میں امیر زیاد بن صالح حارثی المقتول ۱۳۵ھ/۷۵۲ء کچھ چینی کاغذ سازوں کو اسیر بنا کر سمرقند لے آئے، چینی کاغذ گھاس سے بناتے تھے، مسلمانوں نے کاغذ قطن (Cotton) سے بنایا[۲]، جو قطنی کاغذ کہا جاتا تھا، بعض اہل علم کا خیال ہے کہ پرانی رسیوں کے فرسودہ ٹکڑوں سے بنایا جاتا تھا[۳]، آدم متز کی تحقیق یہ ہے کہ برگ توت اور قناب ہندی سے بنایا جاتا تھا[۴]،

اہل سمرقند نے چینی کاغذ ساز اسیروں سے کاغذ بنانا سیکھا، پھر بلاد مشرق میں اس صنعت کو بہت فروغ حاصل ہوا، اس لئے اس کا انتساب چینی کاغذ سازوں کی اسیری کے واقعہ سے ہو کر رہ گیا[۵]، اور کاغذ سازی کی صنعت کو عہد عباسی کی ادبیات سے شمار کیا جانے لگا، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس واقعہ کے بعد کاغذ سازی کی صنعت کو بتدریج پورے اسلامی قلمرو میں کاشغر سے غرناطہ تک ترقی کرنے کی سہولتیں حاصل ہوتی رہیں، اس صنعت میں مسابقت کا جذبہ ابھرا، مشرق و مغرب کے کم و بیش ہر بڑے شہر میں کاغذ سازوں کے کوچے محلے اور بازار آباد ہو گئے تھے، ۲۹۲ھ/۹۰۵ء میں بغداد میں بازار الکتب کے قیام سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) ۱۰ھ التراتیب الاداریہ والعمالات والصناعات والمتاجر والحالۃ العلمیۃ التی کانت علی عہد تاسیس المدینۃ الاسلامیۃ فی المدینۃ المنورۃ العلمیۃ لعبد الحی الکتانی، بیروت، احیاء التراث العربی ب ت، ج ۲ ص ۲۴۲، ۱۱ھ الفہرست لابن ندیم ص ۲۱، ۱ھ التراتیب الاداریہ، ج ۲ ص ۲۴۲، ۲ھ بلاد فلسطین و شام ازلی استرنج ترجمہ سید ہاشمی فریدآبادی، حیدرآباد دکن، مطبع سرکار عالی، ۱۳۵۴ھ، ص ۲۱، خطط الشام، ج ۴ ص ۲۴۳، ۳ھ بلاد فلسطین و شام ص ۲۱، ۴ھ الحضارۃ الاسلامیہ لآدم متز ج ۲ ص ۲۶۹، عنایت اللہ، کاغذ کا رواج، تاریخ کی روشنی میں، مجلہ جامعہ عباسیہ بہاولپور، شمارہ ۱ (۱۳۸۳ھ)، ص ۹۵، ۵ھ ثمار القلوب ص ۴۴۵ (له) لطائف المعارف ص ۲۱۸، کتاب البیرونی ص ۱۳۳، آثار البلاد و اخبار العباد زکریا بن محمد القزوینی، بیروت، دار صادر، ۱۳۸۰ھ، ص ۵۳۶، الحضارۃ الاسلامیہ لآدم متز ج ۲ ص ۲۶۹، لغت نامہ دہخدا شمارہ مسلسل ۱۰۱

شہروں میں اس صنعت کا نہایت تیزی سے رواج ہو چکا تھا[۱]۔

کاغذ کی تین نسبتوں سے شہرت عہد عباسی میں کاغذ کو اسلامی قلمرو میں تین نسبتوں سے شہرت حاصل تھی۔

(۱) بلاد کی نسبت سے، جیسے ورق سمرقندی (۲) کاغذ کے کارخانہ سازوں کی نسبت سے، جیسے ورق سلیمانی[۲]

(۳) کاغذ سازوں کی نسبت سے، جیسے ورق منصوری۔

عہد عباسی میں جو ممالک و بلاد کاغذ کی صنعت کا مرکز رہے ہیں وہ حسب ذیل تھے:

(۱) ماوراء النہر، چنانچہ ابراہیم اصطخری کا بیان ہے کہ بلدان اسلام میں نوشادر اور کاغذ میں ماوراء النہر کے کاغذ کا جواب نہیں[۳]، اس سے[۴] ثابت ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں کاغذ کی صنعت پورے اسلامی قلمرو میں پھیل گئی تھی (۲) خراسان[۵]، خراسانی کاغذ کی شہرت اندلس تک پہنچی ہوئی تھی[۶]، نیشاپور میں سکۃ الوراقین تھا[۷] (۳) بلخ، بلخی کاغذ اندلس تک مشہور تھا[۸] (۴) عراق بغداد میں دوسری صدی ہجری کے ربع آخر میں فضل بن یحییٰ برمکی نے یہاں کاغذ سازی کا کارخانہ قائم کیا تھا[۹]، محلہ کرخ بغداد اور محلہ دار القز بغداد میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا[۱۰]، سامرا میں خلیفہ معتصم نے مصری کاغذ سازوں کو آباد کیا تھا، انھوں نے کاغذ بنایا لیکن وہ پائیدار

(حاشیہ ص ۱۹۶) شمارہ حرف ک، ص ۲۱۱، ۲ھ تحفۃ الالباب و نخبۃ الاعجاب ابو حامد الغرناطی، ایبری نشنل پریس ۱۹۲۵ء، ص ۲۰۲، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۱۲، ص ۸۰۷، ۳ھ ایضاً، ۴ھ رسالۃ الجد والہزل للجاحظ تحقیق عبد السلام محمد ہارون، القاہرہ الخانجی ۱۳۸۴ھ، ص ۲۵۳ و ۲۵۴، ۵ھ المسالک والممالک از ابو اسحاق ابراہیم الاصطخری تحقیق محمد جابر عبد العال الحسینی، القاہرہ، وزارۃ الثقافۃ والارشاد القومی، ۱۳۸۱ھ، ص ۱۶۲، ۶ھ مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت، تجارت، مترجمہ محمد جمیل الرحمٰن، الہ آباد پاکستان، ۱۹۳۴ء، ص ۱۷، یہ قرآن کریم کی کتاب کا ترجمہ ہے، ۷ھ تحفۃ الالباب الغرناطی ص ۲۳۲، ۸ھ تاریخ نیشاپور للحاکم النیشاپوری تلخیص احمد بن محمد المعروف بالخلیفۃ النیشاپوری، تہران، کتابخانہ ابن سینا، ۱۳۳۷ف، ۹ھ تحفۃ الالباب ص ۲۰۳، ۱۰ھ المقدمۃ لابن خلدون ص ۵۵، لغت نامہ دہخدا، شمارہ مسلسل ۱۰۳، شمارہ ک ۳، ص ۲۱۴، صبح الاعشیٰ ج ۲، ص ۴۷۵-۴۷۶۔

نہ تھا[۱] تیسری صدی ہجری میں بغداد میں کاغذ بہت اچھا بنتا اور نہایت سستا بکتا تھا چنانچہ محمد بن غالب بصری ثم بغدادی المعروف بغنام المتوفی ۳۲۳ھ کے پاس چند طلبہ حدیثیں لکھنے کے لئے آئے، موصوف نے بستہ نکالکر سامنے رکھے، وہ پرانے کاغذ پر لکھنے لگے، غنام بولے، یا بنی الکاغذ رخیص ببغداد، فلو کتبتم علی کاغذ اجود من ھذا[۲] بیٹے، بغداد میں کاغذ سستا ہے کاش تم اس سے بہتر کاغذ پر لکھتے، پانچویں صدی ہجری میں کاغذ کی صنعت بغداد میں بہت عروج پر تھی[۳]، واسط میں بھی درب القراطیس تھا[۴] (۵) شام۔ یہاں اچھا کاغذ بنتا اور مصر بھیجا جاتا تھا[۵]، شام کے حسب ذیل شہروں میں کاغذ بنایا جاتا تھا[۶]، دمشق[۷]، طبریہ[۸]، فلسطین[۹]، اوائل عہد عباسی میں لکھنے کے لئے چمڑا بھی استعمال میں آتا تھا لیکن چمڑے کی بہ نسبت کاغذ پر تحریری مواد زیادہ آتا ہے، یہ سستا اور ہر وقت بآسانی میسر، سبک، نقل وحمل میں آسان، ان وجوہ سے مسلم معاشرے میں اسے قبول عام حاصل ہوا اور چمڑے کا چلن جاتا رہا، کاغذ کی موجودگی میں اگر کوئی چمڑا استعمال کرتا، معاشرہ میں حیرت و استعجاب سے دیکھا جاتا، اس سے سوالات کئے جاتے، چنانچہ جاحظ سے بھی سوال کیا گیا، اس نے مناقبہ انداز میں چمڑے کی خوبیوں اور خرابیوں کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:-

---

[۱] اخبار الراضی باللہ والمتقی للہ للصولی، القاہرہ طبع ح ہیورث، د، ن، ۱۹۳۵ء، ص ۲۶۰، [۲] معجم البلدان (بقیہ ص ۱۹۷) لیاقوت، ج ۲ ص ۲۲۳، مراصد الاطلاع علی الامکنۃ والبقاع لعبد المومن ابن عبد الحق البغدادی تحقیق علی محمد البجاوی القاہرہ: عیسی البابی والحلبی ۱۳۷۳ھ، ج ۱ ص ۲۰۵، [۳] مسلمانوں کی صنعت، ص ۶۷، [۴] تاریخ بغداد للخطیب ج ۳ ص ۴۶، [۵] العامۃ ببغداد فی القرن الخامس الہجری، بحث تاریخی فی الحیاۃ الاجتماعیۃ لجماہیر تالیف محمد العابدی، بغداد مطبعۃ الارشاد، ۱۳۸۰ھ، ص ۵۵، [۶] مصطفی جواد المواد الصنائع من معجم الادبا، ص ۶۲، [۷] خطط الشام لکرد علی، ج ۴ ص ۲۴۳، صبح الاعشی، ج ۲ ص ۲۸۷، نزہۃ الانام فی محاسن الشام لعبد اللہ بن محمد البدری الدمشقی، مصر المطبعۃ السلفیہ، ۱۳۴۱ھ ص ۳۶۴، [۸] بلاد فلسطین وشام، ص ۲۰، الحضارۃ الاسلامیۃ لآدم متز ج ۲ ص ۲۶۹، [۹] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم للمقدسی لندن مطبعۃ بریل، ۱۹۰۶ء ص ۱۸۰، الحضارۃ الاسلامیۃ لآدم متز، ج ۲ ص ۲۶۹، علی سامی "اختراع کاغذ" ہنر و مردم شمارہ ۱۱۵ (۱۳۵۱ ف) ص ۲۵-۲۶، [۹] خطط الشام، ج ۴ ص ۲۴۲،

تم کہتے ہو کہ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم نے اپنی تمام کتابیں چینی وخراسانی کاغذ پر تیار نہیں کرائیں، تم پوچھتے ہو کہ تم نے چمڑے پر کیوں لکھوایا، تم کیوں اس کی ترغیب دیتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ اس کا حجم خشک ہو کر (کمتر ہو جاتا ہے) وزن ثقیل ہے، اگر پانی پہنچ جائے تو خراب ہو جائے، اور نمی کے دن ہوں تو ڈھیلا ہو جائے، ڈھیلا بھی نہ ہو تو چمڑے والے نزول باراں کو پسند نہیں کرتے، وہ بارش سے خوش نہیں ہوتے

تمہیں معلوم ہے، وراق ان ایام میں ایک سطر بھی نہیں لکھتا، یہ چمڑا کا تنا ہے جب وہ تر ہو، پھر بارش بھی ہو جائے بھیگ بھی جائے، ڈھیلا ہو کر دراز ہو جائے، یہ جب خشک ہو جائے پھر کھینچ تان کے بعد اپنی حالت پر لوٹتا ہے، زیادہ بدبودار، زیادہ گراں قیمت ہو جاتا ہے، وہ دھوکے کا زیادہ متحمل ہوتا ہے، ایسے کوفی کو واسطی اور واسطی کو بصری بنا لیا جا سکتا ہے، اسے پرانا کیا جا سکتا ہے تاکہ اس کی بو دور ہو جائے، اس کے بال صاف ہو جائیں، اس میں گرہ زیادہ ہوتی ہیں، یہ زیادہ تر غبار آلود ہوتے ہیں اور بیشتر ناکارہ، سیاہی اس میں جلد پہنچتی ہے، اس میں تحریر کا زیادہ جلدی مٹ جانا زیادہ عام ہے، صاحب کتب خانہ یہ چاہے کہ بقدر حاجت کتابیں سفر میں ساتھ رکھے تو اس کے لئے بار شتر بھی کافی نہیں، قطنی کاغذ کی کتابیں بار شتر بھی سفر میں ساتھ لے جانا چاہے تو یہ بھی اسے کفایت کرتا ہے۔

تم نے مجھے بتایا ہے کہ یہ تغیر و تبدل کو زیادہ برداشت کرتی ہیں، زمانہ دراز تک عاریۃً لیتے دیتے اور ہاتھوں میں گھومتے پھرتے رہنے سے ان میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کی پھر بھی قیمت اٹھتی ہے اور پھٹا ہوا بھی کام آتا ہے، اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اسے پھر زندہ کیا جاتا ہے، وہ پھرنے کی نیابت کرتا ہے، قطنی کاغذ کی بازار میں قیمت نہیں ہے (بہت سستا ہے) تم اگر بازار والوں کو دو قیراط پر چمڑا پیش کرو اور اس پر بال لگے ہوں اور بیکار باتیں بھی لکھی ہوں تو بھی زیادہ قیمت اٹھے گی اور لوگ خریداری میں جلدی کریں گے،

میں کہتا ہوں حساب کتاب چمڑوں پر لکھا جاتا ہے، دفتروں میں چمڑوں پر لکھی ہوئی تحریروں پر اعتماد کیا جاتا ہے، عہد و پیمان، شرائط، بیع وشرا کے معاملات، زمینوں کی خرید وفروخت سے متعلق امور چمڑوں پر لکھے جاتے

ہیں، نقشے انہی پر بنائے جاتے ہیں، پھر دیمک کاغذ کو جلد کھا جاتی ہے[1]،

حماۃ[2]، حلب[3]، منبج[4]، طرابلس الشام یہاں کا کاغذ سمرقندی کاغذ کی طرح تھا (۶) مصر: یہاں کے کاغذ سازوں کی بھی شہرت تھی، اسی لیے معتصم نے یہاں سے کاغذ سازوں کو سامرا میں آباد کیا تھا[5]، فسطاط، یہاں خطہ (بستی) بنی وائل میں باب القنطرہ کے قریب مقریزی المتوفی ۸۴۵ھ کے زمانے تک کاغذ بنایا جاتا تھا[6]، قاہرہ، حارہ بہاء الدین اور سویقہ امیر الجیوش کے درمیان خط خان وراقہ میں کاغذ تیار کیا جاتا تھا[7] (۷) ایران۔ خونا میں جس کا تذکرہ کتابوں میں خونج کے نام سے کیا جاتا ہے، کاغذ کا کارخانہ تھا[8] (۸) ہندوستان میں بھی کاغذ تیار کیا جاتا تھا، اس کاغذ کی صدائے بازگشت اندلس تک سنائی دیتی ہے، اور ابو حامد غرناطی نے ہندوستان کے ساختہ کاغذ کو بلخ و خراسان کے ہم پایہ کاغذ قرار دیا ہے[9]، ممکن ہے یہ کاغذ کشمیر، سیالکوٹ اور لاہور میں کسی جگہ بنتا ہو (۹) مغرب، اندلس، مشرق (ایشیا) سے کاغذ کی صنعت مسلمانوں کے ذریعہ مغرب میں پہنچی، چنانچہ قرطبہ میں بے نظیر، شاطبیہ[10] میں نہایت عمدہ اور صقلیہ (سسلی) میں بھی کاغذ بنایا جاتا تھا[11]، سولہویں صدی عیسوی میں یہاں سے کاغذ سازی کی صنعت یورپ کے مغربی ممالک میں پہنچی تھی[12]،

ابن الندیم نے چوتھی صدی ہجری تک اسلامی دنیا میں حسب ذیل چھ قسم کے کاغذوں کی نشاندہی کی ہے[13]:

(۱) سلیمانی (۲) طلحی (۳) نوحی (۴) فرعونی (۵) جعفری (۶) طاہری[14]

---

[1] رسالۃ الجد والہزل للجاحظ تحقیق عبد السلام محمد ہارون، القاہرہ: مکتبۃ الخانجی، ۱۳۸۴ھ، ص ۲۵۳-۲۵۴ [2] خطط الشام از کرد علی ج ۴، ص ۲۴۴، [3] ایضاً ص ۲۴۲، [4] سفرنامہ ناصر خسرو تحقیق محمد دبیر سیاقی، تہران کتاب فروشی زوار، ۱۳۵۴ ف، ص ۱۵، مزج ۲ ص ۲۶۹، [5] البلدان لاحمد بن واضح الیعقوبی ط ۳، النجف، المطبعۃ الحیدریہ، ۱۳۷۷ھ، ص ۲۹، [6] الخطط المقریزیہ، ج ۱ ص ۴۰۶، [7] ایضاً ج ۲ ص ۲۳۲، [8] معجم البلدان یاقوت ج ۲ ص ۴۷۷، مراصد الاطلاع لابن عبد الحق ج ۱ ص ۴۰۲، [9] تحفۃ الالباب للغرناطی، ص ۲۰۲ [10] لغت نامہ دہخدا، شمارہ حرف ک، ۳، ص ۲۱۵، [11] معجم البلدان، ج ۲ ص ۹۰۴، الحضارۃ الاسلامیہ لآدم متز ج ۲ ص ۲۴۹، [12] مسلمانوں کی صنعت و حرفت، ص ۴۳، [13] الحضارۃ الاسلامیہ ج ۱ ص ۲۲۷، لغت نامہ دہخدا شمارہ حرف ک ۳، ص ۲۱۵، [14] الفہرست لابن الندیم، ص ۳۲،

بہترین کاغذ کی پہچان علامہ ثعالبی (۳۵۰-۴۲۹ھ) نے عہد عباسی میں اسلامی قلمرو میں کاغذوں میں سمرقندی کاغذ کو سب سے زیادہ بہتر، سب سے زیادہ نرم، سب سے زیادہ لطیف اور سب سے زیادہ باریک و صاف قرار دیا ہے[1]، موصوف نے جن خوبیوں کی بنا پر اس کو سب سے بہتر و اعلیٰ معیار کا کاغذ قرار دیا ہے، اسی معیار پر نویں صدی ہجری میں ابو العباس احمد القلقشندی المتوفی ۸۲۱ھ = ۱۴۱۸ء نے بغداد کے کاغذ کو سب سے بہتر اور فرنگی کاغذ کو سب سے بدتر قرار دیا[2]، بغداد کے بہترین کاغذ کی تصدیق گیارہویں صدی ہجری میں رضی الدین محمد بن حسن قزوینی المتوفی ۱۰۹۶ء کے بیان سے بھی ہوتی ہے، وہ کہتا ہے:

"ہم نے تمام شہروں کے کاغذ کا تجربہ کیا ہے مگر سب سے زیادہ عمدہ دیرپا، مضبوط کاغذ بغداد، دمشق، آمل اور سمرقند کا پایا جو لکھنے کے لائق ہیں، دوسرے شہروں کے کاغذ ناپائیدار ہیں، وہ ایک زمانے کے بعد ترخ جاتے ہیں[3]،

روئی سے کاغذ کی ایجاد اور اس کی فروغ تجارت نے معاشی اعتبار سے مسلمانوں کو خوشحال بنایا، ان کے علمی ورثے سے دوسروں کو بہرہ مند کیا، ذہنی تنویر بخشی، چنانچہ پاپائیت جس نے علم کو ایک مخصوص طبقے تک محدود کر دیا تھا، اور عیسائی حکمرانوں کی رعایا اوہام پرستی و تعصب میں مبتلا تھی، مسلمانوں کی کاغذ کی تجارت نے توہم پرستی اور تعصب سے کسی حد تک دور رکھا، چنانچہ کاغذ جوں جوں پھیلتا گیا کتابیں وجود میں آتی گئیں، علم کی روشنی سے لوگوں کے دماغ روشن ہوتے رہے اور کاغذ کی ارزانی اور فراوانی کی وجہ سے ہر طبقہ کے لوگوں کو کاغذ اور کتاب کی خریداری میں کوئی تامل نہیں رہا، ہر شخص آسانی سے کاغذ و کتاب خریدتا، پڑھتا اور علمی دولت سے مالامال ہوتا تھا، معاشرہ میں روزافزوں شرح خواندگی میں اضافہ کی وجہ سے دنیا سے جہل، تنگ نظری اور اوہام پرستی کا خاتمہ ہونے لگا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ عیسائی

---

[1] لطائف المعارف للثعالبی ص ۲۱۸، [2] صبح الاعشیٰ للقلقشندی، ج ۲ ص ۴۷۵، [3] رسالہ خط از رضی الدین محمد قزوینی پرویز از کابی ہنر و مردم، شمارہ ۸۵ (آبان ماہ، ۱۳۴۸ ف) ص ۵۱،

دنیائے تعصب واوہام اور جہل کے پردوں کو چاک کرنے میں مسلمانوں کی کاغذ سازی کی صنعت کا بڑا دخل ہے، چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف وان کریمر کو بھی ہے، وہ کہتا ہے کہ یوں علم وفن کی عام اشاعت اور اسکی ترویج کا سہرا عربوں ہی کے سر ہے، علوم کی اشاعت برابر بڑھتی گئی اور عربوں کا لگایا ہوا پودا اس قدر بارآور ہوا کہ اس کی بدولت مذہبی تعصب واوہام پرستی اور بے جا تحکم کا بالکل خاتمہ ہوگیا، مختصر یہ ہے کہ اس وقت سے تمدن کا ایک نیا دور شروع ہوا۔[1]"

بریفالٹ نے کاغذ کی ایجاد وترویج کی دادِ تحقیق حسب ذیل الفاظ میں دی ہے:

"یہ قابل غور اور حیرت انگیز حقیقت ہے کہ یونان اور روما جنھوں نے دنیا کی ہیئت کا ملاً بدل کر رکھ دی اور تہذیب کی ایک نئی کائنات ایجاد کردی، ایک بھی اہم علمی ایجاد یا صنعتی انکشاف نہ کرسکے . . . بابل ومصر کے اولین ایام سے لے کر کسی اہم اور نئے مادی انکشاف کا سُراغ نہیں ملتا تا آنکہ عربوں نے یورپ میں کاغذ سازی بارود سازی اور ناخداؤں کے قطب نما کو رواج دیا، جس دانش وبصیرت نے فکر وذہن کی ایک ایسی نئی دنیا پیدا کردی جو مشرق کے مقابلے میں ایسی ہی تھی جیسے آدھی رات کے مقابلے میں دوپہر۔[2]"

بریفالٹ ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے "عربوں نے یورپ میں اپنی تین ایسی ایجادیں رائج کیں جن میں سے ہر ایک نے دنیا میں عجیب انقلاب پیدا کردیا، اول ناخداؤں کی قطب نما جس کی برکت سے یورپ دنیا کے کناروں تک پھیل گیا، دوم بارود جس نے زرہ بکتر پہننے والے نائٹوں کے اقتدار کا خاتمہ کردیا، سوم کاغذ جس سے اشاعت وطباعت کا رستہ صاف ہوا، کاغذ کے رواج نے جو انقلاب پیدا کیا وہ اہمیت میں طباعت کی ترویج سے کم نہ تھا۔[3]"

---

[1] مسلمانوں کی صنعت از وان کریمر ص۳۳، [2] تشکیل انسانیت، بریفالٹ، ترجمہ عبدالمجید سالک، بار دوم، لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۷۶ء ص ۲۴۰-۲۴۱۔

[3] تشکیل انسانیت ص ۲۴۴، عربوں کا تمدن، جوزف ہیل۔

اسلام نے تجارت ودستکاری پر زور دے کر ان کو بھی عبادت بنا دیا تھا، اس لئے مسلمان ہر نئی صنعت سیکھتے، اسے اپناتے، اس میں جدت پیدا کرتے اور خوب ترقی دیتے تھے، جوزف ہیل کہتا ہے:

"اسلام نے دستکاری کے فوائد اور خوبیوں پر زور دے کر دستکاری اور تجارت کو ایک مذہبی شکل دے دی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی نئی چیز ملتی تھی، وہ فوراً اسے اپناتے اور اس میں مزید وسعت ونشو ونما پیدا کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے جب سنا کہ اسلامی قلمرو کے کسی دور دراز حصے غالباً چین میں کاغذ تیار کیا جاتا ہے تو انھوں نے فوراً اس کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ عباسیوں کے ابتدائی زمانے میں سمرقند کے اندر کاغذ سازی کا ایک کارخانہ جس میں غالباً چینی کام کرتے تھے قائم ہوگیا، انھیں ابھی کاغذ بناتے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ انھوں نے اس کے لئے چیتھڑوں اور کپڑوں کا تجربہ شروع کیا، ۷۹۴-۵ء میں بغداد میں کاغذ سازی کا سب سے پہلا کارخانہ قائم ہوا اور حکومت کے دفاتر میں کاغذ کا استعمال شروع ہوا، رفتہ رفتہ تمام سلطنت میں کاغذ سازی کے کارخانے جاری ہوگئے، جہاں تک نئے قسم کا کاغذ تیار ہوتا تھا، ریشم کا کاغذ، روئی کا کاغذ موٹے اور باریک، صاف کھردرا، سفید اور رنگدار کاغذ بننا شروع ہوا، بانس کے کاغذ اور چمڑے کا زمانہ ختم ہوا، اور اب لکھنے کے لئے اس سے کہیں سستا سامان میسر آتا تھا، یہ علوم وفنون اور ادب کے فروغ کے لئے ایک اچھا شگون تھا۔[1]"

مشرق ومغرب (ایشیا اور یورپ) میں علوم وفنون کے فروغ، کتابوں کی اشاعت اور کتب خانوں کے ترقی پذیر سلسلہ کے احیا کی خاطر اسلامی قلمرو میں کہیں بھی کاغذ کی صنعت وتجارت پر کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں لگائی گئی، اس سے کاغذ کی صنعت وتجارت کو ہر چھوٹے بڑے شہر میں فروغ حاصل ہوا اور علمی دنیا کو اس سے ترقی کرنے کا موقع ملا، چنانچہ وان کریمر کہتا ہے "عہد عباسی میں کاغذ کی تجارت سے چونکہ کسی قسم کا ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی نہیں تھی، اس لئے بھی کاغذ کی تجارت کو بہت فروغ حاصل تھا۔[2]"

---

[1] عربوں کا تمدن، جوزف ہیل ترجمہ نذیر نیازی، دہلی مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، ۱۹۷۷ء، ص ۲۰۳-۲۰۴، [2] مسلمانوں کی صنعت وحرفت، ص ۶۳ و ۶۵۔

وان کریمر دوسرے مقام پر لکھتا ہے "کاغذ سازی سے صنعت علوم و فنون کی اشاعت کو غیر معمولی ترقی ہوئی، اور اسی صنعت کی وجہ سے مسلمانوں نے یورپ کے بازاروں میں اپنا سکہ بٹھایا[50]، عربوں نے کاغذ سازی کی صنعت کو جلد ہی ترقی دی، کافی سستا اور اچھا کاغذ بنا کر ایشیا کے بازاروں سے گزر کر یہ لوگ یورپ کے بازاروں کو بھی یہ کاغذ مہیا کرنے لگے، اس لئے علم و فن کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا[51]"

مسلمانوں نے علم جیسی بیش بہا چیز کو بلا امتیاز عام کیا، بلا اجرت و معاوضہ معاشرہ میں پھیلا کر عوام میں علمی بیداری پیدا کی اور ان کا کتابوں سے رشتہ استوار سے استوار تر کر دیا، مسلمان حکمرانوں نے کاغذ سازی کی صنعت پر کہیں اور کبھی کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کیا، اس سے صنعت کاغذ سازی کو اسلامی قلمرو میں ہر جگہ فروغ حاصل ہوتا رہا، کاغذ کی فراوانی رہی ذخائر علوم کی سرعت سے تدوین ہوتی گئی، آسانی سے اور ہر موضوع پر فراوانی سے بازار میں کتابیں آتی رہیں، عام طور پر ارزاں قیمت و مناسب داموں میں ملتی رہی تھیں، کتب خانے بنتے رہے، اور ان کی طلب و رسد پوری ہوتی رہی تھی،

کاغذ سازی کا ضابطۂ اخلاق | عہد عباسی میں کاغذ سازی کا بھی ضابطۂ اخلاق تھا، جس کی کاغذ ساز پابندی کرتے تھے، چنانچہ ابن امیر الحاج کا بیان ہے :

کاغذ ساز کو جو کام سپرد کیا جائے اسے دیانتدارانہ طور پر انجام دینا چاہئے مثلاً کاغذ کا دستہ تین درہم میں فروخت ہوتا ہو تو وہ خریدار کو چار درہم میں نہ بیچے، ہر نوع کے کاغذ کی جداگانہ قیمت ہوتی ہے، ہر نوع کے کاغذ کے دام میں فرق ہوتا ہے، چنانچہ سفید، کم سفید، صیقل کیا ہوا اور کم صیقل کیا ہوا مانجھا ہوا اور کم مانجھا ہوا، ایک دام کا نہیں ہوتا، پھر کاغذ کی ساخت کے اعتبار سے بھی قیمت میں تفاوت ہوتا رہتا ہے، گرم و سرد موسم کے اعتبار سے بھی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اس لئے کاغذ فروش پر لازم ہے کہ ہر کاغذ کی صنعت خریدار کو بتائے، تاکہ اس کو کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے، ایسا نہ کرنا خریدار کو دھوکا دینا ہے، جس کے متعلق حدیث

[50] مسلمانوں کی صنعت، حرفت، ص ۶۳ و ۶۵، [51] ایضاً،

میں وارد ہے مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا جس نے ہم کو دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

خریدار کو کارخانہ میں جا کر کاغذ دیکھنے کا حق ہے، لیکن کارخانہ میں کاریگر عموماً چھوٹا اور نازک سا کپڑا باندھے رہتے ہیں اس لئے ایسے وقت جانا چاہئے جب وہ کپڑے پہنے ہوئے ہوں یا کارخانہ میں کام ختم ہو چکا ہو،

کاغذ فروش پر لازم ہے کہ خریدار کو جس کام کے لئے کاغذ درکار ہے اسی مقصد کا کاغذ اس کو دینا چاہئے مثلاً نقل کرنے کے لئے نقل کے مطلب کا کاغذ دینا چاہئے اور حقیقت حال بھی بتا دینی چاہئے، کاغذ سازوں پر ایسے کاغذوں کو جن پر شرعی امور تحریر ہوں احترام لازم ہے، انہیں پیروں تلے نہیں روندنا چاہئے، اور جن پر شرعی امور تحریر نہ ہوں انہیں از سر نو درست کرنے کی اجازت ہے[52]

سامانِ کتابت قلم، دوات اور سیاہی | قلم کے معنی سخت چیز کو کاٹنے کے ہیں، قلم سخت قسم کے نرکل کو تراش کر بنایا جاتا تھا، اس لئے اس کو قلم کہتے اور بعض تراشے ہوئے نرکل کو انبوبہ بولتے ہیں[53]، عہد عباسی میں قلم نرم سبک، تیز چلنے والا اور پائیدار پسند کیا جاتا تھا، سخت، ڈھیلا، دھیرے چلنے والا اور زیادہ گھسنے والا پسند نہیں کیا جاتا تھا[54]، قلمدان کو مقلمہ کہتے تھے[55]، بہترین قلم جس قلم کے پوست کا رنگ صاف و سرخ ہوتا اور وزن دار، لمبا سیدھا اور اندر کا حصہ سفید ہوتا وہ قلموں میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا[56]، عہد عباسی میں قلم کی بڑی حفاظت کی جاتی تھی، اسے پیتل کے خول میں رکھا جاتا تھا، واسطی کے قلم کا استعمال گرانی کے باعث وزراء و امراء تک محدود تھا، پھر گوند والی روشنائی روانی سے نہیں چلتی تھی، اس بنا پر خوشنویسوں نے اسکے

[52] المدخل لمحمد بن محمد العبدری الفاسی امیر الحاج مصر مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۹۶۰ء، ج ۴ ص ۸۶-۸۸، [53] فرائد اللغۃ فی الفروق، مصر یکوس لامنس، بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیہ از آبار الیسوعین سنہ ۱۸۸۹ء، المفردات فی غریب القرآن للراغب ص ۴۱۱؛ القاموس تفیروز آبادی ج ۴ ص ۲۹۴، ۲۹۵ (دہلی) [54] ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی تحقیق مکس وویسو یلرلیڈن مطبعہ بریل سنہ ۱۹۵۲ء ص ۱۵۸ و ۱۶۳، ادب الکتاب للصولی تحقیق محمد بہجۃ الاثری بغداد المکتبۃ السلفیہ ۱۳۴۱ھ جلد ۲ ص ۹۵، [55] ایضاً، [56] رسالہ خط از رضی الدین قزوینی ص ۵۷، العمدہ لعبد اللہ بن علی الہیتمی تحقیق ہلال ناجی بغداد مطبعۃ المعارف ۱۹۷۰ء ص ۸-۹، تحفۃ اولی الالباب فی صناعۃ الخط والکتاب تالیف عبد الرحمن بن یوسف الصائغ تحقیق ہلال ناجی تونس دار بوسلامہ للنشر والتوزیع سنہ ۱۹۶۷ء ص ۵۴، ۵۷، [57] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۳۸۱

استعمال سے گریز کیا، تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے اس کو بڑی ترقی دی، نامور ادیب وشاعر زعیم الدولہ ابو العلاء صاعد بن الحسن نزیل دمشق المتوفی ۴۷۵ھ/۱۰۸۲ء نے ایسا قلم بنایا تھا جس میں ایک ماہ کی سیاہی سماتی تھی، اس کا نام القلم المداد رکھا تھا، یہ لوہے کا قلم تھا، اور ایک ماہ تک خشک نہیں ہوتا تھا[1]،

عہد عباسی میں سیاہی کے لئے تین لفظ نقس، مداد، حبر استعمال کئے جاتے تھے[2]، نقس مطلق سیال مادہ جس سے لکھا جائے، مداد سیاہی کے ذریعہ حروف کو پھیلایا اور کھینچا جاتا ہے، اس لئے اس کو مداد کہتے تھے، پھر اس کا استعمال دوات کی سیاہی کے لئے مخصوص ہو گیا تھا[3]، یہ کاجل وغیرہ سے تیار کی جاتی تھی[4]، چنانچہ نرم و سیاہ تر و روان سیاہی کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا[5]، حبر کے اصل معنی خالص رنگ کے ہیں اس لئے رنگ دار (سرخ وغیرہ) سیاہی کو حبر کہا جاتا تھا، وزیر حسن بن سہل کا قول ہے کہ جب کوئی فصیح و بلیغ آدمی اپنے الفاظ کو اچھی صورت میں پیش کرتا اور اپنے بیان کو حسن کلام سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تو حکمت سے معمور معانی کا اس کے سامنے ہجوم ہو جاتا ہے جو کپڑے کی آرائش اور ان پر بیل بوٹے سے زیادہ پر رونق ہوتا ہے[6]، عالم بھی کلام کو آراستہ کر کے پیش کرتا ہے اس لئے اس کو بھی حبر کہتے ہیں، حبر بحر کا مقلوب ہے، بحر اور سمندر منبعِ آب ہیں، عالم بھی علم کا منبع ہوتا ہے، علم پانی کی طرح ہے، پانی مادی حیات کا، علم ابدی و روحانی حیات کا سبب ہے، اس لئے جو علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ رہتا ہے وہ کبھی مرتا نہیں ہے[7]، اسی لئے کہا جاتا تھا

---

[1] تاریخ الکبیر لابن عساکر بترتیب تہذیب عبد القادر آفندی بدران، دمشق طبعہ روضۃ الشام ۱۳۵۱ھ، ج ۶، ص ۳۶،

[2] ادب الکتاب للصولی، ج ۲ ص ۱۰۱، [3] ایضاً، [4] صبح الاعشیٰ، ج ۲ ص ۴۷۰ و ۴۷۵، لغت نامۂ دہخدا، شمارہ مسلسل ۲۴ و شمارہ حرف ح، ج ۳ ص ۲۰۳، [5] ایضاً، [6] ادب الکتاب للصولی، ج ۲ ص ۶۵، ادب الاملاء للسمعانی ص ۱۶۳،

[7] جامع العلوم الملقب بدستور العلماء تالیف عبد النبی احمد نگری حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیہ ۱۳۲۹ھ ج ۲ ص ۹،

انما المجالس لاصحاب
الخلقان والمحابر[1]

مجالس پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں
(صوفیہ) اور دواتوں سے لکھنے والوں
(محدثین و علماء) کی ہوتی ہیں،

ان کو حیات جاوید ملتی ہے، حبر اور مداد کے فرق کو ابن الندیم نے بھی ملحوظ رکھا ہے، حبر اور مداد سے لکھنے والوں میں امتیاز کیا ہے[2]، عہد عباسی میں کتابوں میں ایسی پختہ سیاہی استعمال کی جاتی تھی کہ کپڑوں پر اس کے دھبوں کو ترشی سے دور کیا جاتا تھا[3]، ان باتوں کا لحاظ انتخاب کتب میں بھی رکھا جاتا تھا، قلم اور سیاہی کو دیکھا جاتا تھا، یہ کتابوں کی قیمت پر اثر انداز ہوتی تھیں، اس لئے اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا، عربی میں دوات کو محبرہ[4] اور دوات رکھنے کے برتن کو دستیج کہا جاتا ہے[5]، علوم و کتب میں اضافہ کی خاطر بعض علماء جب گھر سے نکلتے تو دوات و قلمدان اور کاپی اپنی پنڈلی میں جوتے کے ساتھ باندھ کر نکلتے تھے[6]، عہد عباسی میں اشاعت کتب کا اندازہ بھی محبرہ کے شمار سے کیا جاتا تھا، مجلس املاء میں طلبہ اور نسخوں کی تعداد کے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ محبرہ کی گنتی تھی، انھیں گن کر صحیح تعداد معلوم کی جاتی تھی[7]،

عہد عباسی میں سیاہی سازی ایک فن کی حیثیت سے ممتاز تھی، سیاہی ساز اور سیاہی فروش کو حبری[8]، اور حبار کہا جاتا تھا[9]، عہد عباسی میں بعض اہل علم اپنی زمین و جائداد فروخت کر کے اس کی قیمت سے طلبہ کی سیاہی

---

[1] الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ لعبد القادر التمیمی تحقیق عبد الفتاح محمد الحلو القاہرہ: المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ ۱۳۹۵ھ، ج ۱ ص ۳۴۷، ج ۱ ص ۸۶، [2] الفہرست لابن الندیم، ص ۱۳، [3] ادب الاملاء للسمعانی، ص ۱۵۱، [4] معجم الادباء، ج ۳، ص ۱۳۶، [5] قصار الادب عن ذکر علماء النحو والادب از ذو الفقار علی نقوی، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۳۱۶ھ ص ۳۹، [6] الانساب للسمعانی، ورق ۵۸۰ ب، [7] تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۳۵۳، [8] ایضاً، کتاب الانساب للسمعانی، ج ۴، ص ۴۲، اللباب لابن الاثیر ج ۱، ص ۲۳۶، تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ لابن حجر تحقیق علی محمد البجاوی، مصر الدار المصریہ للتالیف والترجمہ، ۱۳۸۳ھ، ج ۱، ص ۳۹۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵، [9] کتاب الانساب، ج ۴ ص ۲۶، اللباب، ج ۱، ص ۳۳۴،

اور دوات وغیرہ کی ضروریات پوری کرتے تھے،[۱]

کتابت وخوشنویسی | زبان وبیان اور کتابت وتحریر اللہ تعالیٰ کا بنی نوع انسان پر خاص فیضان ہے اس لئے قرآن نے اس کا ذکر بطور امتنان کیا ہے، فرمایا گیا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمن - ۲) اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" العلق - ۳ - ۵) اس (رحمن) نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا، اور تمھارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا،

اس فضیلت وشرف میں جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہوا، لفظ وخط میں بھی ایک نوع کا شرف آگیا ہے، خط کے ذریعہ نوع انسانی کا خاصہ قوت سے فعل کی طرف آیا،[۲] اور عقل ونطق اور خط کی وجہ سے انسان کو حیوانات پر فضیلت حاصل ہوئی ہے[۳]، خط والفاظ برابر الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہیں، فرق یہ ہے کہ لفظ متحرک ہے[۴]، وہ بنی نوع انسان میں ایک گونہ حرکت پیدا کرتا ہے، خط ساکن ہے، یہ ذوق جمال کی تسکین کا موجب ہے،

قرآن کی پہلی وحی "اقراء" پڑھ، اور سورہ القلم ن و القلم وما یسطرون (نون اور قسم ہے قلم کی اور جو وہ لکھتے ہیں) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اکتب"[۵] لکھو "اکتبوا ذالک لاحرج"[۶] (میری باتیں) لکھو کوئی حرج نہیں، قیدوا العلم

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۹۸۶، ۹۸۹ ۲ھ [۲] ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد تالیف محمد بن ابراہیم بن سعد مصر، مطبعۃ الموسوعات، ۱۳۱۸ھ ص ۳۰، [۳] روح المعانی للآلوسی، ج ۱۵، ص ۱۱۵، [۴] تحفۃ اولی الالباب للصائغ، ص ۲۶-۲۷، [۵] سنن الدارمی تالیف عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، دمشق، مطبعۃ الاعتدال، ۱۳۴۹ھ ج ۱ ص ۱۲۵، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، الریاض، مکتبۃ النصر الحدیثہ، ب، ت، ج ۱ ص ۱۰۵-۱۰۶، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ج ۱ ص ۷۱، تقیید العلم، ص ۷۴، تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ، ص ۳۶۵، الالماع للقاضی عیاض ص ۴۶، فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۵، [۶] المحدث الفاصل بین الراوی والواعی تالیف الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی تحقیق محمد عجاج الخطیب، بیروت، دار الفکر، ۱۳۹۱ھ، ص ۳۶۹ (حدیث نمبر ۳۳۱) تقیید العلم للخطیب، ص ۳۶۹، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد بتحریر الحافظین العراقی وابن حجر تالیف نور الدین علی بن ابی بکر، القاہرۃ مکتبۃ القدسی ۱۳۵۳ھ ج ۱ ص ۱۵۱، منتخب کنز العمال للمتقی، ج ۴، ص ۵۸، ....

بالکتاب[۱] علم کو قید تحریر میں لاؤ، نے عربوں کے فکر ونظر کو بدلا، آپ کی پسندیدگی اور تاکیدی امر نے انھیں قرأت وکتابت کا خوگر بنایا، اس سے عربی رسم خط کی خوب نشر واشاعت ہوئی، آپ نے وحی الٰہی کو عربی رسم خط میں قلمبند کرایا، صلح نامے، امان نامے، جاگیر نامے، معاہدے، بادشاہوں، امیروں کے نام سیاسی، تاریخی، مذہبی، تبلیغی خطوط، حکام وعمال کے نام فرامین سب اسی خط میں تحریر کرائے، معلم کے لئے بھی کاتب کا لفظ استعمال کیا[۲]۔ سب سے پہلے سرکاری حیثیت میں عربی رسم الخط کا پہلا مدرسہ مدینہ میں مسجد نبوی میں قائم کیا[۳]، اس میں نوشت وخواند کی تعلیم پر کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا تھا، ہر ایک کو اس فن کی مفت تعلیم دی جاتی تھی، اس سے عربوں میں خصوصاً اور غیر عربوں میں عموماً عربی رسم خط کی نشر واشاعت ہوئی، بدر کے جنگی قیدیوں کا فدیہ دس مدنی بچوں کو کتابت سکھانا مقرر کر کے سرکاری حیثیت سے اس کی ترویج واشاعت کی اور ۲ سنہ ھ کے بعد مدینہ میں کتابت کے فن کی ایسی اشاعت ہوئی کہ پھر صحابہؓ کی غالب اکثریت نوشت وخواند سے بہرہ ور ہوئی، ان میں کاتبان قرآن، مراسلہ نگار اور کاتب پیدا ہوئے، خط وکتابت کی ترقی، معاشرتی زندگی میں اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ جو تیر اندازی، شناوری کے ساتھ لکھنا پڑھنا جانتا اسی کو مرد کامل کہا جاتا تھا اس کے بغیر مرد ناقص سمجھا جاتا تھا[۴]،

عہد رسالت میں سب سے زیادہ قرآن وحدیث کو لکھا جاتا تھا، کثرت کتابت کی وجہ سے کوفی رسم خط سے پہلے مدینہ

---

[۱] المحدث الفاصل ص ۳۶۵ (حدیث نمبر ۳۱۸ و ۳۲۷) تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۰، ص ۴۶ (ل) تقیید العلم ص ۶۹، منتخب کنز العمال، ج ۴ ص ۶۹ الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر تالیف یوسف النبہانی، مصر، مصطفی البابی الحلبی ۱۳۵۱ھ، ج ۲ ص ۳۰۶، [۲] لسان العرب لابن منظور، ج ۲ ص ۱۹۳ (مادہ کتب) [۳] سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۲۹، انتشار الخط العربی فی العالم الشرقی والغربی تالیف عبدالفتاح عبادہ، مصر، مطبعۃ ہندیہ ۱۹۱۵ء، ص ۱۲، [۴] الفہرست لابن الندیم ص ۹ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم خط سریانی رسم خط کے انداز پر ترقی کرتے رہے، چنانچہ سریانی رسم خط میں ایک قسم التحریر المخفف تھی، جسے لیٹا خط مدور کہتے تھے، الفہرست لابن الندیم ص ۱۸

ومکہ میں عربی رسم خط کو فروغ حاصل ہوا، مدنی اور مکی خط میں امتیاز شان کی وجہ سے مدینہ کا رسم خط مدنی اور مکہ کا مکی رسم خط کہلایا، پھر اس کے دائرۂ اثر میں وسعت ہوئی اور بصری، کوفی کی نسبت سے بھی مشہور ہوا۔

قرآن مجید کا رسم الخط ان تینوں خطوں سے جدا تھا، اسے الجزم کہتے تھے، جزم کے معنی کاٹنا ہیں، یہ خط حمیری (سندی) سے ماخوذ ہے (کاٹ کر بنایا گیا) نقطے اور اعراب سے خالی تھا اس لئے اس کا نام جزم رکھا گیا تھا[۱]

اسی خط میں مصاحف عثمانی لکھے گئے تھے اور عہد عثمانی میں ان کی نقلیں مختلف مرکزی شہروں کو بھیجی گئی تھیں، اس سے عربی رسم الخط کو سرکاری حیثیت میں فروغ حاصل ہوا، صحابہ وتابعین نے اسی طرز تحریر میں اس کو نقل کیا، یہ رسم خط پورے اسلامی قلمرو میں پھلا پھولا۔

قرآن مجید قرأت، کتابت، تجلید ہر چیز میں دوسری کتابوں سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس کے اصولِ قرأت جدا، اصول کتابت جدا ہیں، یہ مروجہ اصولِ کتابت کی پابندیوں سے بالا تر ہے، اس کے اصولِ کتابت پر قراء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، ان ہی وجوہ سے ابن درستویہ المتوفی ۳۴۷ھ نے کتاب الکتاب میں تصریح کی ہے کہ مصحف کے رسم الخط میں بعض باتیں اصولِ ہجا کے سراسر خلاف ہیں اسے ہجا پر قیاس کرنا درست نہیں، اور نہ اس کے رسم خط کی مخالفت درست ہے، کیونکہ جو کچھ مصحف میں مسطور ہے اس کو امت نے قبول کیا ہے[۲]۔ قرآنی رسم خط کوفہ میں کوفی علماء کا اور بصرہ میں بصری علماء کا مرکز توجہ بنا اور انھوں نے اسی رسم خط کی روشنی میں اصول کتابت وضع کئے تھے[۳]،

(باقی)

---

[۱] مناہل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی، ج ۱، ص ۳۵۶، [۲] کتاب الکتاب تالیف عبداللہ بن درستویہ تحقیق ویوس شیخو الیسوعی، بیروت: المطبعۃ الکاثولیکیۃ، ۱۹۲۷ء، ص ۷، مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ تالیف احمد طاش کبری زادہ، تحقیق کامل کامل بکری، عبدالوہاب ابوالنور، القاہرہ، دارالکتب الحدیثہ، ۱۹۶۸ء، ج ۱ ص ۹۴، [۳] الہدایہ الی ضوابط الکتابۃ تالیف ابراہیم عبداللطیف القاہرہ، شرکۃ مرکز کتب الشرق الاوسط، ۱۹۷۲ء، ص ۱۱ و ۱۲،

کتاب سازی و راقت

از جناب مولانا محمد عبد الحلیم چشتی صاحب، کانو، نائجیریا

(٢)

عہد خلافت راشدہ میں صحابہؓ اسلام کی نشر و اشاعت، فتوحات کی وسعت اور جنگی مصروفیات کی وجہ سے خط کی آرائش و زیبائش اور ذوق جمال کی تسکین کا سامان بہم پہنچانے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے کیونکہ تلوار اور قلم ایک ہی وقت میں ہاتھ میں نہیں پکڑے جا سکتے تھے، اموی دور میں سلطنت کی وسعت، امن و امان کی بحالی اور تمدنی ترقی کی وجہ سے ثقافتی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا، نامور خطاط پیدا ہوئے، مصحف نگاروں میں خالد بن الہیاج کو شہرت حاصل ہے[1]، اور کاتبوں میں قطبہ جو اپنے وقت کا سب سے بڑا خطاط تسلیم کیا گیا تھا، اس نے چار اسلوب خط ایجاد کئے تھے[2]، مالک بن دینار المتوفی ۱۳۰ھ نے مصحف نگاری بطور پیشہ اپنائی[3]۔

امویوں سے اقتدار عباسیوں کو ملا تو ثقافتی سرگرمیاں اور بھی تیز تر ہو گئیں، اور فن خطاطی کو بہت فروغ حاصل ہوا، شاگردان حسن بصری میں ضحاک بن عجلان، قطبہ سے بازی لے گیا، خلیفہ منصور و مہدی کے دور میں اسحاق بن حماد المتوفی ۱۵۴ھ نے بہت تلامذہ یادگار چھوڑے جن میں یوسف لقوہ الشاعر اور ابراہیم بن محسن کا نام سرفہرست ہے[4]، اور ان کے معاصر شقیر، ثناء کاتبہ، عبد الجبار (استاد) ان فن میں تھے، کوئی ان کے رنگ میں نہیں لکھ سکتا تھا[5]،

---

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۹ [2] ایضاً، [3] ایضاً، [4] پیدائش خط و خطاطان از عبد المجید ایرانی مصر، چاپخانہ چہرہ نما ۱۳۶۵ھ ص ۷۰، ۸ قسطنطنیہ مطبعۃ ابو الضیاء ۱۳۵۰ھ ص ۳، الخطاط البغدادی علی بن ہلال المشہور بابن البواب، تالیف سہیل انور، ترجمہ محمد بہجۃ الاثری، عزیز سامی البغدادی، بغداد مطبعۃ المجمع العلمی العراقی ۱۳۷۷ھ ص ۱۰ [5] الفہرست لابن الندیم ص ۱۰،

مذکورہ بالا حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں خوشنویسی کا فن اتنا ترقی کر گیا تھا کہ اس میں لونڈیاں بھی نام پیدا کرنے لگی تھیں۔

اقسام خط | عہد ہارونی میں کاتبوں نے اس فن میں اتنا تنوع پیدا کیا کہ بارہ کوفی رسم الخط رائج ہو گئے، جن میں خط جلیل سب سے زیادہ مشکل تھا[1]، پھر بغداد میں ایک خط ایجاد ہوا جسے خط عراقی اور خط وراقی کہا جاتا تھا، یہ خط برابر ترقی کرتا رہا، تا آنکہ کاتب احول نے جو برامکہ کا کاتب تھا، اس خط کے قواعد و اقسام کو منضبط و قلمبند کیا[2]۔

خلیفہ مامون کے عہد میں علوم کی ترقی کے ساتھ فن خوشنویسی کو بھی ترقی ہوئی، بارہ کوفی طرز خط ترقی کر کے بیس تک پہنچ گئے تھے[3]، ان کا شمار کوفی خط میں تھا، اور کوفی خط سرکاری و مذہبی رسم خط تھا[4]، وزیر مامون ذو الریاستین فضل المتوفی ۲۰۲ھ نے ایک خط ریاسی ایجاد کیا جو گذشتہ سارے رسم خطوں سے فائق تھا، اس سے چودہ رسم خط پیدا ہوئے تھے[5]، اس عہد میں خوشنویسی اتنی ترقی کر گئی تھی، کہ خاندان کے خاندان اس شریف پیشے کو اختیار کرنے لگے تھے، چنانچہ مقتدر باللہ کے استاد ابو الحسین اسحاق شاگرد ابن معدان اپنے دور کا سب سے اچھا خوشنویس تھا، اس کا بھائی، بیٹا، پوتا سب اسی کی روش پر لکھتے تھے[6]، اس نے کتابت کے موضوع پر ایک رسالہ بھی الموافق کے نام سے لکھا تھا[7]، لوگ اس فن کی طرف رغبت کرنے لگے تھے، خطاطوں کا مصوروں سے زیادہ مرتبہ بلند تھا، اسلئے ادب و تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ محفوظ ہے،

اسی زمانہ میں ابو علی محمد بن علی ابن مقلہ بغدادی ۲۷۲ھ المقتول ۳۲۸ھ وزیر

---

[1] پیدائش خط و خطاطان از عبد المجید ایرانی ص ۸، ۸، ۸ حیات خطاطان ص ۳، الخط البغدادی علی بن ہلال المشہور بابن البواب ص ۹، انتشار الخط العربی فی العالم الشرقی و الغربی تالیف عبد الفتاح عبادہ، مصر مطبعۃ ہندیہ ۱۹۱۵ء ص ۱۳ [2] الفہرست لابن الندیم ص ۱۱، ۱۲ [3] ایضاً ص ۱۳ [4] ایضاً ص ۹ [5] ایضاً ص ۲، انتشار الخط العربی ص ۳۳ [6] الفہرست لابن الندیم ص ۱۲، ۱۵ [7] ایضاً ص ۱۳۔

خلیفہ مقتدر، قاہر، اور راضی باللہ[1] ابن مقلہ[2] شاگرد ابراہیم سجزی و احول امام فن خطاطا اور شاعر تھا، کوفی
خط کا طرز نگارش ہندسانہ ہے، اس کی اساس زاویہ دار طرز نگارش رہے، ابن مقلہ کو ان دونوں
فنون سے طبعی مناسبت تھی، اس نے اس خط کو جس کا ابتداء میں غیر سرکاری تحریروں میں استعمال
سے آغاز ہوا تھا، بعد میں خط نسخ کا نام دیا گیا، انقلاب پیدا کیا، اور کوفی رسم الخط کی جگہ اس کو
قرآن مجید کا رسم خط بنایا[3] اب یہی ساری دنیا میں اسلام کا رسم خط ہے، پیچیدہ کوفی رسم خط جس کا لکھنا
پریشانی کا موجب تھا منسوخ قرار دیا، ابن مقلہ نے اس خط کے بارہ[12] قواعد مرتب کئے تھے[4]
اس کا طرز نگارش ضرب المثل ہے کسی شاعر نے کہا ہے،

فصاحة حسان وخط ابن مقلة — وحكمة لقمان وعفة مريم

حسان کی فصاحت اور ابن مقلہ کا خط — لقمان کی حکمت اور حضرت مریم کی عفت

اذا اجتمعت فی المرء والمرء مفلس — ونودی علیه لایباع بدرهم[5]

جب یہ باتیں کسی آدمی میں جمع ہو جائیں اور آدمی بھی وہ مفلس ہو، اور اسکے نمونہ خط کی بولی لگائی
جائے تو افلاس کی وجہ سے اسکی قیمت ایک درہم بھی نہیں ہوگی۔

اسلامی تمدن نے مشرق و مغرب میں دو معنوی دائمی آثار و نقوش نفوس انسانی پر چھوڑے ہیں،

---

[1] ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب للثعالبی تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، القاہرہ، مطبعۃ المدنی ۱۳۸۴ھ
صفحہ ۱۴۰ [2] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۱۶ [3] الخطاط البغدادی علی بن الہلال المشہور بابن البواب، صفحہ ۱۶
[4] ایضاً، انتشار الخط العربی، صفحہ ۱۵، [5] بدیع اللہ دبیر نژاد، سیر خوشنویسی در قرن پنجم ہجری و ظہور ابن بواب
ہنر و مردم شمارہ ۱۳۱ (۱۳۵۱ ف) ص ۵۳-۵۴، تذکرۂ خوشنویسان معاصر از علی راہجری، تہران
کتاب خانہ ابن سینا (۱۳۴۶ ف) ص ۱۵ [6] راہجری نے تذکرۂ خوشنویسان معاصر (ص ۱۵) میں مصرع اخیرہ
ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ فلیس له قدر بمقدار درهم

ان میں عربی زبان اور ابن مقلہ کا یہ رسم خط بھی ہے[1] فن خوشنویسی نے فنون جمیلہ کی وہ تربیت کی کہ
پوری مسلمان قوم میں تقریباً ہر پڑھا لکھا، عالم و عامی اشکال موزوں کا ذوق رکھنے لگا تھا[2] ابن مقلہ
نے کوفی خط کو عراقی طریقہ کی حرف منتقل کیا پھر ابن البواب المتوفی ۴۲۳ھ نے اس میں ندرت پیدا
کی اور یاقوت مستعصمی المتوفی ۶۹۸ھ/۱۲۹۹ء نے خط کو پایہ کمال تک پہنچایا، اور اس کے قوانین کی تکمیل کی[3]
یہ عربی رسم خط زینت و آرائش کا موجب رہا اور اس نے اہل یورپ کو بھی متاثر کیا، چنانچہ تھامس
آرنولڈ (Thamas Arnold) لکھتا ہے،

اسلامی فن میں عربی کا واحد حصہ اس کا رسم الخط ہے جو کسی نوع کے اثر دار قدر کا ایک عالم گیر نشان
ہے، چونکہ اس رسم الخط میں قرآن مجید لکھا جاتا تھا، اس لئے یہ ساری دنیائے اسلام میں مقدس
و محترم سمجھا جاتا تھا، اس فن میں خوشنویسوں نے ایسا کمال پیدا کیا کہ نہ صرف ایک خوشخط کتاب نہایت
بیش بہا چیز سمجھی جاتی تھی، بلکہ کسی باکمال خطاط کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک پرزہ بھی شائقین فن کے نزدیک
ایک قابل فخر ملکیت تھا، اگرچہ یورپی کاریگر اس رسم الخط کو پڑھنے سے قاصر تھے، لیکن آہستہ آہستہ وہ
اس کی شکل و شباہت سے آشنا ہو گئے، اس "علم اور جہالت" کا ایک پرانا ثبوت اس طلائی
سکے سے ملتا ہے، جو اوفا (شاہ مرسیہ) (۷۵۷ - ۹۶ء) نے مضروب کیا، جو برٹش میوزیم میں
محفوظ ہے (شکل ۱۲)، اس کی شکل مسلمانوں کے دینار سے ملتی جلتی ہے،

اس زمانے کے بعد سے مسیحی یورپ کے کاریگروں کی مصنوعات میں عربی حروف اور
مسلمانوں کی تزیینی آرائشوں کا رواج روز افزوں ہو گیا، ... بہت سے سیاح مسلمان ملکوں میں

---

[1] انتشار الخط العربی، ص ۳۰ [2] سید عبداللہ، دور اسلامی میں ابتدائی تعلیم کا آغاز، چٹان (۲۹ جنوری
۱۹۷۳ء)، ص ۶ [3] بدیع اللہ دبیری نژاد، یاقوت مستعصمی و ہنر خوشنویسی، ہنر و مردم، شمارہ ۱۰۶
(مرداد ماہ ۱۳۵۰ ف) صفحہ ۵ -

جاتے گئے، ان کے سفر کی وجہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے علاوہ اس علم کی تشنگی تھی، جس کے واحد وارث مسلمان تھے، تجارت اور دوسرے مفادات کی کشش بھی تھی، یہ سیاح جب سفر سے واپس آئے تو عرب کی شوکت وعظمت کے افسانے سناتے اور ان کے ثبوت میں مسلمانوں کی صناعی اور کاریگری کے وہ نمونے پیش کرتے جو وہ مسلمان ملکوں سے لیکر آتے تھے۔[1]

تحریر و کتب شناسی | عہد عباسی میں خطوط شناسی ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، چنانچہ اس فن میں اہل علم درک حاصل کرتے تھے، محمد بن عبد الرحمٰن بن معمر قرطبی المتوفی ۴۲۳ھ خلیفہ محمد بن ابی عامر منصور کے شاہی کتب خانے میں، اور اس کے فرزند کے خزائن الکتب میں کتابچوں کی تصحیح و مقابلہ پر مامور تھے، ان کو اس فن میں کمال حاصل تھا، چنانچہ ابن الآبار کا بیان ہے۔

کان من اعلم الناس بالکتب	موصوف کتابوں اور ان کے اسباب
وعللها وابوجهها جمعها و	وعلل کے سب سے بڑے عالم تھے کتابوں
افرزهم لخطوطها ونسبهم	کو جمع کرنے اور ان کی وراقوں کی طرف
لها الى وراقها۔[2]	نسبت کرنے میں سب سے زیادہ ماہر تھے،

کان من اعلم الناس الخ کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں شرق (ایشیا و افریقہ) اور مغرب (ہسپانیہ) میں کتب شناس و خطوط شناس کثرت سے موجود تھے، اس فن میں درک و مہارت حاصل کرنے کے لیے نامور خوشنویسوں اور وراقوں کے خط کے نمونے جمع کر کے اس فن میں بصیرت حاصل کرتے تھے، شاہی کتب خانوں میں ایسے ہی ماہر خطوط و

Thomas Arnold Irlamic Artand itsenfluence d Painting inEurope - میراث اسلام ترجمہ عبد المجید سالک لاہور انجمن ترقی اردو ۱۹۲۲ء ص ۵۵

۲ تکملہ لکتاب الصلۃ تالیف ابن الآبار القضاعی، القاہرۃ، عزت العطار الحسینی، ۱۹۵۵ء۔

کتب شناس، تصحیح و مقابلہ کتب کی خدمات پر مامور کئے جاتے تھے۔

عربی رسم الخط کی فطری سادگی، روانی و دلکشی اور دوسرے رسم الخطوں پر اس کی فوقیت کا اعتراف اس دور کے شہرۂ آفاق مورخ ٹائن بی کو بھی ہے وہ لکھتا ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید امر ہے کہ ترک لاطینی حروف کو اپنے پرانے رسم الخط کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ بھدا اور ناموزوں پاتے ہیں، بلکہ شکل اور بے ڈھنگا بھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عربی رسم الخط اپنے حسین دائروں کے ساتھ ہمارے لاطینی رسم خط سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے یہ مختصر بھی ہے، اور رواں، مسلسل اور خوش اسلوب بھی، ایک قوم جو عربی رسم الخط استعمال کر رہی ہو اسے شارٹ ہینڈ کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔[1]

مدرسۂ خوشنویسی | عہد عباسی میں خوشنویسی کا فن مدرسہ میں سکھایا جاتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ مدارس میں اس کا مستقل شعبہ قائم کیا جاتا تھا، یہ فن خطاطی کی اشاعت کا سبب تھا، تحصیل علم کے بعد طلبہ و اہل علم کو یہ فن مادی زندگی میں معاشی احتیاج سے مستغنی کرتا تھا، چنانچہ ابن باہا نظامی جو نہایت عمدہ شاعر و خطاط تھا، اس نے جب نظام الملک طوسی کی خدمت میں قصیدہ پیش کیا تو اس نے اس کی بہت قدر کی، جامعہ نظامیہ نیشاپور میں ٹھہرایا، یہاں انھوں نے خوشنویسی سکھائی۔[2]

کتابت و خوشنویسی کی تعلیم و فروغ کے لئے جداگانہ مدرسہ بھی قائم کیا جاتا تھا، تاکہ کتابوں کی نقل کے لئے کاتبوں اور خوشنویسوں کی کمی معاشرہ میں محسوس نہ کی جا سکے۔

اسی قسم کا ایک مدرسہ ابو الرضی محمد بن احمد بن داؤد المعروف بالمفید المتوفی ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء نے

Annold J.Toypnlee, Astudy of hirtory (London) Oxford Unirerrity Prers, 1939. rol, H, PP.51-55

۲ دمیۃ القصر و عصرۃ اھل العصر تالیف ابو الحسن علی الباخرزی، حلب المطبعۃ العلمیۃ ۱۳۴۹ھ، ص ۶۳

بغداد میں کھولا تھا، جس میں موصوف خوشنویسی اور ریاضی کی تعلیم دیتے تھے[1]۔ اس کی روشنی میں یہ کہنا بھی بجا ہے کہ اس قسم کا مدرسہ خوشنویسی کی تربیت گاہ (Training Centre) کا کام دیتا تھا۔

نقل وضبط کا اہتمام

عہد عباسی میں علماء جو کتابیں تالیف کرتے انھیں پڑھاتے، طلبہ اور علماء کو اس امر کی تصدیق کے لئے سند دیتے تھے، اگر یہ کتابیں انھوں نے حسب استعداد اور حسب موقعہ و محل کلاً یا جزءاً استاد یا مصنف سے سمجھ کر پڑھی ہیں، اور استاد نے کتاب کو پڑھانے اور سننے کے بعد اہلیت کی بنیاد پر انھیں کتاب روایت کرنے کی اجازت دی ہے، در اصل استاد یا مصنف کی موجودگی میں کتاب کو سنا سنانا اس کتاب کی صحت کا ضامن ہوتا اس نسخہ کو اغلاط و الحاق سے پاک سمجھا جاتا اس نسخۂ کتاب سے پڑھنا، پڑھانا، نقل کرنا، اقتباس پیش کرنا مستند سمجھا جاتا تھا، اس کو اصطلاح محدثین میں صحت وضبط کتاب سے تعبیر کیا جاتا ہے محدثین کا یہ وہ زریں اصول ہے، جس کی تقلید ائمہ لغت وغیرہ نے بھی کی ہے[2]۔

وہ عالم جو مصنفین اور اساتذۂ فن سے کتابیں روایت نہیں کرتا اور کتب خانے میں بیٹھ کر کتابوں کا مطالعہ کرتا، ان سے اقتباس لیتا، وہ "صحفی" کہا جاتا تھا، اس کی کتاب اور اقتباس کو کبھی سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تھا، چنانچہ احمد بن محمد بشتی المتوفی ۳۴۸ھ/۹۵۹ء نے جو زبردست لغوی اور کتاب الخصائل کا مصنف تھا، مقدمۂ کتاب میں اس مسلمہ اصول کی مخالفت کی اور کہا۔

میں نے اس کتاب میں جو اقتباس پیش کئے ہیں وہ مذکورۂ بالا کتابوں سے ماخوذ ہیں،

---

۱ الاعلام للزرکلی ج ۶، ص ۲۱۲ ۲ تہذیب اللغۃ محمد بن احمد الازہری تحقیق عبدالسلام محمد ہارون القاہرۃ، دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ ۱۳۸۴ھ ج ۱، ص ۳۳۔

ممکن ہے بعض لوگ برا بھلا کہیں اور اس امر میں تنقید کریں کہ میں نے جن علماء کی طرف ان اقوال کی نسبت کی ہے، ان سے مجھے روایت وسماع حاصل نہیں، ان کتابوں سے اقوال نقل کرنا اس عالم کے لیے موجب عیب نہیں جو صحیح و غلط کو پہچانتا ہو[1]۔

ازہری نے موصوف کے اس موقف پر سخت تنقید کی اور کہا بلاشبہ بشتی کو اس امر کا اعتراف ہے کہ جن کتابوں سے اس نے اپنی کتاب میں اقتباسات پیش کئے ہیں ان کا سماع اسے حاصل نہیں، ان اقتباسات کے لئے مذکورۂ بالا عذر پیش کرنا ہی اس امر کا اعتراف ہے کہ وہ صحفی ہے اور صحفی کا ذخیرہ وہ کتابیں ہوتی ہیں، جن کا وہ مطالعہ کرتا ہے، ان میں تصحیف کرتا، غلط پڑھتا اور زیادہ پڑھتا ہے، تاکہ ان کتابوں کے مواد سے لوگوں کو متعارف کرائے جنھیں اس نے اساتذۂ فن سے نہیں سنا اور اسے علم نہیں کہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے، وہ صحیح ہے، یا غلط اور ہم نے جو زیادہ پڑھا ہے، وہ زیر زبر اور صحیح نقطوں کے ساتھ ضبط تحریر میں آیا ہے یا نہیں اس کی تصحیح ارباب نظر نے کی ہے یا نہیں، یہ ایسی غلطی ہے، جس پر جاہل ہی اعتماد کر سکتا ہے[2]، اس کے یہ معنی نہیں کہ جن کتابوں کی سند حاصل نہیں، ان سے اقتباس پیش کرنا درست نہیں، ان سے تائید و استشہاد کے طور پر اقتباس پیش کرنے کا حق ہر عالم کو حاصل ہے، اس لیے کہ اس کے پاس اس کی اصل اپنے سلسلۂ سند سے موجود ہوتی ہے، ازہری فرماتے ہیں۔

"ابو تراب نے ابو سعید ضریر (نابینا) سے برسوں استفادہ کیا، بہت سی کتابوں کا سماع کیا، پھر ہرات آکر شمر سے بعض کتابوں کا سماع کیا، اور یہ اس کے علاوہ تھا جو موصوف نے فصیح و بلیغ بدؤوں سے سنا اور یاد کیا تھا، اب وہ کسی ایسے آدمی کا ذکر کریں

---

۱ تہذیب اللغۃ لمحمد بن احمد الازہری تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرۃ، دار القومیۃ العربیۃ للطباعۃ سنۃ ۱۳۸۴ھ ج ۱، ص ۳۳ ۲ تہذیب اللغۃ للازہری، ص ۳۴۔

جسے انھوں نے دیکھا اور سنا نہیں تو ذرا نرمی سے کام لیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو کچھ انھوں نے کتابوں میں دیکھا اسے یاد کیا، اس اعتبار سے کہ انھیں ان کا مصنف سے سماع ثابت ہے تو ایسی صورت میں جس کو انھوں نے دیکھا، اس کا قول نقل کرنا تائید کے طور پر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے اس بات کو اس کے علاوہ دوسرے سے سنا ہے اور یہ محدثین کا ساعمل ہے کہ وہ جب کسی باب میں ایسی حدیث پائے جسے کسی معتبر راوی نے کسی ثقہ سے روایت کیا ہو تو اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس کا شمار ان روایات میں کرتے ہیں، جنھیں انھوں نے اجازۃً روایت کیا ہے۔[1]

مصنفین مقدمۂ کتاب میں اسی لئے اس امر کی صراحت کرتے تھے کہ جن کتابوں کے اقتباس ہم نے پیش کئے ہیں ان کا سماع بواسطہ اساتذۂ فن ہمیں مصنفین سے حاصل ہے۔[2] اسی بناء پر ہم نے جو اور کتابوں میں پڑھا ہے یا ان کتابوں میں جنھیں وراقوں نے نقل کیا ہے، دیکھا ہے، کتاب میں درج نہیں کیا ہے، ورنہ کتاب بڑی طویل ہو جاتی اور اسے سند کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔[3]

کتابوں میں اعراب کا اہتمام

عربی زبان میں زیر و زبر کے فرق سے الفاظ کے معانی بدل جاتے ہیں یہ بات عربی زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اردو میں بھی ہے، چنانچہ بُجری او بکری، ککڑی اور کُکڑی میں زیر و زبر اور زبر و پیش کے فرق سے معنی بدل گئے، رسالت مآبؐ کے اقوال سے شرعی احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، اس میں زیر و زبر کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری سمجھا گیا اور کتابوں میں اعراب کا اہتمام کیا جانے لگا تاکہ غیر متبحر کو پریشانی نہ ہو۔[4]

---

[1] تہذیب اللغۃ ازہری ص ۴۴ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۴۰ [4] الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع العیاض ابن موسیٰ تحقیق احمد صقر القاہرۃ، دار التراث ۱۳۸۹ھ ص ۱۵۰-۱۵۲، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ تالیف محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی تحقیق فرانز روزنتھال بغداد مطبعۃ العانی ۱۹۶۳ء ص ۱۰۱، مناہج العلماء فی البحث العلمی تالیف روزنتھال ترجمہ انیس فریحہ، بیروت، دار الثقافہ ۱۹۶۱ء ص ۴۲-۴۳۔

ان وجوہ سے محدثین نے مشکل حروف اور قابل اشتباہ کلمات کی صحت و ضبط پر زیادہ زور دیا، اور ہدایت کی کہ مشکل حرف کو کتاب کے حاشیہ پر حرف کے سامنے لکھے، یہ حرف نقطے والا ہو یا بے نقطے والا تاکہ قاری کو رہنمائی ہو سکے اور اشکال جاتا رہے، خاص طور پر جب کتاب باریک اور سطروں میں بھی گنجائش کم ہو تو اسے پورا لکھنے سے اشکال جاتا رہے گا، چنانچہ حا کے نیچے چھوٹی ح بناتے، عین کے نیچے چھوٹا ع اور صاد، طا، دال اور راء کے نیچے چھوٹی سی صاد وغیرہ بناتے تھے، یہی بعض اہل مشرق و مغرب کا دستور تھا، بعض علماء حروف مہملہ پر تبرہ (ہمزہ کا سا) نشان بناتے تھے، بعض علماء حروف مہملہ میں نقطوں کو بدلتے تھے، اور انھیں اہمال کی غرض سے نیچے لگاتے تھے۔ اہل مشرق کا دستور یہ ہے کہ وہ حروف مہملہ پر نصب نبرہ کے بقدر بہت ہی مختصر خط میں حروف کے اوپر لگاتے ہیں۔[1] بلکہ ابن درستویہ نے تصریح کی ہے کہ بعض کاتب غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے ہر مشتبہ حرف جیسے راء، سین، صاد اور عین کے نیچے بھی نقطہ لگاتے تھے، تاکہ راء، شین، صاد، ضاد اور غین جن کے اوپر نقطہ لگایا جاتا ہے، امتیاز رہے،[2] مذکورۂ بالا امور کی تصدیق کتاب "حذف من نسب قریش عن مورج السدوسی" سے جو مشہور نحوی و وراق، ابراہیم بن عبد اللہ نجیرمی المتوفی ۔۔۔ھ کے مکتوبہ نسخہ سے کی جا سکتی ہے، جس کی تفصیل صلاح الدین المنجد نے مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۵ پر پیش کی ہے۔[3]

کتاب کا مقابلہ

کتاب کو نقل کرنے کے بعد شیخ کے اصل شنیدہ نسخہ سے مقابلہ کرنا لازم ہے، یا پھر کسی ثقہ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے، بغیر مقابلہ و صحت نسخہ سے روایت کرنا درست نہیں ہے، عبارت میں اگر کہیں کوئی اشکال ہوتا ہے، تو مقابلہ و صحت سے وہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

---

[1] الالماع، ص ۱۵۰ [2] کتاب الکتاب لابن درستویہ، ص ۵۴ [3] کتاب حذف من نسب قریش لمورج بن عمرو السدوسی تحقیق صلاح الدین المنجد القاہرۃ، مکتبہ دار العروبۃ ۱۹۶۰ء ص ۱۵

اصل نسخہ سے مقابلہ اس لئے ضروری قرار دیا گیا کہ انسان کا ذہن ہر وقت حاضر نہیں رہتا ہے، قلب غافل ہو جاتا ہے، نظر پھر جاتی ہے، قلم بہک جاتا ہے، اس لئے بلا مقابلہ نسخہ قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا،[1] اور کتب خانوں میں ایسے نسخوں کی اہمیت زیادہ نہیں ہوتی،

تخریج اور الحاق نقص اگر کتاب نقل کرتے وقت کوئی حرف یا جملہ چھوٹ جائے تو بین السطور لکھا جائے، حاشیہ کتاب میں (لحق)، اضافہ کو بین السطرین سامنے لکھا جائے عبارت کا آغاز اوپر کی طرف سے ہو تاکہ وہ اضافہ اسی سطر تک یا دو تین سطروں تک ختم ہو جائے اور اس کے آخر میں صح کا لفظ یا بعض علماء کی طرح بعد التصحیح، رجع یا انتھی الحق لکھنا چاہیئے۔[2]

ہر وہ بات جو کتاب کے حواشی اور کناروں پر "تبنیہ" "تفسیر اور اختلاف ضبط کے عنوان سے لکھی جاتی ہے، اس پر تخریج نہ کی جائے کیونکہ اس سے التباس پیدا ہوتا ہے، یا اسے بھی اصل (متن) کتاب سے سمجھ لیا جاتا ہے، تخریج صرف اسی امر کی کرنا چاہیئے، جس کا اصل کتاب سے تعلق ہو، بسا اوقات اس تخریج کے ساتھ حرف پر مثلاً ضبہ یا تصحیح کا اضافہ کیا جاتا ہے، جو اس اضافہ مرقومہ کا غماز ہوتا ہے۔[3]

یہ وہ اصول ہیں جو خلیفہ مستنصر باللہ کے خزانۃ الکتب میں "بیت المقابلہ والنسخ" کے نگرانوں نے اس کے محل میں وضع کئے اور برتے تھے،[4] قاضی عیاض نے تصریح کی ہے کہ ہمارے شیوخِ ادب نے بتایا ہے، کہ حرف صح (صاد اور حا کے ساتھ) اگر لکھا جاتا ہے تو یہ صحت حرف کی علامت ہو، تاکہ کسی وہمی کو خلل و نقص کا گمان نہ ہو، یہ مختصر لفظ صحیح لکھنے کے برابر ہے اور اگر ص بغیر حا کے لکھی جاتی ہو تو حرف کے سقیم ہونے کی علامت ہے، اسی لئے اس پر پورا حرف نہیں لکھا جاتا، یہ اس کے نقص کا غماز ہے، اس حرف کو "ضبہ" کہتے ہیں، یعنی یہ حرف منقفل ہے، اس کے صحیح پڑھنے کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی ہے۔[5]

---

[1] الالماع ص ۱۵۰-۱۶۰، [2] ایضاً ص ۱۶۳، [3] ایضاً ص ۱۶۵، [4] ایضاً، [5] ایضاً ص ۱۶۹۔

ضرب (قلم زد کرنا)، حک (رگڑنا)، شق (چیرنا)، اور محو (مٹانا) نقل کتاب میں حرف، لفظ یا جملہ قلم سے زیادہ نکل گیا، جو اصل کتاب میں نہیں، اس کو قلم زد کرنے، مٹانے کے طریقے حسب ذیل تھے،

جن کلمات کو خط کھینچ کر قلم زد کیا جاتا تھا، اس کو ضرب و شق کہتے ہیں، علماء کلمات کو دو طریقوں سے قلم زد کرتے تھے، بعض علماء کا دستور یہ تھا کہ جن کلمات کو مٹانا ہوتا تھا، اس کے اوپر آغاز حرف سے اختتام تک خط کھینچ دیتے تھے، بعض علماء اس طرز عمل کو کتاب کا سیاہ کرنا سمجھتے تھے، وہ آغاز و اختتام عبارت پر نصف دائرہ بناتے تھے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ بین القوسین عبارت قلم زدہ ہے، بسا اوقات تحویق (مٹانے) کے لئے بطور علامت شروع میں حرف "لا" اور آخر میں لفظ "الی" لکھتے تھے، یہ اس وقت کیا جاتا، جب کچھ حصہ غلط ہوتا یا کوئی حدیث کا ٹکڑا یا کلام کا حصہ رہ جاتا۔ لیکن سارا کلام غلط نقل ہو جانے کی صورت میں تحویق نام یعنی پورا قلم زد کرنا بہتر سمجھا جاتا تھا، اچھے کاتب شیوخ ضرب و تحویق کو پسند کرتے تھے، وہ ایسی صورت میں دائرہ صغیرہ اول میں بڑھاتے اور اس کو وہ صفر سے تعبیر کرتے تھے، اس کے معنی ان کے نزدیک صفر کا عدد سے خالی ہوتا تھا، اور یہ اس امر کی علامت تھا کہ دو صفر کے مابین عبارت صحت سے خالی ہے،[1]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ نقل عبارت میں کمی و زیادتی واقع ہونے کی صورت میں کن اصول کو برتا جاتا تھا، یہ عہد عباسی کے وہ اساسی اصول ہیں جن میں کچھ آج بھی (Typing) میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں، نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداری اور انتخاب کتب میں ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھا جاتا تھا، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عہد عباسی میں صنعت تصحیح و مقابلہ ایک فن کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، کتب خانوں میں اس کا بہت اہتمام

---

[1] الالماع ص ۱۶۰-۱۶۱، المحدث الفاصل للرامہرمزی ص ۶۰۶-۶۰۷، مناہج العلماء فی البحث العلمی لروزنتھال ص ۴۴-۴۵

کیا جاتا تھا، اور خریداری میں ان اصول کو ملحوظ رکھا جاتا تھا، ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بجا ہے کہ ارباب فن کی خدمات حاصل کرنے کے لئے جو کو الف آج پبلک لائبریری میں جمع کئے جاتے ہیں اس کی ابتدا مسلمانوں نے کی تھی، انھوں نے اپنے کتب خانوں میں اس کا ایک مستقل شعبہ لائبریری میں قائم کیا، اور جس طرح وہ فنی معلومات بہم پہنچاتے تھے، تصیح کا کام بھی کرتے تھے۔

عہد عباسی میں کتابوں کی صحت حسب ذیل ذرائع سے کی جاتی تھی۔

۱۔ اساتذہ کراتے تھے۔

۲۔ نامور علماء سے تصحیح کا کام لیا جاتا تھا۔

۳۔ کتب خانوں میں مقابلہ و تصحیح کے لیے مستقل عملہ رکھا جاتا تھا جس میں نامور اہل علم کتابوں کی تصحیح و مقابلہ کرتے تھے۔

قواعد صحت و احتیاطی پہلو | مشہور لغوی ابو محمد قاسم زبیری بچپن ہی سے کتابوں کی خواندگی و تصحیح میں لگ گئے، اور چالیس[۴۰] برس کتابوں کی صحت کراتے رہے تھے[۱] بعض نابینا علماء بعض کتابوں کی صحت میں استناد کا درجہ رکھتے تھے، ان سے کتابوں کی تصحیح کی جاتی تھی، چنانچہ مشہور لغوی ابو القاسم شاطبی المتوفی سنہ ۵۹۰ھ سے بخاری، مسلم اور موطا پڑھی جاتی تو ان کی یادداشت سے نسخوں کی صحت کی جاتی تھی، اور مشکل مقامات پر حل طلب امور اور نکتے بھی لکھے جاتے تھے۔[۲]

عالم و شاعر بقدر استطاعت متعدد نسخوں سے تحقیق، مقابلہ و تصحیح کرتا اور ربسا اوقات اسے بہت سے نسخے میسر آجاتے تھے، جیسا کہ اخبار ابی تمام میں صولی کے بیان سے عیاں ہے،[۳] امام حسن صغانی لاہوری نے صحیح البخاری کا صحیح نسخہ مرتب کرنے کے لئے اور نسخوں کے علاوہ

---

۱ معجم الادبا ریاقوت ج ۶ ص ۱۸۰ ۲ الانباہ الرواۃ للقفطی ج ۴ ص ۱۵۵ ۳ اخبار ابی تمام للصولی تحقیق خلیل محمود عساکر، محمد عبدہ عزام، نظیر الاسلام الہندی، بیروت، المکتب التجاری، ب، ت، ص ۶۰،

امام بخاری کے شاگرد فربری کا نسخہ بھی پیش نظر رکھا تھا۔[۱] بادشاہوں وزیروں (امیروں) کے کتب خانوں میں ایک شعبہ تصحیح کا ہوتا تھا، اور یہ کام اہل فن سے لیا جاتا تھا، ابو العلاء حسین بن محمد بن مہرویہ نے کتاب اجناس الجواہر میں لکھا ہے کہ میں ابو علی فارسی نحوی کے پاس تبدا جاتا تھا بادشاہ نے ہفتہ میں دو دن انھیں کافی الکفاۃ کے کتب خانہ میں کتاب التذکرہ کی تصحیح کے لئے مامور کیا تھا،[۲] اور حکم ثانی کے کتب خانہ میں تصحیح کرنے والے کتابوں کا مقابلہ و تصحیح قصر شاہی کے کتب خانہ قرطبہ میں کرتے تھے۔[۳]

مصنف اپنی کتاب محنت سے تیار کرتا، عرصہ دراز تک اس کی خامیاں دور کرتا، اس میں اضافہ و تصحیح کرتا تھا۔[۴] چنانچہ ابوبکر محمد بن عزیز سجستانی نے کتاب نزہتہ القلوب فی تفسیر غریب القرآن پندرہ[۱۵] برس میں لکھی تھی،[۵] اور ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے غریب الحدیث چالیس[۴۰] برس میں لکھی تھی،[۶] انہی وجوہ سے تذکرہ نگار صحیح ترین کتابیں رکھنے والوں کی نشاندہی کرتے تھے جس سے مقصد کتابوں کی قدر و قیمت بتانا اور انتخاب میں ان نسخوں کو ترجیح دینا تھا، چنانچہ ابو الحسن علی ابن المغیرہ الاثرم، المتوفی ۲۳۲ھ کے متعلق تصریح کی ہے، کہ ان کے پاس تصحیح شدہ کتابیں تھیں۔[۷] ابو الحسن علی حلبی المتوفی بعد ۶۰۰ھ نحو و لغت کا عالم اچھا ناقل، تصحیح کتب کا دلدادہ تھا۔[۸] اس نے اپنی کتاب میں وہی لکھا، جسے اس کے دل و دماغ نے محفوظ رکھا تھا۔[۹]

---

۱ فتح الباری، ج ۱ ص ۸، ۲ مناہج العلماء فی البحث العلمی ص ۳، ۳ معجم الادباء ج ۳ ص ۱۴ ۴ انباہ الرواۃ للقفطی ج ۳ ص ۲۴۳، ۵ فہرست ما رواہ من شیوخہ من الدواوین المصنفۃ فی ضروب العلم وانواع المعارف لمحمد ابن خیر الاشبیلی ط القاہرۃ، موسستہ الخانجی ۱۳۸۲ھ ص ۴۳ ۶ الاتقان للسیوطی ط ۳ (۱۹۵۱ء) ج ۱ ص ۱۱۳ ۷ النہایہ فی غریب الحدیث والاثر لابن الاثیر تحقیق طاہر احمد الزاوی، محمود محمد الطناحی ط ۱ القاہرہ دار الفکر ۱۳۸۳ھ ج ۱ ص ۶ و ۸ معجم الادبار ج ۵ ص ۲۱۴ ۹ ایضاً ص ۲۰۴ ۱۰ ایضاً ص ۲۲۰-۲۲۱

صحت کے اصول وضوابط | نسخ سے کتاب کی تصحیح ومقابلہ جہاں تک ہوجاتا تھا وہاں "بلغ" یا بلغ العرض وغیرہ کے ہم معنی الفاظ لکھے جاتے تھے۔[1]

تصحیح میں احتیاط واصطلاحات | محدثین دو حدیثوں میں فصل کی خاطر دائرہ بناتے تھے مسلسل نہیں لکھتے تھے، جو الفاظ، حدیث کی کتابوں میں بکثرت استعمال کئے جاتے تھے ان کی درج ذیل مختصر علامتیں مقرر کی گئی تھیں اور یہ طریقہ ان میں شائع ذائع تھا۔

حدثنا کی جگہ ثنا نا	فحینئذ ـ فح
اخبرنا ـ انا، ابنا	الی آخرہ ـ الخ
قال ـ ق	والمصنف ـ المص
قال حدثنا ـ قثنا	التحویل ـ ح
المطلوب ـ مط	البخاری ـ خ
محال ـ مح	مسلم ـ م[2]
باطل ـ بط	وحینئذ ـ وح

اس طرح حوالوں میں کتب حدیث کے ناموں کے لئے مختصر علامتیں استعمال کی جاتی تھیں،[3]

کتابت وکتاب کی آرائش وزیبائش کی خاطر گل کاری کی جاتی پھول پتی اور بیل بوٹوں میں مفرد ومرکب دونوں قسم کے رنگ بھرے جاتے تھے، چنانچہ زرد، سرخ، گلابی، نیلا، زنگاری، عودی، سبز، گلگون، نارنجی،[4] یہ رنگ عہد عباسی میں خوشنویس برابر استعمال کرتے رہے تھے،[5]

---

[1] مناہج العلماء فی البحث العلمی، ص ۶۴ - [2] ایضاً۔ ص ۶۴ [3] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن الاثیر مصر المطبعۃ الوہبیہ، ۱۲۸۰ھ [4] ص ۵ [5] رسالہ خط رضی الدین محمد قزوینی "ہنر ومردم" شمارہ ۸۵ (آبان ۱۳۴۸ ش) ص ۵۱ [6] اور نگ چین دیبی پرشاد بدایونی، کانپور، مطبعہ نظامی ۱۲۹۲ھ ص ۱۰، ۳۱

عہد عباسی میں رنگوں کے ذریعہ کتابوں کو ممتاز کیا جاتا اور ترتیب سے رکھا جاتا تھا، چنانچہ ابو بکر صولی المتوفی ۳۳۶ھ نے اپنے کتب خانے میں کتابوں کو رنگوں سے ممتاز کرکے رکھا تھا۔[1]

اسلامی قلمرو کے دیار مشرق ومغرب میں تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی سے کتب خانوں کی رنگوں سے زینت بڑھائی جاتی تھی، کمرہ کی چھت، الماری، غالیچے، پردے اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کا خیال رکھا جاتا تھا، چنانچہ قاضی ابن فطیس قرطبی (۳۴۸ - ۴۰۲ھ) نے اپنے کتب خانے کے کمروں کی چھتوں، دیواروں، دروازوں، غالیچوں، پردوں، الماریوں اور جلدوں میں رنگوں کی مناسبت کو ملحوظ رکھا، اور امتیاز قائم کیا تھا۔[2]

مصاحف کی نقل اور علمی کتابوں کی کتابت واشاعت کا اہم ذریعہ وراقت کا پیشہ تھا، علماء نے اس کو بہتر پیشہ قرار دیا، اور وراق کو اس نعمت کی قدر بھی بتائی تھی کہ وہ طلبہ اور اہل علم کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور جن کے متعلق گمان غالب ہو کہ وہ کاغذ علمی کتابیں لکھنے کے لیے خریدتے ہیں، انھیں ترجیح دیں، اصحاب ہوی اور خرافات لکھنے والوں کو کاغذ فروخت کرنے سے باز رہیں۔[3]

کاتبوں کا ضابطہ اخلاق | آج دنیا میں کسی ملک وقوم کے پاس کوئی ایسا قانون نہیں جو کاتبوں کو کتابت سے روک سکے اور انھیں حسن معاملہ کا پابند بنا سکے لیکن اسلام نے کتابت کو معاملات میں داخل کیا تاجر ومستاجر پر پابندیاں عائد کیں تاکہ معاشی دوڑ میں معاشرہ میں فساد راہ نہ پاسکے۔ وہ پابندیاں حسب ذیل تھیں۔

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۳ ص ۴۳۱ [2] تاریخ قضاۃ الاندلس لابی الحسن بن عبد اللہ ۔۔۔ المالقی القاہرہ دار الکاتب المصری، ۱۹۴۸ء ص ۸۰ [3] معید النعم ومبید النقم للسبکی تحقیق محمد علی النجار، القاہرۃ، دار الکتاب العربی ۱۹۴۸ء ص ۱۳۲۔

۱۔ کاتب وناقل پر لازم ہے کہ گمراہ کن اور غیر مفید کتابیں لکھنے سے باز رہے، اس میں اوقات عزیز برباد ہوتے ہیں، دین کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اسی طرح فحش لٹریچر، بدمستی و بدکاری کے موضوع پر کتابیں لکھنے سے گریز کرے، یہ عزت وآبرو کو پامال کرنے کا سبب ہوتی ہیں، نقل نویسوں کو ان باتوں سے بچنے کی ہدایت اس لئے کی جاتی ہے کہ دنیا دھوکہ دیتی ہے اور اکثر اوقات اس قسم کی کتابیں نقل کرنے والوں کو علمی کتابوں کے ناقلوں سے زیادہ اجرت پیش کی جاتی ہے، لہذا نقل نویسوں کو دنیا کے عوض دین فروخت نہیں کرنا چاہئے۔

نقل نویس خدا کا خوف نہیں کرتے، جلدی جلدی لکھتے ہیں کتاب جلد پوری کرنے کی خاطر نقل کرتے وقت بہت سی عبارتیں چھوڑ جاتے ہیں، حالانکہ معاملہ پوری کتاب کے نقل کا ہوتا ہے، ایسے نقل نویس علم کو برباد کرتے، اور خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، کلام کو بے ربط بنانے کا جرم کرتے ہیں، مصنف کی تصنیف میں قطع و برید کا ارتکاب کرتے اور کام میں چوری کرتے ہیں۔

فقہاء میں، امام نووی نے تصریح کی ہے کہ کسی نے اجرت پر لکھوایا، پھر کاتب نے غلط لکھا یا عربی زبان میں لکھوایا، اور اس نے کسی عجمی زبان میں لکھا یا اس کے برعکس کیا تو اس پر کاغذ کی قیمت کا تاوان آجائے گا، اور وہ کسی قسم کی اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، قریب قریب ایسی ہی بات امام غزالی نے فتاوی میں کہی ہے۔

علی بن عبد الکافی سبکی سے کسی نے فتوی لیا کہ کسی نے نقل نویس سے کتاب نقل کرنے کی بات طے کی، نقل نویس نے ایک سال تک نہیں لکھا، اور اس مدت میں اس کا خط بڑھیا ہو گیا تو کیا اسے خط کے بڑھیا ہوجانے کی وجہ سے زیادہ قیمت طلب کرنے یا معاملہ فسخ کرنیکا حق ہے، موصوف نے فتوی دیا کہ دونوں باتوں کا اسے اختیار نہیں، سابقہ اجرت ہی پر لکھنا لازم ہے، جو نقل نویس سے اجرت پر لکھوائے، اس پر لازم ہے کہ وہ اوراق اور ہر صفحہ کی سطروں کا بھی تعین کرے۔

اگر سیاہی متعین نہ کی ہو تو عادۃً جس سیاہی سے لکھا جاتا ہے، اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اختلاف کی صورت میں وضاحت ضروری ہوگی، ورنہ معاملہ کالعدم قرار دیا جائے گا۔[1]

کاتب وناقل کی شرطیں | جو شخص علوم فقہ، لغت، عربیت واصول وغیرہ کی کتابیں نقل کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس نے ان فنون کو پڑھکر ان میں بصیرت پیدا کی ہو تاکہ وہ غلط، تحریف وتبدیل سے، الفاظ کو غلط پڑھنے، غلط لکھنے سے بچے، ایک باب کے دوسرے باب سے، سوال کے جواب سے فصل کے دوسری فصل سے، اصل کے فرع سے اور فرع کے اصل سے امتیاز کو تنبیہ کو فائدہ سے، سوال سائل کو اور معترض کے اعتراض کو خوب پہچانتا ہو، مقصد اور آخر کلام تک بات کو سمجھتا ہو، نقل کرتے وقت وہ ایک کلام کو دوسرے کلام سے مختصر فاصلہ پر جدا کر سکے اور دوسرے کے قول کو ایسے اشارہ سے نمایاں کر سکے جو اس کے امتیاز کی طرف رہنمائی کر سکے ورنہ وہ ناقل وناسخ حاطب لیل ہے، جسے نہیں معلوم کہ کس وقت صبح نمودار ہوگی وہ ایسے سیلاب میں بہ رہا ہے جسے صبح وشام کی خبر نہیں۔

جو تاریخ کی کتابیں لکھنا اور نقل کرنا چاہتا ہے، اسے بادشاہوں کے نام، ان کے القاب، ان کے اوصاف اور کنیتوں کو جاننا چاہئے، خاص طور پر عجم، ترک وخوارزم کے بادشاہوں کے اس لئے کہ ان کے نام عربی نہیں ہیں، انھیں نقل کے ذریعہ جانا جاتا ہے، اس بنا پر چند رہنما اصول اور اشاروں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ملک، شہر، دیہات، قلعے، نواح شہر، قصبے اور اقلیم کے ناموں کو جاننا اور ان اسمار کو جاننا جن میں خطی مشابہت اور تلفظ مختلف ہے، یا خطی ولفظی مشابہت ہے اور ان کی نسبت میں اختلاف پایا جاتا ہے وتصحیف ناگزیر ہے، اگر ان میں امتیاز ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، تو سامع کو الجھن ہوگی، اور واقعات سے

---

[1] معید النعم، ص ۱۳۱-۱۳۲۔

اچھی طرح واقف نہیں ہو سکے گا، ناسخ وکاتب پر لازم ہے کہ وہ ان باتوں کو واضح کرکے لکھے۔

ناقص اشعار پر اوزان اور عربیت سے واقفیت بھی لازم ہے۔[1]

انہی وجوہ سے عہد عباسی کی نوشتہ کتابوں میں غلطیاں کم پائی جاتی ہیں اور اس دور کا

ثقافتی ورثہ عام طور پر غلطیوں سے محفوظ رہا ہے، جن اقوام نے اپنے علمی ورثہ میں صحت کا اہتمام

نہیں کیا، ان کا تحریری سرمایہ اغلاط سے پر رہا، چنانچہ پندرھویں صدی عیسوی کے وسط تک

یورپ کو جو مسودات مہیا تھے، وہ اغلاط سے پر تھے۔[2]

یہ وہ رہنما اصول ہیں جن سے آج بھی قلمی کتابوں کے نقل میں مفر نہیں۔

---

[1] نہایۃ الارب فی فنون الادب شہاب الدین احمد بن عبد الوہاب النویری، القاہرۃ، مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۳۵۱ھ ج ۹ ص ۲۱۴-۲۱۸ [2]

The Encyclopaedia America ma

- 198- edn. Vol. 2 Esqe

بزم تیموریہ جلد اول

اس جلد میں شہنشاہ اکبر کے علمی ذوق اور علمی قدردانی کے سلسلہ میں اوسکے دربار کے گل سرسبد عبدالرحیم

خانخاناں کی علم پروری، علم دوستی سخن سنجی اور اوس کے علمی ذوق کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے، وہ جس طرح

شعراء کی تربیت کرتا تھا جسطرح فیاضی کا مینہ اون پر برساتا تھا جس طرح ان کی قدردانی اور حوصلہ

افزائی کرتا تھا، اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسی کے ضمن میں خود اوس کے دربار

کے منسلک شعراء عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری نیشاپوری، محتشم کاشی، رسمی

نوعی شیرازی وغیرہ جیسے اساتذہ سخن کے مختصر حالات کے ساتھ اون کے ہر طرح کے کلام کا بہترین انتخاب

بھی دیا ہے اس حصے بابر اور ہمایوں کے علمی ذوق کے سلسلہ میں اون کے دربار کے ادبا، فضلاء اور شعراء کا ذکر

اور ان کے کلام کا انتخاب ہے، قیمت ۱-۳۶ روپیہ

مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن

وراقت: کتاب

منزل بہ منزل

(ماہنامہ معارف، دسمبر 1982ء)

وراقت: کتاب منزل بمنزل

از
مولانا محمد عبدالحلیم چشتی، کانو، نائجیریا،

عہد عباسی میں علوم و فنون کی تدوین اور کتابی صورت میں ان کی اشاعت ایسی تیزی سے کی گئی تھی کہ نقل و اشاعت کے لیے ایک نئی صنعت اور نیا علم وراقت وجود میں آیا تھا، صنعت وراقت، کاغذ سازی، جلد سازی، سامان کتابت (تصحیح و ضبط اعراب) سے عبارت تھی[1]، جیسا کہ سابق میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، صنعت وراقت کا تعلق انسان کے علوم و افکار سے ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے[2]، علوم و معارف اور اعلیٰ صنعتیں جو انسان کی فکری کاوشوں کے نتائج ہیں کمال تمدن کی ضامن اور آرائش و زینت کا موجب ہیں[3]۔

کتابت، طباعت اور موسیقی وہ صنعت ہیں جو بادشاہوں (وزیروں اور امیروں) سے ربط و ضبط اور رسائی کا ذریعہ رہی ہیں، اس لیے ان صنعتوں کو دوسری صنعتوں کے مقابلہ میں اہمیت اور برتری حاصل ہے[4]، عہد عباسی اور اس کے بعد مسلم حکمرانوں کے دور عروج میں وراقت و کتابت کی صنعت کو بہت فروغ حاصل تھا، مورخ ابن خلدون کہتا ہے:

[1] ابن خلدون، المقدمہ ص ۵۵ ۷، القلقشندی، صبح الاعشیٰ ج ۲، ص ۴۷۰، ۴۸۲، السمعانی، کتاب الانساب ورق ۵۷۹،

[2] ابن خلدون، ص ۱۳ ۷، [3] ۱۵ ۷، [4] ایضاً ص ۲۲۷-۲۳، [5] ایضاً۔

"صنعت وراقت ملت اسلامیہ میں عراق سے اندلس تک ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح تھی، متمدن آبادی اور اطراف مملکت میں اس کی گرم بازاری تھی، کثرت سے علمی کتابیں لکھی جاتی اور اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں ان کی نقلیں لی جاتی، جلدیں بندھوائی جاتی تھیں، کاتب، وراق، نقل، تصحیح، جلد سازی اور دوسرے کاموں میں بہت مشقت اٹھاتے تھے، یہ صنعت بڑے بڑے آباد شہروں میں خصوصیت سے بہت ترقی پر تھی[1]"۔

اس صنعت کے مرکز توجہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بنی نوع انسان کے علم و دانش میں اضافہ اور حیثیت کو مستحکم کرنے کا موثر ذریعہ رہی ہے، ابن خلدون کہتا ہے:

"صنعت کتابت چونکہ متعدد علوم پر مشتمل ہے، اس لیے یہ دوسری صنعتوں کے مقابلہ میں زیادہ عقل سکھاتی ہے، کتابت میں خطی حروف سے الفاظ کی طرف اور الفاظ سے معانی کی طرف، پھر ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف ذہن کی رسائی ہوتی ہے، اس سے نفس انسانی میں دلائل سے مدلولات کی طرف منتقل ہونے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، یہ ملکہ نظر عقلی سے عبارت ہے، نامعلوم علوم کو حاصل کرنے اور انھیں بار بار بھجنے سے عقل و دانش میں اضافہ ہوتا اور معاملہ فہمی میں بصیرت پیدا ہوتی ہے[2]"۔

عہد عباسی میں صنعت وراقت نظری و عملی ہر دو پہلوؤں سے اہل علم کی مرکز توجہ بنی ہوتی تھی، چنانچہ مشہور فلسفی ابوزید، احمد بن سہل بلخی (۲۳۵-۳۲۲ھ = ۸۴۹-۹۳۴ء) نے فضل صناعۃ الکتابۃ ہو وراقت کی فضیلت میں ایک رسالہ لکھا تھا[3]، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بلخ اور دوسرے اسلامی شہروں میں صنعت وراقت ایک معزز پیشہ سمجھی جاتی تھی، نیز ابوحیان توحیدی المتوفی سنہ ۴۰۰ھ نے وراقت کے موضوع پر ایک رسالہ ترتیب دیا تھا جس میں کتابوں کے نقل کرنے کے اصول اور وراقوں کی تصحیف سے بچنے کے قواعد بیان

[1] ابن خلدون ص ۵۵، [2] ایضاً ص ۲۷۶، اویس وفا ابن محمد الارزنجانی، منہاج الیقین شرح ادب الدنیا والدین، آستانہ محمود بک مطبعہ سی سنہ ۱۳۲۸ھ، ص ۳۷۰، [3] معجم الادباء ط ۲ القاہرۃ، مطبعۃ ہندیہ ج ۱، ص ۱۴۳۔

کیے تھے[1]

سوق الوراقین ان وجوہ سے عہدِ عباسی میں صنعت وراقت اور دوسرے اہم مسائل جن کا تعلق اس صنعت اور سوق الوراقین سے ہے اسلامی قلمرو میں ان سے خصوصی اعتناء کیا جاتا تھا، سوق الکتب میں جانے کی ترغیب دی جاتی تھی، مہلب المتوفی ۸۳ھ اپنے فرزندوں سے کہتا تھا تم بازاروں میں صرف سوق حرب (جہاں سامان حرب وضرب بکتا ہے) اور سوق الوراقین میں بیٹھا کرو[2] اور عربی شاعر کہتا ہے:

مجالسة السوق مذمومة	ومنها مجالس قد تختشب
(بازاروں میں اٹھنا بیٹھنا اچھا کام نہیں ہے	لیکن بازاروں کی بعض بیٹھکیں لائق عزت ہیں)
فلما تقربن غير سوق الجياد	وسوق السلاح وسوق الكتب

(لہٰذا تم گھوڑوں، ہتھیاروں اور کتابوں کے بازار کے علاوہ کسی بازار میں نہ پھٹکنا)

فهاتيك آلة اهل الوغى	وهاتيك آلة اهل الادب

(کیونکہ گھوڑوں اور ہتھیاروں کا بازار مردانِ کارزار کے سامان کا بازار ہے، اور کتابوں کا بازار اہل ادب کے سامان کا بازار ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ آباد اور پررونق گھوڑوں، ہتھیاروں اور کتابوں کے بازار تھے، نیز عربوں کو اپنے تہذیبی وثقافتی مرکز و سرمایہ سے کیسی دلچسپی و رغبت تھی، اس سے ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرے میں سیف وقلم کے بازار ہی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، اور ان ہی کی طرف لوگوں کو جانے کی ترغیب دی جاتی تھی، یہ ترغیب کتب اور کتب خانوں کی نشر و اشاعت، تشہیر اور علمی افادہ و استفادہ کا باعث تھی،[3]

---

[1] معجم الادباء ط ۲، القاہرۃ، مطبعۃ ہندیہ ج ۵، ص ۱۳ [2] کتاب العقد الفرید لابن عبد ربہ القاہرۃ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ۱۳۵۹ھ ج ۲ ص ۲۱۰ [3] الخطط المقریزیۃ القاہرۃ، دار الطباعۃ المصریۃ بولاق ۱۲۷۰ھ ج ۲، ص ۱۰۲

سوق الوراقین کی کثرت عہدِ عباسی میں اسلامی قلمرو کے ہر شہر میں سوق الوراقین پایا جاتا تھا، لیکن مرکزی شہروں کے سوق الکتب کو شہرت حاصل ہوتی تھی، ان میں مندرجۂ ذیل شہروں کے سوق الکتب کو تاریخ میں زیادہ شہرت حاصل رہی ہے، کوفہ[1]، بصرہ[2]، بغداد[3]، واسط[4]، دمشق[5]، قاہرہ[6] (قاہرہ کے محلہ فسطاط میں جامع عمرو بن العاص کے مشرقی گوشہ کی طرف بہت بڑا سوق الوراقین تھا[7])، بخارا[8]، مصر۔

سوق الوراقین کی علمی وثقافتی حیثیت یہ سوق الکتب مقامی ارباب کمال کی نظر میں ہوتے تھے، چنانچہ ابوبکر احمد بردیجی المتوفی ۳۰۱ھ جن کی حفظ حدیث میں شہرت تھی، جب کوفہ میں وارد ہوئے اور ابن عقدہ سے جنھیں اپنے حفظ پر ناز تھا، ملاقات ہوئی تو باتوں ہی باتوں میں ابن عقدہ نے ان سے کہا، حدیث کی زیادہ باتیں نہ کیجیے، کسی وراق کی دوکان پر چلیے، تبان (پیمانۂ غلہ) بھیجیے اور کتابیں جتنی چاہیں تلوائیے، پھر ہم بحث کریں گے، تو ان کے ہوش اڑ گئے تھے[9]۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس دور میں سب سے بڑا عالم وہ سمجھا جاتا تھا جس کی نظر میں اپنے فن سے متعلق سوق الوراقین کی جملہ کتابیں ہوتی تھیں، سوق الکتب میں بعض اہل علم وراق کی علمی شہرت ایسی تھی کہ ان کے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵، ص ۱۶، الانساب للسمعانی، ورق ۳۹۴ [2] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۰۲، انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ للقفطی، القاہرۃ، دار الکتب المصریہ ۱۳۶۹ھ ج ۲، ص ۱۷۳ [3] البلدان للیعقوبی ط: ۲، النجف المطبعۃ الحیدریہ، ۱۳۷۷ھ ص ۱۳، مناقب بغداد لابن الجوزی، ص ۲۶ [4] الجواہر المضیۃ للقرشی ج ۲، ص ۱۵۵، مصطفی جواد، معجم مواضع واسط، مجلۃ المجمع العلمی العراقی، المجلد الثامن (۱۹۶۱ء) ص ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۱، [5] وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۰، احسن التقاسیم للمقدسی ص ۱۸۰، مدینۃ دمشق عند الجغرافیین والرحالین المسلمین للمنجد، بیروت، دار الکتاب العربی ۱۹۶۷ء، ص ۷، [6] الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲ [7] عبد الرحمٰن زکی، نہضۃ العلوم فی قاہرۃ الفاطمیین، المجلۃ مجلس الثقافۃ الرفیعۃ، القاہرۃ، شمارہ ۱۴۸، اپریل ۱۹۶۹ء ص ۱۷ [8] تتمہ صوان الحکمۃ للبیہقی ص ۴۲، [9] تاریخ بغداد للخطیب ج ۵ ص ۱۶، السمعانی ورق ۳۹۴، ابن الجوزی ج ۶، ص ۲۳۷۔

تجارتی اوقات میں بھی دوکان پر آکر لوگ ان سے کتابوں کی سند لیتے تھے،[1] شعراء کا کلام نقل کیا جاتا تھا،[2] بعض دوکانوں میں علمی مباحثے ہوتے تھے،[3] اہل علم، وراق کے ذریعہ معلومات فراہم کرتے تھے، چنانچہ ابو العلاء المعری کا بیان ہے "میں مدینۃ السلام بغداد میں تھا، وہاں ایک وراق کو دیکھا کہ وہ عدی بن زید کے اشعار جن کا مطلع تھا:

یکن العاذلات فی غلس الصبح یعاتبنه اما تستفیق
ودعا بالصبوح فجراً فجاءت قینة فی یمینها ابریق

کے قافیہ کے متعلق پوچھتا تھا، وراق کا زعم تھا کہ ابن حاجب النعمان نے اس قصیدہ کے متعلق دریافت کیا تھا، دیوان عدی کے نسخے بھی طلب کیے تھے، لیکن وہ نہیں ملے، پھر میں نے استراباذی کو سنا کہ وہ یہ قافیہ دیوان العبادی میں پڑھتا تھا، لیکن دار العلم بغداد کے نسخہ "دیوان العبادی" میں یہ قافیہ موجود نہیں تھا،[4] علماء وادباء کی مجلسیں جمتی تھیں، ناقدانِ فن کے جوہر کھلتے تھے، چنانچہ ابو نصر زجاج کا بیان ہے کہ میں سوق الوراقین میں ابو الفرج صاحب الاغانی کے ساتھ ایک دکان پر بیٹھا ہوا تھا اور قریب ہی وراق ابو الفتح بن الحمرادی کی دکان پر ابو الحسن علی بقال شاعر سے ابراہیم صولی کے شعر سنا رہا تھا، جب وہ مندرجہ ذیل شعر پر پہونچا:

رأی خلتی من حیث یخفی مکانها وکانت قذی عینیه حتی تجلت

(اس نے میری حاجت کو پوشیدہ جگہ دیکھا، وہ اس کی آنکھ میں تنکا تھی کہ فوراً نکل گئی)

تو اس نے اس کی بہت داد دی، ابو الفرج اس منظر کو دیکھ رہا تھا، اس نے مجھ سے کہا جاؤ، اس سے پوچھو کہ اس شعر میں خوبی کیا ہے؟ میں نے جاکر پوچھا تو اس نے کہا: شاعر کا قول "وکانت قذی عینیه" ہے، ابو الفرج نے کہا جاؤ، کہو کہ شعر کی خوبی کے ادراک میں تم سے غلطی ہوئی ہے، اصل خوبی "من حیث یخفی مکانها" میں مضمر ہے، اس طرح بحث چھڑ جاتی تھی،[5] ابو حیان توحیدی (... سنہ ۴۰۰ھ ...

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۰۱، انباہ الرواۃ للقفطی ج ۲، ص ۳۰۰ - ۳۰۱ [2] الوافی بالوفیات للصفدی ج ۲ ص ۱۱۹ [3] ابن خلکان ج ۲، ص ۲۱۰ [4] رسالۃ الغفران للمعری ط: ۵ القاہرۃ، دار المعارف، ص ۱۴۶، ۱۴۷ [5] معجم الادباء یاقوت ج ۵، ص ۱۵۰، ۱۵۱، یاقوت نے محاکمہ کیا کہ دونوں کا قول درست ہے، لیکن ابو الفرج کا قول زیادہ بہتر ہے۔

(۱۰۱۰ء) سوق الوراقین میں اسی نوع کے مناظروں سے لطف اندوز ہوتے تھے، چنانچہ موصوف نے کتاب الامتاع والمؤانسۃ میں ایسے مناظروں کا تذکرہ کیا ہے،[1] قفطی نے لکھا ہے کہ بغداد میں ابن وداع ازدی المتوفی فی حدود ۲۳۰ھ کی دکان ایسی تھی کہ اس میں عامۃ اہل ادب آکر بیٹھتے، مذاکرہ و مباحثہ کرتے،[2] ان میں ایسی باتیں حاصل ہوتی تھیں جو دوسری ادبی مجالس میں حاصل نہیں ہوتی تھیں،[3] "ربا" میں جو موصل و شام کے مابین ایک شہر ہے اسعد وراق کی ایسی ہی ایک دکان تھی،[4] بعض نابینا اہل علم بھی بلا ناغہ روزانہ یہاں آتے تھے، چنانچہ ابو الغنائم حبشی بن محمد واسطی ضریر المتوفی ۵۶۵ھ بیس برس تک بغداد کے سوق الوراقین میں برابر آتے رہے تھے،[5] ان ہی خوبیوں کی وجہ سے مورخین نے سوق الوراقین کو مجالس علماء و شعراء کا مرکز[6] اور اہل علم کا مستقر[7] قرار دیا ہے۔

سوق الوراقین میں ارباب فن تقویم کا عمل کرتے، اہل کمال کے جوہر کھلتے، باہم محبت بڑھتی تھی، چنانچہ ماہر نجوم و تقویم ابو القاسم رضی مصاحب سیف الدولۃ حمدانی کا بیان ہے:

"میں عضد الدولۃ کے زمانہ میں بغداد آیا، علم نجوم کو خیرباد کہہ کر تجارت کرنے لگا، ایک دن سوق الوراقین سے گذر رہا تھا کہ ابو القاسم تصری المتوفی ۴۱۳ھ کو تقویم بناتے دیکھا تو کھڑے ہوکر اس کے عمل کو دیکھنے لگا، تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھاکر دیکھا اور کہا: کیا دیکھتے ہو آگے بڑھو، یہ تمہارے سمجھنے کی چیز نہیں، مگر میں دیکھتا رہا، جب وہ فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا: آپ نے دوہرا عمل کیا، دوہری ضربیں لگائیں، اگر اس طرح سے کیا ہوتا تو یہ زحمت نہ کرنی پڑتی، اور چلتا ہوا، تصری میرے پیچھے دوڑا، آکر مجھ سے چمٹ گیا، سر کو چوما، معافی مانگی، نام پتہ پوچھا، شہرت کی بنا پر فوراً پہچان گیا اور مکان پر آکر مشکلات حل کرنے لگا"[8]

وراق اہل علم کی قدر کرتے، اگر ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو کتاب نذر کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے،

[1] کتاب الامتاع والمؤانسۃ تحقیق احمد امین واحمد الزین بیروت: دار مکتبۃ الحیاۃ ب، ت، ج ۲ ص ۱۱ و ۳۶ [2] انباہ الرواۃ للقفطی ج ۲، ص ۱۴۴ [3] معجم الادباء ج ۳ ص ۲۳ [4] ایضاً ص ۲ [5] نکت الہمیان للصفدی ص ۱۳۴ [6] مناقب بغداد لابن الجوزی، ص ۲۶ [7] الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲ [8] انباہ الرواۃ للقفطی ص ۲۹، ۳۰۔

عرب کا مشہور شاعر متنبی سوق الوراقین میں زیادہ بیٹھا اٹھتا تھا، اور اس کا علم ان ہی کتابوں کا رہین منت تھا[1]، اس نے کسی وراق کے پاس اصمعی کی تیس ورق پر مشتمل کتاب دیکھی، لے کر پڑھنے لگا، جب دیر لگی تو وراق بولا: آپ کا مقصد اسے یاد کرنا ہے، یہ کام ایک مہینہ کے بعد کیجیے گا، متنبی نے کہا یہ یاد ہوگئی، کہنے لگا: پھر کتاب تمھاری ہے، وراق نے متنبی سے کتاب لی، اس نے پوری زبانی سنادی، وراق نے کتاب متنبی کو دے دی، وہ آستین میں رکھ کر لے گیا[2]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم مسائل کی کمی کی وجہ سے سوق الوراقین میں نادر و اہم رسالے یاد کیا کرتے تھے، نیز اہل کمال کا علم سوق الوراقین کا رہین منت ہوتا تھا،

عہد عباسی میں کتب، اور کتب خانہ سماجی زندگی کے لوازم سے سمجھا جاتا تھا، اس لیے کتابوں کی مانگ بہت بڑھ گئی تھی، تجارت کتب کے مستقل اور عارضی مرکزوں کے اسلامی قلمرو میں بہتات تھی، ہر قسم کی کتابیں عام بازاروں میں فروخت ہوتی تھیں، کتابوں کا خاص بازار بھی تھا جس کو سوق الوراقین[3]، سوق الکتبیین[4] اور سوق الکتب[5] کہا جاتا تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوق الوراقین دراصل کاغذ سازی، کاغذ فروشی، اور سوق الکتبیین، سوق الکتب (کتب فروشی) کا بازار تھا، البتہ عرف عام میں ایک کا دوسرے پر اطلاق کیا جاتا تھا، اسی اعتبار سے اس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، جو لوگ سوق الکتب میں کتابیں فروخت کرتے تھے، انھیں کتبی کہا جاتا تھا، بہت سے اہل علم اس نسبت سے مشہور تھے، وراق کو بھی کتبی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، اس لیے کہ وہ اوراق و کتب کا مشغلہ رکھتا تھا، چنانچہ کتبی اور ابن الکتبی سے وراق کی شہرت اس امر کی غماز ہے

تیسری صدی ہجری میں بعض شہر جیسے بغداد کا سوق الکتب جو باب البصرہ کے سامنے واقع تھا[6] یہ بازار

[1] تاریخ بغداد ج ۴، ص ۱۰۳ [2] لسان المیزان ج ۱، ص ۱۶۰ [3] الفہرست لابن الندیم ص ۲۰۹، تاریخ بغداد ج ۱۱، ص ۳۹۹، الحضارۃ الاسلامیۃ لادم متز ج ۱، ص ۲۶۹ [4] الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲ [5] معجم البلدان ج ۳، ص ۱۳۹، الخطط المقریزیہ ج ۲، ص ۱۰۲، المقدمہ لابن خلدون ص ۷۵۵، خطط الشام للکرد علی ج ۶، ص ۱۹۵ [6] المدخل فی تاریخ الحضارۃ تالیف ناجی معروف بغداد، مطبعۃ العانی، ۱۳۷۹ھ ص ۱۸۰۔

سینکڑوں دوکانوں پر پھیلا ہوا تھا، ان دوکانوں پر کتابیں سب معیاری ملتی تھیں[1]، معلوم ہوتا ہے سوق الکتب شاہیری کتابوں سے اٹا رہتا تھا، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ ۳۰۹ھ میں جب منصور حلاج کو قتل کیا جانے لگا تو اس نے کہا تھا کہ میری کتابیں اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب پر سوق الکتب میں موجود ہیں[2]، یہ دوکانیں چوک بازار میں کھولی جاتی تھیں، تاکہ ہر طرف سے آنے والے کاغذ با سانی خرید سکیں، چنانچہ ابوحفص خمارتاش بن عبداللہ کاغذی رومی المسمی بعمر المتوفی ۵۳۱ھ کی نیشاپور میں دوکان چوک بازار میں واقع تھی[3]، یہ دوکانیں بالعموم کسی مسجد کے قریب ہوتی اور کتابوں سے بھری رہتی تھیں[4]، اس لیے خریداروں کو کبھی مایوسی نہیں ہوتی تھی[5]، پھر سوق الکتب میں وراقوں کا عریف (expert) ہوتا تھا جس کی نظر سوق الکتب کے ذخائر پر رہتی تھی، وہ وراقوں اور خریداروں کی رہنمائی کرتا تھا، چنانچہ شرف الدین محاسن الصوری المتوفی ۶۶۳ھ قاہرہ کے سوق الکتب کے عریف تھے[6]،

ان بازاروں اور دوکانوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مقامات پر بھی کتب فروشوں کی دوکانیں کھلی ہوتی تھیں[7]، وراق یہاں کتابیں بیچتے اور نقل بھی کرتے تھے، چنانچہ احمد بن جعفر وراق کی شرقی بغداد میں خان ذیل میں اسی قسم کی دوکان تھی، بعض وراق کتب خانوں میں کتابیں نقل کرتے اور اپنی دکان پر کتابیں بیچتے تھے[8]۔

عہد عباسی میں مشرقی و مغربی قلمرو کے دار الخلافہ اور مرکزی شہر کتابوں کی تجارت کی منڈیاں تھے، یہاں نہ صرف کتابیں، بلکہ پورے پورے کتب خانوں کی قیمت اچھی لگتی تھی، مغرب (یورپ) میں قرطبہ اور مشرق (ایشیا) میں بغداد کو اس امر میں شہرت خاص حاصل تھی، تنہا یہی فضیلت شہروں کی برتری کے ثبوت میں کافی

[1] مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت و تجارت از دان کریم، ترجمہ محمد جمیل الرحمن، الہ آباد، کتابستان ۱۹۳۴ء ص ۷۵۔ [2] تکملہ تاریخ الطبری لمحمد بن عبدالملک، الہمدانی تحقیق ادبرت یوسف کنعان ۲:۲ بیروت، المطبعۃ الکاثولیکیہ ۱۹۶۱ء، ص ۲۵۔ [3] التحبیر للسمعانی ج ۱ ص ۲۷۲ [4] مسلمانوں کی صنعت و حرفت ص ۷۵ [5] ایضاً [6] الذیل علی الروضتین لابی شامہ، ص ۲۳۶ [7] الفہرست لابن الندیم، ص ۱۴۱ (فلوگل) [8] معجم الادباء ج ۵، ص ۶۷۔

سمجھی جاتی تھی، چنانچہ مناظروں میں یہاں کے لوگ دوسرے شہر کے رہنے والوں کا یہی بات کہہ کر منھ بند کرتے اور اپنی برتری کا اظہار کرتے تھے، ابوالفضل یفاشی کا بیان ہے :

"ایک مرتبہ معارف پرور سلطان مغرب المنصور یعقوب موحدی (۵۵۵ھ، ۵۹۵ھ یا ۱۱۶۰ء ۱۱۹۹ء) کے دربار میں ۵۰۰ھ میں مشہور فلسفی و فقیہ ابن رشد المتوفی ۵۹۵ھ اور حکیم ابوبکر محمد بن عبدالملک ابن زہر ایادی المتوفی ۵۹۵ھ میں اس موضوع پر مناظرہ ہوا، ابن رشد نے ابن زہر سے کہا: تم جو فضائل بیان کرتے ہو میں یہ نہیں جانتا، بس ایک ہی بات جانتا ہوں کہ اگر کوئی عالم اشبیلیہ میں مرتا ہے تو اس کی کتابیں بکنے کے لیے قرطبہ آتی ہیں، یہاں ان کی قیمت اچھی ملتی ہے اور اگر کوئی گویا قرطبہ میں مرتا ہے تو اس کے گانے بجانے کے سامان کے دام وہاں اچھے ملتے ہیں، اور پھر کہا[1]:

قرطبة اکثر بلاد اللہ کتباً۔ قرطبہ بلاد اسلامی میں کتابوں کی کثرت میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قلمرو میں کتابوں کا شوق بڑھتے بڑھتے وجہ افتخار بن گیا تھا۔

بلاد مشرق میں بھی جب کوئی مرتا اس کی کتابیں بغداد میں اچھی قیمت میں بکتی تھیں، چنانچہ ابوالعباس جعفر ابن احمد مروزی کی کتابیں ان کی وفات کے بعد ۲۷۵ھ میں اہواز سے فروخت کے لیے بغداد لائی گئی، اور طاق حرانی میں فروخت کی گئی تھیں[2]،

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر شہر میں کتابیں بکتی تھیں، لیکن مرکزی شہروں میں کتابوں کی قیمت زیادہ ملتی تھی، یہاں چونکہ کتابیں اور کتب خانے فروخت ہوتے تھے اس لیے شائقین کتب ان مرکزی شہروں کا بار بار سفر کرتے تھے، ابونصر سہل بن مرزبان المتوفی تقریباً ۴۲۰ھ نے نفیس و نادر کتابوں کی جستجو میں بغداد کا بار بار سفر کیا تھا[3]، اس سے عوام و خواص میں کتابوں کے شوق کا اندازہ کیا

[1] نفح الطیب للمقری ج ا ص ۱۵۴ [2] الفہرست لابن الندیم ص ۲۱۴ - ۲۱۵ [3] یتیمۃ الدہر للثعالبی ج ۴ ص ۲۸۶۔

جاسکتا ہے[1]۔

رات میں کتب فروش سوق الوراقین میں دوکانیں اہل علم کو کرایہ پر دے کر تشنگان علوم کی پیاس بجھاتے طلب و رسد کے سلسلہ کو پروان چڑھاتے، معاشرے کی علمی اقدار میں اضافہ کرنے کی سعی کرتے تھے، چنانچہ سوق الوراقین میں جاحظ کو رات بھر کے لیے دوکانیں کرایہ پر دی جاتی تھیں[2]، سوق الوراقین میں نصابی کتابوں کی خرید و فروخت سب سے زیادہ ہوتی تھی[3]۔

ہر علم و فن کی کتابیں اتنی بڑی تعداد میں سوق الوراقین میں موجود رہتی تھیں کہ اہل علم کو ہر وقت ان کی ضرورت کی کتابیں دستیاب ہوتی تھیں، جن کتابوں کی طلب زیادہ ہوتی ان کے نسخے بھی سوق الوراقین میں زیادہ پائے جاتے تھے، اور جن کتابوں کی مانگ کم ہوتی یا جن کی طرف اہل علم کی رغبت کم ہوتی تھی وہ کتابیں سوق الکتب میں کم ملتی تھیں[4]، بازار کتب میں لوگ عالموں اور کتابوں سے استفادہ کرنے کے بعد جو کتابیں اپنے مطلب کی پاتے ان کو خرید لیتے تھے، جن اہل علم کو اساتذۂ فن سے کتابوں کی سند حاصل نہیں ہوتی اور معاشرہ میں عالم و مصنف کے روپ میں نمایاں ہونے کی خواہش چٹکیاں لیتی تھی، وہ سوق الوراقین سے کتابیں خرید کر اور ان کتابوں پر نامور علماء سے اپنی قرارت و سماعت کی نسبت کرکے روایت کرتے تھے[5]، یہ سوق الوراقین سے خریدی ہوئی کتابوں کو عام کرنے والے صحفی کہلاتے تھے، معاشرہ میں لفظ صحفی ان کی علمی حیثیت کا تعین کرنے اور ان کے سلسلۂ سند کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے لیے کافی سمجھا جاتا تھا، عجب حسن اتفاق ہے کہ صحافی اور صحافت کو آج بھی معاشرے میں تحقیق کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

کتابوں کی نقل انفرادی و اجتماعی

عہد عباسی میں اگر کسی کو کئی جلد والی کتاب درکار ہوتی تو اس کے اجزاء اور

[1] مسلمانوں کی صنعت و حرفت ص ۵۷، [2] الفہرست لابن الندیم ص ۱۶۹، معجم الادباء ج ۶، ص ۵۶ [3] المحدث الفاضل للرامہرمزی ص ۲۱، تذکرۃ السامع والمتکلم لابن جماعہ ص ۱۶۴ [4] الوساطۃ بین المتنبی وخصومہ لعلی بن عبدالعزیز الجرجانی، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم وعلی محمد البجاوی، القاہرہ مطبعۃ عیسیٰ البابی الحلبی ۱۳۸۶ھ ص ۵۱ [5] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۳۶۷۔

مجلدات مختلف وراقوں کو دے کر نقل کرائی جاتی تھی، اس طرح ضخیم سے ضخیم متعدد جلد والی کتاب بہت جلد اور کم سے کم مدت میں جلدی تیار ہو جاتی تھی، چنانچہ امین الدولہ ابوالحسن بن غزال نے ایک مرتبہ ابن عساکر کی تاریخ دمشق جو اسّی جلدوں میں تھی نقل کرانی چاہی تو اسے دس کاتبوں میں تقسیم کر دیا، ہر کاتب کے حصہ میں آٹھ جلدیں آئیں، اور انھوں نے دو برس میں پوری کتاب نقل کرالی تھی[1]

مصنف و وراق کی نقل میں فرق | عالم، مصنف اور وراق کی کتابت میں فرق تھا، وراق کمائی اور خوبصورتی کی خاطر کشادہ لکھتا، عالم و مصنف کم اوراق میں زیادہ لکھتا، جگہ کم گھیرتا اور کاغذ بھی احتیاط سے استعمال کرتا تھا، تاکہ خرچ کم ہو، وہ تھوڑے پیسوں میں زیادہ کتابیں نقل کرتا، تاکہ نقل و حمل اور سفر میں لے جانے میں سہولت ہو، اس کا لکھا ہوا وراق سے زیادہ مستند سمجھا جاتا تھا، چنانچہ ابوعلی حسین ماسرجسی نے مسند ابی بکر دس جزوں سے کچھ زیادہ میں لکھی، اسے وراق نے ساٹھ جزوں سے بھی زیادہ میں نقل کیا تھا[2]

یہ سوق الوراقین سے پیدا ہونے والی خوبیاں تھیں جو علم و فن کو پھیلا رہی تھیں، لیکن کچھ لوگ اس میں ایسے بھی در آئے تھے جو تصنیف و تالیف کی قابل قدر صلاحیتیں رکھتے اور اچھی تصنیف و تالیف کرتے، مگر احساسِ کمتری یا نفع اندوزی کی خاطر وہ اپنی تحریریں کسی معروف مصنف کے نام سے فروخت کرنے لگے تو ماہرین کتابیات اور کتب شناسوں نے ایسے اصحاب کا کھوج لگایا، ان کو نمایاں کیا، تاکہ جعل سازی کی حوصلہ افزائی نہ ہو سکے، ابن الندیم نے اس جعل سازی کے تدارک کے لیے "الفہرست" میں ایسے اشخاص و کتب کی جا بجا نشاندہی کی ہے، اور یہ نشاندہی کتب خانوں میں کتابوں کے انتخاب میں بڑی مدد و معاون رہی۔

فن کتابیات کی تاریخ میں جعل سازی کی نشاندہی کا آغاز ابن الندیم نے کیا ہے، ان جعل سازیوں کے اظہار کے لیے وضع، اختلاق، انتحال وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے تھے جعل سازی کی وجہ سے سوق الوراقین کے علمی وقار کو نقصان پہونچا جس کی یادگار اردو زبان میں ایک لفظ سوقیانہ ادب (بازار کے لائق) معرض وجود

[1] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۳۸۶ [2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۳ ص ۹۵۶ -

میں آیا، جو ان ہی جعل سازوں کے فن کا نتیجہ ہے۔

دور عباسی میں وراق اور کتب فروش بھی اہل علم کو مستعار بلا منفعت کتابیں مہیا کرتے تھے، چنانچہ ایک وراق نے ابن جریر طبری کو صرف قیاس کے موضوع پر چالیس[3] سے کچھ کم کتابیں مستعار مہیا کی تھیں[1]

فروخت کتب کے مستقل و عارضی مرکز | سوق الوراقین کتابوں کی خرید و فروخت کے مستقل مرکز تھے، کتابوں کی خرید و فروخت کے عارضی مرکز وہ وقتی مقامات تھے جہاں کسی مجبوری کے تحت کتابوں کا ذخیرہ فوری طور پر بیچا جاتا تھا، جیسے علماء کے مکانات جہاں مرنے کے بعد ان کی کتابیں اور ان کا کتب خانہ بکتا تھا، کوفہ میں ابن الاعرابی کا کتب خانہ ان ہی کے مکان پر ابوجعفر تحطبی نے خریدا تھا[2] کبھی کسی خاص مقام پر مقررہ دنوں میں فروخت کی جاتی تھیں، چنانچہ ابوالفتوح ناصر بن علی انصاری المعروف بابن صورہ المتوفی ۶۰۷ھ اپنے مکان کے دروازہ کی دہلیز پر بیٹھا کرتے اور دوشنبہ اور چہارشنبہ کو علماء و روؤسا آتے، اور اپنی پسند کی کتابیں خرید کر لے جاتے تھے[3] اجزاء اور مجلدات جب ذخیرۂ کتب میں رل مل جاتیں تو جو کتابیں ناقص ہو جاتی تھیں انھیں تلاش کر کے پورا کرتے تھے، موصوف فروخت کتب میں پورے اجزاء اور مجلدات کا اہتمام کرتے تھے، اس لیے ہفتہ میں دو دن فروخت کرتے تھے[4]

وزراء، امراء، روؤسا اور وہ لوگ جو اپنے کاروبار یا علمی کاموں میں انہماک کی وجہ سے سوق الکتب نہیں جا سکتے تھے یا کم جاتے تھے وہ دلالوں کی معرفت جنھیں "دلال الکتب" اور "سمسار" کہا جاتا تھا، کتابیں منگاتے[5] اور خریدا کرتے تھے[6]

بعض اوقات نایاب کتابوں کی جستجو کے لیے جہاں گشت ادباء کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں چنانچہ

[1] معجم الادباء ج ۶، ص ۴۵۳ [2] ایضاً، [3] ابن خلکان ج ۱، ص ۶۳، [4] الذیل علی الروضتین لابی شامہ ج ۱ ص ۱۲۸، کتاب السلوک للمقریزی ج ۱، ص ۳۰۷، النجوم الزاہرۃ لابن تغری بردی ج ۶ ص ۳۳۲ -

[5] الخطط المقریزیۃ ج ۲ ص ۳۶۷، [6] معجم الادباء ج ۵ ص ۴۸۴، اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء تالیف محمد راغب الطباخ، حلب المطبعۃ العلمیۃ ۱۳۴۲ھ ج ۴، ص ۴۲۱ -

قاضی فاضل نے وزیر ابونصر احمد بن یوسف منازی المتوفی ۴۳۷ھ کے دیوان کو جو بہت نایاب تھا، "بعض الادباء السفاء" چند جہاں گشت ادیبوں کو مامور کیا تھا، لیکن وہ بھی اس کے حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسی میں نایاب کتب کو حاصل کرنے کے لیے کیا تدبیریں اختیار کی جاتی تھیں[۱] بادشاہوں اور وزیروں کے گماشتے حصول کتب کی خاطر اسلامی قلمرو کے مشرقی و مغربی شہروں میں سفر کرتے رہتے تھے[۲]

عہد عباسی میں مصنف یا اہل علم امراء اور قدردانوں کے یہاں کتاب پہونچاتے تو اس کی قیمت کچھ نہیں ہوتی تھی، کتاب ان کی طرف سے ہدیہ اور دینار ان کی جانب سے عطیہ ہوتے تھے، اس طرح امراء اہل علم کی قدر و ہمت افزائی کرکے کتابیں حاصل کرتے تھے، چنانچہ محمد بن عبدالملک زیات کو جاحظ نے کتاب الحیوان کا نسخہ پیش کیا تو اس نے پانچ ہزار دینار اس کو دیے تھے، اور جب ابن ابی داؤد کو کتاب البیان والتبیین کا نسخہ دیا تو اس نے بھی جاحظ کو پانچ ہزار دینار دیے، جب اس نے ابراہیم بن عباس کو کتاب الزرع والنخل کا نسخہ پیش کیا تو اس نے اس کو پانچ ہزار دینار عطا کیے تھے[۳]

عہد عباسی میں ذخائر کتب میں اضافہ کے تین اہم ذرائع

عہد عباسی میں عموماً ذخائر کتب میں تین اہم ذرائع سے اضافہ کیا جاتا تھا:
(ا) حسب ضرورت وقتاً فوقتاً کتابیں سوق الوراقین سے خریدی جاتی تھیں۔
(ب) کتب خانہ میں کاتب و وراق کتابت پر مامور کیے جاتے جو شب و روز لکھتے رہتے اور کتابوں میں اضافہ کرتے رہتے تھے، جیسا کہ واقدی کا معمول تھا (ج) اساتذہ اپنے تلامذہ کو کئی بار نئی کتابیں املا کرا کر کتابوں کی نشر و اشاعت کرتے تازہ و نظرثانی شدہ اڈیشن ذخائر کتب میں اضافہ کرتے رہتے تھے، چنانچہ ابوعبداللہ محمد بن زیاد اعرابی (۱۵۰-۲۲۵ھ) کی مجلس درس کے متعلق ابوالعباس ثعلب کا بیان ہے "اس کی مجلس املا و درس میں بیک وقت سو طلبہ شرکت کرتے تھے اور وہ ان اہل علم کو کئی بار نئے علم لکھواتے تھے"[۴]

(باقی)

---

۱ الوافی بالوفیات للصفدی ج۸ ص ۲۸۵ ۲ الحلۃ السیراء لابن الآبار طبع مصر ۱۹۵۵ء ج۱ ص ۲۰۲ تاریخ ابن خلدون ج۴ ص ۳۱۷ نفح الطیب للمقری ج۱ ص ۲۶۲ ۳ معجم الادباء ج۶ ص ۷۶ ۴ الفہرست لابن الندیم ص ۱۰۳۔

وراقت: کتاب منزل بمنزل

از

مولانا محمد عبدالحکیم چشتی، کانو، نائیجریا

(۳)

اس کے علاوہ کتب فروش بھی کتابوں کی خرید و فروخت کے لیے مشرقی و مغربی ممالک میں گھومتے رہتے تھے،
بعض اوقات صاحب کتب خانہ کسی ضرورت کے تحت اپنے ذخیرۂ کتب سے کتابیں ان کو بیچتے تھے[1]، اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ تاجر کتب جس طرح کتابیں کتب خانوں میں پہونچاتے تھے، اس طرح صاحب کتب خانہ سے
کتابیں خریدا بھی کرتے تھے، یوں کتابوں کی گردش کا عمل جاری رہتا تھا۔

تاجر کتب نادر و اہم اور نئی نئی کتابیں بلاد مشرق (ایشیا، افریقہ) اور مغرب (یورپ) میں بھی لے جاتے،
الکان کتب خانہ سے ربط و ضبط بڑھاتے اور انھیں کتابیں پہونچاتے تھے، چنانچہ حلب کا ایک تاجر کتب عراق سے
بوعلی سینا کی کتاب "القانون" کا نسخہ اندلس لایا، اس سے قبل یہ کتاب اندلس میں نہیں آئی تھی، اس نے ابو العلاء
زہر بن عبد الملک اشبیلی المتوفی ۵۲۵ھ کو دکھائی، مگر اس بالغ نظر کی نظر میں نہیں سمائی[2]، اس سے معلوم ہوتا ہے
کہ اس دور کے تاجران کتب کی تجارت کا دائرہ کتنی وسعت اختیار کر گیا تھا۔

اہل علم علماء سے کتابیں ہی نہیں خریدتے تھے، بلکہ ان کا ان سے سماع کرتے اور سند بھی لیتے تھے، چنانچہ

---

[1] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۳، ص ۱۷۴ ـ ۱۷۵ [2] ایضاً ص ۱۰۴ ـ ۱۰۵

ابو عبداللہ محمد المعروف بہ ابن زرج الحرہ المتوفی ۴۲۳ھ سے خطیب بغدادی نے جو کتابیں خریدی تھیں ان کا ان سے سماع بھی کیا تھا[1] یہ عہد عباسی میں کتابوں کے استعمال کا شاہد عدل ہے۔

تجارت صرف تیار مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے یا ایک فرد و جماعت سے لے کر دوسرے فرد یا جماعت کو بیچنے ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے مفہوم میں لین دین کے اندر تعاون کے رشتہ کو استوار کرنا اور اس میں نظم و نسق قائم رکھنا بھی داخل ہے، یہ نظم اور انتظام و انصرام سرکار کی زیر سرپرستی ہو یا نہ ہو، وراقوں اور تاجروں کی برادری میں اس کا شعور ضرور تھا، یہ شعور ہی تھا جو بغداد کے سوق الوراقین سے اسپین تک بستی بستی میں کتابوں کو پھیلا رہا اور اور تجارت کتب کو فروغ دے رہا تھا، اس طرح ابلاغ و ترسیل کے عمل کو جاری رکھنے میں آسانیاں بہم پہونچ رہی تھیں۔

کتابوں کی قیمت پر کنٹرول

عہد عباسی ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد کے دور میں بھی کتابوں کی قیمت کے بڑھنے اور گھٹنے پر نظر رکھی جاتی تھی، گو حکومت سرکاری طور پر کوئی اقدام نہیں کرتی تھی، لیکن صاحب تصانیف اس میں اخلاقی دباؤ ڈالتے تھے، اور اگر تاجران کتب نے کبھی کتابوں کی قیمت مناسب نہیں رکھی اور انھیں بیجا نفع اندوزی اور استحصال پر مصر ہوتے دیکھا گیا تو انھوں نے ایسی صورت میں اس کتاب کا بہتر بدل لانے کی کوشش کی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیمت معمول پر آگئی،

شرح کتابت

تیسری صدی ہجری کے اوائل میں عام طور پر وراق ایک درہم میں دس ورق لکھتا تھا، اور پانچ ورق فی درہم اجرت بہت گراں سمجھی جاتی اور گوارا نہیں کی جاتی تھی، چنانچہ فراء نے جب کتاب المعانی املاء کرائی تو وراق پانچ ورق فی درہم پر نقل کرنے لگے، اس سے معلوم ہوا کہ اس نے انھیں بیجا نفع اندوزی سے روکا مگر نہ مانے، آخر اس نے کتاب المعانی کو شرح مزید کے ساتھ املاء کرانا شروع کیا، ابھی پچاس ورق املاء کرائے تھے کہ وراق دس ورق فی درہم پر راضی ہو گئے[2]۔

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب ج ۲، ص ۳۶۰-۳۶۱ [2] ایضاً ج ۱۴ ص ۱۵۰۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء و ارباب فن علوم و فنون کی نشر و اشاعت، علم کی خدمت اور عوام کی سہولت کے پیش نظر کتابوں کی قیمت پر نظر رکھتے تھے، وراقوں اور تاجروں کو کتابوں کی معمول سے زیادہ قیمت وصول کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ایک جزء تین درہم میں لکھا جاتا تھا، چنانچہ ابو عتبہ احمد بن الفرج کندی حمصی المعروف بہ الحجازی المتوفی ۲۷۱ھ کے تذکرہ میں محمد بن عوف کا بیان ہے کہ میں نے ابوالیمان شعیب کی بے شمار کتابیں نقل کی تھیں، میں ایک جزء تین درہم میں لکھتا تھا[1]۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں ایک جزء ایک درہم میں فروخت ہونے لگا تھا، ابراہیم حربی (۱۸۵ھ-۲۸۵ھ = ۸۱۵ء-۸۹۸ء) سے ان کی دختر نے تنگدستی کی شکایت کی، انھوں نے اس سے یہی کہا تھا کہ جس کے پاس بارہ ہزار جزء لغت کے موجود ہوں اس کے پاس بارہ ہزار درہم ہیں، وہ فقیر نہیں ہوتا، میرے مرنے کے بعد ہر جزء ایک درہم میں بیچ سکتی ہو[2]، جزء کی مقدار ہر دور میں تقریباً مختلف رہی ہے، لیکن تیسری صدی ہجری میں پچاس ورق کی کتاب کو فقط جزء سے تعبیر کیا جاتا تھا، چنانچہ مورج کا بیان ہے ابو محلم بغدادی نے مجھ سے ایک جزء مستعار لیا تھا جو تقریباً پچاس ورق پر مشتمل تھا[3]، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں بارہ ورق فی درہم اجرت نقل تھی، چنانچہ ابوبکر محمد بن مسلم بن عبداللہ قنطری زاہد المتوفی ۲۶۰ھ جامع سفیان ثوری کا نسخہ سترہ درہم میں لکھتے تھے[4]، بعض خاص اسباب کے تحت بعد کے ادوار میں بھی جزء اسی حساب سے فروخت ہوا، چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں اسعد بن الیاس المتوفی ۵۸۷ھ کے تیار کیے ہوئے خلاصے بولی لگنے پر ایک درہم فی جزء کے حساب سے بکے تھے[5]، تاہم نامور مصنف کا اپنا لکھا ہوا ایک جزء تقریباً ایک دینار میں بکتا تھا، چنانچہ خلیل بصری کی کتاب العین، جو

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب ج ۴، ص ۳۴۱۔ [2] ایضاً ج ۶، ص ۳۳ [3] الفہرست لابن الندیم ص ۶۹، [4] تاریخ بغداد ج ۳، ص ۲۵۶ [5] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۲۹۳۔

اڑتالیس جزء میں تھی پچاس[50] دینار میں فروخت ہوئی تھی۔[1]

مدینۃ السلام بغداد میں کتابت مذکورۂ بالا اجرت پر کی جاتی تھی، لیکن دیگر اسلامی ممالک میں بعض وجوہ سے کتابت کا نرخ مختلف تھا، چنانچہ بعض اوقات شناسان کتب کو اجرت کتابت زیادہ ادا کی جاتی، چنانچہ تیسری صدی ہجری کے نصف میں ابو زرعہ رازی نے مصر میں جب امام شافعیؒ کی تصانیف نقل کرائیں تو تقریباً اجرت کتابت فی کاغذ ایک درہم ادا کی تھی، موصوف کا بیان ہے:

میں ۲۳۲ھ میں حج کرتے ہوئے مصر کی طرف نکلا، وہاں ٹھہرنے کا بہت کم خیال تھا، لیکن علم و استفادہ کا یہاں زیادہ چلن دیکھا تو پندرہ مہینے ٹھہرا، امام شافعیؒ کی کتابوں کے سب سے زیادہ واقف کو ڈھونڈا تاکہ ان کا ذخیرۂ کتب نقل کرایا جائے، اس نے اسی درہم اجرت مانگی، میرے پاس دیبا کے دو[2] کپڑے تھے، میں نے انھیں ساٹھ[60] درہم میں بیچا، دس درہم میں سو ورق کاغذ خرید کر اسے دیا، کتابیں نقل کرائیں۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری میں کہ ایک امام مجتہد کی تالیفات کا ذخیرہ نوے درہم میں فراہم کیا جا سکتا تھا۔

عہد عباسی میں جوں جوں معیار زندگی بلند ہوتا گیا، اشیائے صرف کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوا، اور وراقت و کتابت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں، چنانچہ چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں تقریباً ایک ورق ایک درہم میں لکھا جاتا تھا، مشہور ادیب و قاضی ابو سعید سیرافی المتوفی ۳۶۸ھ مجلس قضا و درس سے قبل ہر روز دس ورق جس کی اجرت دس درہم تھی لکھ کر اٹھتے تھے،[3] اور ابو علی حسن عکبری المتوفی ۴۲۵ھ پانچ درہم کا کاغذ خریدتے جو اتنا ہوتا تھا کہ اس میں متنبی کا دیوان لکھ لیا جاتا تھا، (اور متوسط قلم سے موجودہ متوسط تقطیع کے تقریباً تین سو صفحات) وہ لکھنے کے بعد کم از کم ڈیڑھ سو درہم ورنہ عموماً دو سو[200] درہم میں فروخت کرتے تھے، موصوف زود نویس تھے، تین[3]

---

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۶۴ [2] ابن ابی حاتم، کتاب تقدمۃ الجرح و التعدیل ص ۳۴۰ [3] نزہۃ الادباء لابن الانباری ص ۳۷۹، انباہ الرواۃ للقفطی ج ۱ ص ۳۱۳ - ۳۱۴، الجواہر المضیئۃ للقرشی ج ۱ ص ۱۹۶، ج ۲ ص ۲۲۶، ابن خلکان ج ۱ ص ۱۳۰، و لسان المیزان لابن حجر ج ۲ ص ۲۱۸۔

دن میں ایک دیوان لکھتے تھے جو زود نویس نہ ہوتا، وہ ہفتہ میں لکھ لیتا تھا، اس سے عکبری نے پچیس[25] ہزار درہم کمائے تھے،[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زود نویس کاتب تقریباً پچاس[50] درہم یومیہ اور غیر زود نویس کاتب پچیس[25] درہم یومیہ سے زیادہ پیدا کرتا تھا، اس سے وراقت، کتابت کے پیشے میں کمائی کا، وراقوں اور کاتبوں کی خوشحالی اور ان کے معیار زندگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کتابوں کی قیمت کا ضروریات زندگی سے موازنہ

عہد عباسی میں کتابوں کا ذخیرہ بڑھانے اور کتب خانہ بنانے پر جو رقم خرچ کی جاتی تھی وہ ضروریات زندگی کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی تھی،

اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے، مشہور محدث شعبہ ابن الحجاج (۸۲ھ / ۷۰۱ء، ۱۶۰ھ / ۷۷۶ء) کے مرنے کے بعد ان کے خچر، زین، لگام، بدن کے کپڑے اور جوتے سولہ درہم میں بکے تھے۔[2]

اس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اس زمانہ میں خچر، اس کا ساز و سامان، سوار کا جوڑا اور جوتا سولہ درہم میں آتا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں عہد عباسی میں عام پڑھے لکھے انسان کی ضروریات زندگی کی تکمیل اس معمولی رقم سے پوری ہو جاتی تھیں، اس لیے کہ اس دور میں خچر پانچ درہم میں، سستی قمیص چار درہم میں اور عمدہ قمیص آٹھ درہم میں ملتی تھی،[3] ایک امام فن (جیسے امام محمدؒ) کی تصانیف پر ساٹھ[60] دینار خرچ آتا تھا،[4]

مذکورۂ بالا تاریخی شہادت اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ عہد عباسی میں اہل علم شائقین کتب سب سے زیادہ رقم کتب و کتب خانوں پر خرچ کرتے تھے، جو ان کی علمی و مادی ثروت کی شاہد عدل ہے۔

گراں قیمت کتابوں کے عوامل

عہد عباسی میں اسلامی قلمرو میں کتابیں عام نرخ پر ملتی تھیں لیکن حسب ذیل خصوصیات سے آراستہ کتابیں صحت و ندرت کی وجہ سے عام طور پر گراں قیمت میں دستیاب ہوتی تھیں۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۷، ص ۳۱۹ - ۳۲۰، الانساب للسمعانی، ورق ۳۹۵ [2] ایضاً ج ۹، ص ۲۶۲ [3] ایضاً ج ۹ ص ۳۶۱، [4] تقدمۃ الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم الرازی، ج ۱، ص ۱۶۳، توالی التاسیس لابن حجر ص ۷۶۔

(۱) مصنف یا شارح کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب، چنانچہ خلیل بصری کی کتاب العین جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ مصنف کا اپنا نسخہ تھا، پچاس[۱] دینار میں بکا تھا[۲]۔

(الف) مصنف یا شارح یا ترجمہ نگار کا اپنا لکھا ہوا نسخہ۔

(ب) " " " کا صحت کردہ نسخہ۔

(ج) " " " کے تلمیذ خاص کا نسخہ[۳]۔

(د) " " " کا صحیح کیا ہوا یا اس سے پڑھا ہوا نسخہ۔

(ہ) " " " کے وراق کا لکھا ہوا نسخہ۔

(و) " " " کے نسخہ سے منقول و مقابلہ کیا ہوا نسخہ۔

(ز) " " " کی آخری عمر کا نسخہ۔ (بشرطیکہ حافظہ درست رہا ہو)

(ح) " " " سے قریب العہد نسخہ۔

(۲) اہل علم کا تصحیح کیا ہوا نسخہ[۴]۔

(۳) نامور وراق کا لکھا ہوا نسخہ۔

(۴) عالم یا علماء کے زیر مطالعہ رہا ہوا نسخہ۔

(۵) نامور عالم یا علماء کے حواشی سے آراستہ نسخہ[۵]۔

(۶) مشہور صحیح نویس کا لکھا ہوا نسخہ جیسے یوسف بن خزر البجیرمی المتوفی ۴۲۳ھ کا لکھا ہوا دیوان جریر اور طبقات الشعراء ابن سلام میں سے ہر ایک مصر میں بیس دینار میں فروخت ہوتا تھا[۶]۔

(۷) نامور خطاط کا لکھا ہوا نسخہ۔

---

[۱] الفہرست لابن الندیم ص ۶۴ [۲] تاریخ العلماء فی البحث العلمی، ص ۶۳-۶۴ [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] انباہ الرواۃ للقفطی ج ۳، ص ۶۷۔

(۸) عمدہ کاغذ پر خوشخط لکھا ہوا نسخہ۔

(۹) کسی وزیر، امیر کبیر، عالم یا بادشاہ یا بزرگ کے خزائن کتب کا نسخہ[۱]۔ اکثر شاہی کتب خانوں کی کتابوں پر "برسم خزانۃ الملک" کے الفاظ لکھے ہوتے تھے[۲] یا کسی وزیر، امیر یا بزرگ کا یا کسی کے کتب خانے کی کتابوں پر ان کا نام لکھا ہوتا تھا۔

(۱۰) بادشاہ، وزیر، عالم اور صاحب فن میں سے کسی کے نام معنون کیا ہوا نسخہ۔

(۱۱) ان مذکورۂ بالا شخصیات میں سے کسی کے لیے تیار کیا ہوا یا کرایا ہوا نسخہ۔

(۱۲) کسی کتاب کا مشکول (اعراب لگایا ہوا) نسخہ۔

(۱۳) نقش و نگار سے آراستہ کتاب، مطلا و مذہب نسخہ۔

(۱۴) خوشنما مجلد نسخہ[۳]۔

(۱۵) مصور نسخہ[۴]۔

(۱۶) امہات الکتب، ہر فن کی امہات الکتب بھی گراں قیمت میں دستیاب ہوتی تھیں۔

(۱۷) فنی کتابیں، چنانچہ بطلیموس کی فن ہیئت میں مشہور کتاب المجسطی کا نسخہ چوتھی صدی ہجری میں بیس[۲۰] دینار میں فروخت ہوا تھا[۵] یا مثلاً ابوعلی ابن الہیثم بصری المتوفی ۴۳۰ھ کی نقل کردہ اقلیدس، کتاب المتوسطات اور کتاب المجسطی کا نسخہ ڈیڑھ سو دینار سے کم میں فروخت نہیں ہوتا تھا[۶]۔

(۱۸) دائرۃ المعارف کی قسم کی کتابیں چنانچہ ابونعیم اصفہانی کی کتاب الحلیہ (جو تصوف کا دائرۃ المعارف ہے) ان کی حیات میں نیشاپور پہونچی تو چار سو دینار میں بکی تھی[۷]۔

---

[۱] الفہرست لابن الندیم ص ۴۴ [۲] ایرج افشار، نسخ خطی اسلامی و سابقہ تاریخ آنہا، ہنر و مردم، شمارہ ۱۱۲ (اردیبہشت ۱۳۵۱) ص ۳
[۳] نفح الطیب للمقری ج ۳، ص ۱۰۱ [۴] معجم الادباء ج ۶ ص ۱۴۷-۱۴۸ [۵] مصطفیٰ جواد، الثقافۃ العقلیۃ والحالۃ الاجتماعیۃ فی عصر الشیخ ابوعلی بن سینا، مجلۃ المجمع العلمی العراقی ج ۴، شمارہ ۴، شمارہ ۱ (۱۳۷۵ھ) ص ۵۰۲ [۶] عیون الانباء لابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۱۵۰
[۷] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۳، ص ۱۰۹۲۔

(۱۹) غیر زبانوں سے ترجمہ شدہ کتابیں، اس قسم کی کتابوں کی قیمت عربی کتب کی نسبت زیادہ ہوتی تھی ہاتھوں ہاتھ نکلتی اور مملکتوں میں تاجروں کے ذریعہ دور دور تک پہونچ جاتی تھیں[1]

(۲۰) وہ کتابیں جن کا چلن کم ہوتا یا جن کی طرف اہل علم کی رغبت کم ہوتی تھی، وہ بھی گراں ملتی تھیں،

(۲۱) کسی کتاب کا پہلا نسخہ جب کسی دیار میں پہونچتا وہ بعض اوقات بہت گراں قیمت میں بکتا، چنانچہ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابی زید قیروانی المتوفی ۳۸۶ھ / ۹۹۶ء کا الرسالہ جو مالکی فقہ کے چار ہزار مسائل اور چار سو حدیثوں پر مشتمل مختصر و مقبول رسالہ ہے[2]، جب افریقہ سے ایشیا آیا اور مرکز خلافت بغداد پہونچا تو فقیہ ابوبکر محمد بن عبداللہ بہری المتوفی ۳۷۵ھ / ۹۸۶ء کے حلقۂ درس میں اسے بیس[20] دینار میں خریدا گیا تھا[3]

قلمی کتابوں کی اہمیت و ندرت یا چلن یا رغبت کم ہونے کی وجہ سے گراں قیمت ہونے کے یہ وہ عوامل ہیں جو عہد عباسی میں کارفرما تھے کم و بیش آج بھی ان پر عمل کیا جاتا ہے، اور یہی وہ اساسی اصول ہیں جن کو مسلمانوں نے قلمی نسخوں کی علمی تحقیقات میں بنیاد بنایا، ان کے قیمتی اصول آج بھی تحقیقی متون میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں اور کتب خانوں کی عظمت و شہرت کا باعث ہیں، ان اصول سے ابن الندیم کی کتاب الفہرست میں اعتنا کیا گیا ہے، البتہ تاریخ کتب خانہ میں ہم نے استقراء و تتبع سے پہلی مرتبہ ان کا احاطہ اور انھیں مرتب و یکجا کیا ہے۔

سستی کتابوں کے عوامل کتابیں عام طور پر مروجہ نرخ پر ملتی تھیں لیکن بعض اوقات حسب ذیل اسباب کی وجہ سے کتابیں سستی بھی مل جاتی تھیں۔

(۱) جب حملہ ہوتا اور فوج کشی سے تباہی آتی، مدرسے، کتب خانے اور علمی خانوادے برباد ہوتے، وزیروں، امیروں کے محلات لٹتے اوباش کتابیں لے جاتے اور انھیں کوڑیوں کے مول بیچتے تھے۔

[1] الفہرست لابن الندیم ص ۳۶۱ [2] عمر الجیدی، نظرات فی تاریخ المذہب المالکی من اوائل المصنفات فی المذہب المالکی، من اوائل المصنفات فی المذہب المالکی الرسالہ: دعوۃ الحق، شمارہ ۲۲۸ جمادی و رجب ۱۴۰۳ھ ص ۶۸، عبدالرحمٰن بن محمد الدباغ، معالم الاعیان فی معرفۃ اہل القیروان تونس ۱۳۲۰ھ ج ۳ ص ۱۲۷ [3] ایضاً عمر الجیدی، من اوائل المصنفات فی المذہب المالکی الرسالۃ دعوۃ الحق ص ۷۱۔

۵۹۸ھ میں عراق پر حملہ ہوا تو نیم دانگ[1] میں ایک من کتابیں تول کے حساب سے بکی تھیں[2]

(۲) کبھی ناواقف لوگ فی الفور اپنی ضرورت کے لیے کتاب سستی بیچتے اور خریدار بلا طلب سستے داموں خرید لیتے تھے، ابن سینا کو ایک ضرورت مند سے بلا طلب ابونصر فارابی کی کتاب مابعد الطبیعہ اسی طرح کوڑیوں میں ہاتھ آئی تھی،[3]

(۳) جب کوئی عالم مرتا اس کے ذخیرۂ کتب میں کتابیں نسبۃً سستی فروخت ہوتی تھیں اس لیے اہل علم گنجایش نہ ہونے کے باوجود زیادہ تعداد میں کتابیں خریدتے تھے، چنانچہ ابن طرخان کے ترکہ سے ابوحیان توحیدی نے ۳۷۰ھ میں بہت سی کتابیں خریدی تھیں[4]

(۴) ناقص اور عیب دار کتابیں سستی فروخت ہوتی تھیں، کتابوں کے شوقین بعض نادار یا بخیل یا عیار و کتاب شناس شوقین عالم جب کتابوں کے ڈھیر سے کوئی کتاب نکالتے وراق اس کتاب کی اہمیت و ندرت کو پا لیتا اور اسی لحاظ سے وہ کتاب کے دام مانگتا تھا، مگر یہ کتابیں سستی خریدنے کی غرض سے غیر اخلاقی حرکت سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، کتاب دیکھتے دیکھتے اس کو پھاڑ دیتے اور ورق نکال لیتے، اور کسی نہ کسی طرح کتاب میں نقص پیدا کرکے اسے کم قیمت میں خرید لیتے تھے، چنانچہ مشہور نحوی ابن الخشاب المتوفی ۵۶۷ھ اسی طرح کتاب خریدتا تھا[5]، ابوالخیر مسیحی ابن ابی البقاء المتوفی ۶۰۸ھ کا بھی یہی وطیرہ تھا[6]

(۵) شریف خاندان کی بعض مصیبت زدہ خواتین اپنا بھرم قائم رکھنے اور ضروریات زندگی پورا کرنے اور بدنامی سے بچنے کی خاطر خاندانی ذخیرے چوری چھپے اونے پونے بکواتی تھیں، اس طرح لوگوں کو سستی کتابیں مل جاتی تھیں، چنانچہ ہندو شاہ نخجوانی کا بیان ہے کہ ایک عورت اوراق و کراریس اور بڑے کاغذات کا پلندہ

[1] دانگ، دانق کا معرب ہے یہ چھ رتی وزنی چاندی کا سکہ تھا [2] راحۃ الصدور و آیۃ السرور، تالیف محمد بن علی الراوندی، تحقیق محمد اقبال، لیڈن، ای۔ جی۔ بریل ۱۹۲۱ء ص ۳۳ [3] انباہ الرواۃ للقفطی ص ۱۵-۱۶ [4] اخلاق الوزیرین مثالب الوزیرین اخلاق الصاحب ابن عباد و ابن العمید لابی حیان التوحیدی، تحقیق ابراہیم کیلانی دمشق، دار الفکر ۱۹۶۱ء ص ۵۲۱ [5] معجم الادباء ج ۴ ص ۲۸۰-۲۸۶ [6] اخبار الحکماء للقفطی ص ۳۳۲-۳۳۳۔

بیچنے کے لیے میرے پاس لائی، بہت سستا دے گئی، میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں ابن مقلہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک دفتر تھا۔[۱]

(۶) بعض وہ لوگ جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہوتے انھیں ترکہ میں کتابیں ملتی تھیں، یہ کھٹ کھڑے سوق الوراقین میں دلالوں سے بولی لگوا کر کتابیں نکال دیتے تھے، اس قسم کی کتابیں بھی سستی مل جاتی تھیں۔[۲]

(۷) کال (قحط) پڑتا، اور لوگوں کے پاس کھانے کو نہیں رہتا تو بھی لوگ کتابیں سستی بیچ کر پیٹ کی آگ بجھاتے تھے۔

تاتاریوں نے بغداد کو تباہ کیا، اہل بغداد دانے دانے کو ترس گئے، اہل حلہ اور اہل کوفہ بغداد میں کھانے کا سامان لاکر بیچتے، اور اس کے عوض قیمتی کتابیں بہت ہی سستی خرید کر لے جاتے، اس طرح ذخیرہ اندوزی سے وہ بہت جلد مالدار بن بیٹھے تھے،[۳] گویا قحط سالی نے زرعی معیشت کے کارکنوں (کسانوں) کے گھروں میں بھی کتابیں پہونچا دی تھیں۔

کتابوں کے سستا ہونے کے مذکورۂ بالا عوامل آج بھی اسی طرح کارفرما ہیں جس طرح عہد عباسی میں کارفرما تھے۔

---

[۱] تجارب السلف در تواریخ خلفاء و وزرائے ایشان، از ہندو شاہ نخجوانی، تہران، مطبعہ فردین ۱۳۱۳ھ ص ۲۶۲،
[۲] اخبار الحکماء ص ۳۱۵ - ۳۱۶ [۳] الحوادث الجامعہ و التجارب النافعہ لابن الفوطی، بغداد، المکتبۃ العربیۃ ۱۳۵۱ھ ص ۳۳۱ -

دورِ جاہلی

میں

عربوں کے کتب خانے

(مجلہ فکر و نظر، 1995ء)

دور جاہلی میں عربوں کے کتب خانے

ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی ☆

دور جاہلی:

رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا زمانہ تاریخ میں دور جاہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' جاہلی' جہل سے بنا ہے جو علم کی ضد ہے' یہ اس کے حقیقی معنی ہیں اس معنی کے اعتبار سے عرب جاہل نہ تھے' قرآن نے عربوں کی صفت علم و معرفت کا تذکرہ کیا ہے وہ کہتا ہے۔

کتاب فصلت آیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون (حم السجدہ ۔ ۳)

یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کر دی گئی ہیں : قرآن عربی (میں) ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

دور جاہلی میں تعلیم و کتابت کا بہت کم رواج تھا مگر تعلیم و کتابت اس دور میں بھی عزت و شرف کی بات سمجھی جاتی تھی چنانچہ زمانہ جاہلی میں تعلیم یافتہ افراد کو مرد کامل کہا جاتا تھا۔ (۱) اور بحث و تکرار کے موقع پر کتابت و قرات سے دلیل پیش کی جاتی تھی چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا (الفرقان۔۵):

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو اگلوں کی بے سند باتیں ہیں جن کو اس شخص نے لکھوا لیا ہے پھر وہی اس (شخص) کو صبح و شام پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔

دوسری جگہ کہا گیا ہے:

وقالوا لن نومن لک حتی تفجرلنا من الارض ینبوعا ....او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ط ولن نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقروہ ط

☆　استاذ جامعہ العلوم الاسلامیہ' بنوری ٹاؤن کراچی

قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا (بنی اسرائیل (۹۰ و ۹۳)

اور یہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو گے یا خود تمھارے لئے کوئی گھر ہی سونے کا ہو' یا تم آسمان پر چڑھ جاو اور ہم تو تمہارے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تم (آسمان) سے ہمارے لئے نوشتہ نہ اتار لاو جسے ہم پڑھ لیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ پاک ہے اللہ' میں بجز ایک آدمی (اور) رسول کے اور کیا ہوں۔

یعنی ایسی کتاب جسے وہ دیکھ اور پڑھ سکیں' ایک اور موقعہ پر ارشاد ہے:

ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ بایدیھم لقال الذین کفروا ان ھذا الاسحر مبین (الانعام ۔ ۷)

"اور اگر ہم آپ (پر) کوئی نوشتہ کاغذ پر (لکھا ہوا) نازل کرتے اور اسے یہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے جب بھی جن لوگوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے یہی کہتے کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے"

یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ جو قوم و معاشرہ جتنا ترقی یافتہ اور متمدن ہوتا ہے اسی نسبت سے اس قوم میں تعلیم یافتہ لوگ زیادہ پائے جاتے ہیں اور جو قوم و معاشرہ تمدن سے دور ہوتا ہے اسی نسبت سے اس میں پڑھے لکھے افراد بھی کم سے کمتر ہوتے ہیں۔ اس لئے دور جاہلی کے متعلق مورخین نے جابجا اس امر کی تصریح کی ہے کہ ان میں پڑھے لکھے کم تھے' تعلیم کا رواج کم تھا (۲) لیکن ایسا بھی نہ تھا کہ اس معاشرہ میں سرے سے پڑھے لکھے ہی نہ تھے چنانچہ اس اعتراض کا کہ عرب بدوی تھے' انہیں زیر زبر اور شین قاف کی بھی تمیز نہ تھی احمد ابن فارس المتوفی ۳۹۵ھ اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

فانا لم نزعم ان العرب کلھا مدرا و وبرا' قد عرفوا الکتابۃ کلھا و الحروف اجمعھا' وما العرب فی قدیم الزمان الا کنحن الیوم: فما کل یعرف الکتابۃ والخط والقراۃ (۳)

"پس ہم نہیں سمجھتے کہ تمام عرب بدوی اور دیہاتی تھے وہ پوری طرح لکھنا پڑھنا

جانتے تھے' انہیں جملہ حروف کی تمیز تھی' عرب عہد قدیم میں ہمارے موجودہ
دور کی طرح تھے' آج بھی ہم میں ہر ایک پڑھا لکھا نہیں (اس دور میں بھی نہ
تھا' بس کم و بیش کا فرق تھا)

ایسا ہر زمانے اور ہر معاشرہ میں ہوتا ہے۔

گو عربوں میں نوشت و خواند کا رواج زیادہ نہ تھا تاہم وہ قابل ذکر امور صحیفوں اور چمڑوں کے ٹکڑوں پر لکھتے تھے(۴) قرآن نے ان کے سامان کتابت کا تذکرہ کیا ہے مثلاً (۱) قلم (۲)کتاب (۳)مداد (سیاہی) (۴) رق (چمڑا) (۵)صحف (۶)۔تتلو' وہ تلاوت کرتا ہے (۷)۔تقرا' وہ پڑھتا ہے (۸)اکتتب اس نے لکھ لیا ہے (۹) یملی وہ لکھاتا ہے (۱۰) ۔یسطرون' وہ لکھتے ہیں (۱۱) علم اس نے سکھایا ہے (۱۲) درست تو نے پڑھا ہے (۱۳) تدرسون' پڑھتے ہو۔

عربوں میں نوشت و خواند کا رواج:

یہ وہ الفاظ اور جملے ہیں جو بتاتے ہیں کہ وہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے' نوشت و خواند کا سامان ان کے یہاں موجود تھا' پڑھنے لکھنے کا ان میں رواج گو کم تھا' امیروں ہی میں نہیں غریبوں میں بھی اس کا تھوڑا بہت چلن تھا جنگ بدر کے جو قیدی زر فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ان کا زر فدیہ مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا قرار پایا تھا (۵) اس کے باوجود قرآن نے انہیں گمراہ و جاہل قرار دیا' اس لئے کہ وہ دین حق کو سمجھتے نہ تھے' دینی امور میں سخت گمراہی میں پڑے ہوئے تھے' ضد و عناد کی وجہ سے قبول حق سے گریزاں تھے(۶) بات بات پر بگڑ جاتے اور لڑ بیٹھتے تھے(۷)۔

عہد جاہلی میں عربوں کے کتب خانے' تاریخ کتب خانہ کا ایسا باب ہے جس پر نہ قدماء نے کچھ لکھا ہے اور نہ متاخرین نے اس موضوع سے کچھ اعتناء کیا ہے۔

عصر حاضر کے وہ مسلمان عرب محققین جنہیں ادب و تاریخ' لغت و نحو سے مناسبت تھی' انہوں نے دور جاہلی کے مختلف پہلوؤں پر خوب لکھا ہے مگر ان لکھنے والوں میں ایسے دانشور نہیں' جنہیں علم کتب خانہ میں درک ہو' نہ علم کتب خانے میں ان کے یہاں ایسے جامع محققین ہی ہیں جنہیں شرعی علوم میں گہری بصیرت و مناسبت ہو اس لئے دور جاہلی کے کتب خانوں پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔

عصر حاضر میں عربوں میں علم کتب خانہ کا تعلیمی شعبہ کم و بیش ملک کی ہر بڑی یونیورسٹی میں قائم ہے اور ان میں اچھے لکھنے والے ہیں مگر ان کے بیشتر موضوعات عصر حاضر کے موضوعات ہیں ان کا اسلامی علوم کا علمی پس منظر زیادہ وسیع نہیں اور نہ انہیں ان علوم میں اختصاص حاصل ہے' اس لئے ان کی تالیفات ان تاریخی و ثقافتی مباحث سے یکسر خالی ہیں۔

ان وجوہ سے ماقبل اسلام کے عربوں کی تاریخ کتب خانہ کا باب اب تک ان کے یہاں زیر بحث نہیں آسکا' حالانکہ یہ بدیہی امر ہے کہ علم اور کتب خانے کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔

عہد جاہلی کے کتب خانوں سے عدم اعتناء کے وجوہ و اسباب:

یہی وجہ ہے کہ مشرق و مغرب کے بعض معاصر محققین نے عہد اسلامی کے کتب خانوں کا آغاز دور اموی سے بیان کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ عہد رسالت میں اسلامی کتب خانوں کی داغ بیل پڑ چکی تھی جیساکہ راقم السطور نے علم کتب خانہ میں ایم ۔ اے کی ڈگری کے لئے جو تحقیقی مقالہ بعنوان عہد رسالت سے دور اموی تک اسلامی کتب خانوں کا ارتقاء' شعبہ علم کتب خانہ جامعہ کراچی ۱۹۷۰ء میں پیش کیا تھا' اس میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔

معلوم ہوتا ہے مواد کی کمی و کمیابی محققین عصر کو اس موضوع پر قلم اٹھانے سے مانع رہی اور دور جاہلی کے کتب خانے علم کتب خانے کی تاریخ کے مشکلات فن میں سے ایک مشکل کی حیثیت اختیار کر گئے' اسے حل کرنا ہمارے ارباب تحقیق کا کام تھا لیکن میرے علم میں نہیں کہ اسلامی دنیا میں یا یورپ و امریکہ میں کسی نے اس طرف توجہ کی ہو۔

عصر حاضر میں جن ارباب تحقیق نے عہد جاہلی پر کام کیا ہے اور مستقل تصانیف کی ہیں ان میں محمود آلوسی کی بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب اور موصوف کے شاگرد ڈاکٹر جواد علی کی تاریخ العرب قبل الاسلام جامع کتابیں ہیں اور انہیں استنادی حیثیت حاصل ہے لیکن وہ بھی اس قسم کے مباحث سے یکسر خالی ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلی میں دور جاہلی کی تاریخ پر کچھ نہیں لکھا گیا اس عہد کو جو بھی زندگی و شہرت ملی وہ اسلامی دور کی کتب تاریخ و تذکرہ سے ملی ان میں ضمناً دور

جاہلی کی باتوں کا ذکر آ گیا یا ان کی طرف اشارے کر دیئے گئے اس لئے اس موضوع سے متعلق معلومات بہت مختصر و منتشر ہیں' بہت محنت کے بعد بمشکل کچھ اشارات حسب ذیل ماخذوں سے مل سکتے ہیں۔

عہد جاہلی کے کتب خانوں کے بنیادی ماخذ:

ا۔ قرآن مجید ۲۔ کتب اسباب نزول ۳۔ کتب تفاسیر ۴۔ کتب سنن و آثار ۵۔ کتب شروح احادیث ۶۔ کتب سیرو مغازی ۷۔ کتب تاریخ و تذکرہ شعراء ۸۔ کتب ادب ۹۔ کتب امثال ۱۰۔ کتب لغت ۱۱۔ کتب جغرافیہ و بلدان۔ اس سلسلہ کی معلومات کے لئے مذکورہ بالا ماخذوں کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں کہیں علم کا چرچا ہو خواہ کم ہو یا زیادہ وہاں کتب خانہ ضرور پایا گیا' سامان کتابت و قرات جس ہیئت و صورت میں پایا گیا کتب خانہ بھی کم و بیش اسی ہیئت و صورت میں موجود رہا اگر کسی قوم میں کتابت و قرات کا رواج کم ہو یا وہ حافظہ پر اعتماد کے مقابلہ میں لکھنے کو ننگ و عار سمجھے(۸) اور زبانی علم کو فروغ دیتی اور اپنا ثقافتی ورثہ ایک دوسرے کو زبانی منتقل کر کے سینہ بسینہ اس کا تحفظ کرتی ہو جیسا کہ دور جاہلی میں عربوں کا دستور تھا' (۹) ایسے معاشرے میں کتب خانے کم پائے جائیں گے۔

ایسے معاشرہ میں علماء و ادباء کے صدور (سینوں) کو "خزائن العلم" کتب خانے سمجھا اور کہا جاتا تھا(۱۰) دنیا کی جس قوم میں بھی نوشت و خواند کا رواج تھا اس قوم میں کتب خانے کتابی صورت میں پائے جاتے تھے خواہ اس قوم کے کسی مخصوص طبقہ میں تعلیم محدود رہی ہو۔

دور جاہلی میں قرات و کتابت اور کتب خانوں کی قلت کے اسباب:

جیسا کہ گزر چکا عہد جاہلی میں نوشت و خواند کا رواج عربوں میں کم ہی تھا اس نسبت سے اس معاشرہ میں کتب خانے بھی کم پائے جاتے تھے' اس کے حسب ذیل وجوہ و اسباب تھے۔

ا۔ ان کے ذرائع آمدنی محدود تھے۔

۲۔ سامان کتابت کی قلت تھی۔

۳۔ سامان کتابت کی فراہمی میں دشواری تھی۔

۴۔ پھربات بات پر معرکہ آرائی کی وجہ سے ثقافتی ورثہ کا تحفظ بھی ان کے لئے بہت مشکل کام تھا بدووں کا مستقل قیام بھی کم ہی کسی جگہ ہوتا تھا۔

۵۔ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کا زمانہ ہر اعتبار سے تکمیل کا محتاج تھا اس میں ہر چیز اپنے ابتدائی مدارج سے گزر رہی تھی، علم و فن کا بھی یہی حال تھا وہ بھی انہی مراحل سے گزر رہا تھا چنانچہ گزشتہ متمدن اقوام کا علمی و ثقافتی ورثہ بھی بہت ہی کم اور بمشکل محفوظ رہ سکا جو موجود ہے وہ آثار قدیمہ کی حیثیت سے دنیا کے عجائب گھروں کی زینت بنا ہوا ہے اور اس کی حیثیت ایک یادگار سے زیادہ نہیں' عربوں کی بیشتر آبادی صحرائی تھی ان کا کوئی مستقل مستقر اور ٹھکانہ نہیں تھا' جہاں پانی چارہ دیکھا بسیرا کیا پھر آگے کا راستہ لیا ایسی معاشرت میں کسی چیز کی حفاظت کیونکر ہو سکتی تھی۔

مکہ' مدینہ' طائف اور انبار میں بعض مدارس تھے جہاں نوشت و خواند کا انتظام تھا اساتذہ اس خدمت پر مامور تھے' چنانچہ مورخ محمد ابن حبیب نے کتاب المحبر میں دور جاہلی اور ابتداء عہد اسلامی کے بعض اساتذہ و معلمین کے متعدد نام گنوائے ہیں (۱۱)۔

عربوں کے مشہور شہر :

عربوں کے مشہور شہر تین تھے ا۔مکہ ۲۔مدینہ ۳۔طائف انہی شہروں میں کچھ پڑھے لکھے افراد پائے جاتے تھے' ان کے پاس یا پھر ان شعراء کے پاس جن کی شاہان حیرہ وغیرہ کے دربار سے وابستگی تھی' تھوڑا بہت ثقافتی ورثہ موجود تھا۔

عہد جاہلی کی وسعت اور ثقافتی و علمی سرمایہ کی قلت:

دور جاہلی اگرچہ وسیع تر زمانہ ہے لیکن اس دور کا علمی سرمایہ جو ہم تک پہنچ سکا ہے' وہ ڈیڑھ دو سو سال سے زیادہ قدیم نہیں (۱۲) وہ زیادہ تر ان اسی (۸۰) نوے (۹۰) شاعروں کے دواوین پر مشتمل ہے جن کا تعلق مختلف عرب قبائل سے تھا جنہیں ابو عمرو شیبانی (۹۴ ۔ ۲۰۶ھ ۔ ۷۱۳ ۔ ۸۲۵ء)۔ نے ترتیب دیا تھا (۱۳) جن میں غالباً بیشتر قدیم شعراء تھے' اس دور کے جن نامور شاعروں کا تذکرہ ارباب تحقیق کو مل سکا ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے جیسا کہ ابن سلام جمحی کے طبقات فحول الشعراء اور اصمعی کے فحولۃ الشعراء کے مطالعہ سے عیاں ہے' ممکن ہے ان میں

سے بیشتر کے پاس ذاتی کتب خانے ہوں مگر ہمیں تحقیق و جستجو سے جن کتب خانوں کا سراغ لگ سکا ہے وہ بہت کم ہیں اس لئے کہ ان کے کلام کا بیشتر حصہ جو اہل علم کے حافظوں میں محفوظ تھا اسلامی فتوحات و غزوات میں ان کی شرکت و شہادت سے وہ سینوں سے سفینوں میں منتقل نہیں ہو سکا اور انہی کے ساتھ قبروں میں چلا گیا۔ (۱۴)

تاہم قلیل تعداد بھی عربوں میں ذاتی کتب خانوں کے پائے جانے کا نہایت واضح ثبوت ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دور جاہلی میں بھی کتابت و قرات عربوں میں ان کے کمال علمی کی دلیل تھی۔ اس معاشرہ میں پڑھے لکھے خال خال تھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے پاس لکھنے پڑھنے کا سامان کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا جس سے ان کی علمی استعداد برقرار رہتی اور ذوق علمی کو تسکین حاصل ہوتی تھی ایسے تمام تعلیم یافتہ افراد کے پاس جس شکل میں بھی تحریری سرمایہ موجود تھا وہ دور جاہلی کے کتب خانوں کے زمرہ میں داخل ہے، وہ علمی و ثقافتی ذخیرہ ان کا ذاتی کتب خانہ تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ دور جاہلی میں ثقافتی ورثہ کتب خانہ انہی "مردان کامل" کے پاس موجود تھا۔

عوامی و نیم عوامی کتب خانوں کے فقدان کی وجہ:

دور جاہلی میں تعلیم کا رواج کم تھا اس لئے عوامی یا نیم عوامی قسم کے کتب خانوں کا ہمیں سراغ نہیں لگ سکا، ممکن ہے جن مکاتب و مدارس میں تعلیم کا انتظام ہو ان میں کچھ سامان کتابت و قرات بھی رکھا جاتا ہو، اس سے اساتذہ اہل علم اور طلبہ استفادہ کرتے ہوں، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاہی اور انفرادی و اختصاصی کتب خانے دور جاہلی میں موجود تھے۔

وہ مردان کامل جن کے متعلق ہمیں تاریخ و تذکرہ میں اس امر کی شہادت مل سکی کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے اور لکھتے پڑھتے رہتے تھے یہ امران کے پاس علمی و ثقافتی ورثہ "کتب خانہ" ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ایسے مردان کامل کے لئے مورخین و تذکرہ نگار جو گوناگوں تعبیرات اور جملے استعمال

کرتے ہیں وہ ہدیہ ناظرین ہیں چنانچہ وہ کسی کے متعلق لکھتے ہیں:

۱۔ حصل الکتب، وعلم علما کثیرا [۱۵]

اس نے کتابیں جمع کیں اور بہت زیادہ علم حاصل کیا۔

۲۔ کسی کی نسبت کہتے ہیں

کان ممن قرا الکتب [۱۶]

وہ ان میں سے تھا جنہوں نے کتابیں پڑھی تھیں۔

۳۔ کسی کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں۔

نظر الکتب و قراھا [۱۷]

اس نے کتابیں دیکھی تھیں اور انہیں پڑھا تھا۔

۴۔ کسی کی علمی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

کان .. یاخذھا (الفاظا) کثیرۃ من الکتب (المتقدمۃ و باحادیث من احادیث اھل الکتاب [۱۸]

وہ کتب قدیمہ سے زیادہ الفاظ لیکر اشعار میں استعمال کرتا تھا اور اہل کتاب کی داستانوں کی تلمیحات استعمال میں لاتا تھا (جسے عرب سمجھ نہیں پاتے تھے)۔

۵۔ کسی کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

کانت تنظر فی الکتب [۱۹]

وہ خاتون کتابوں کا مطالعہ کرتی تھی۔

۶۔ کسی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کانت قد قرات الکتب [۲۰]

اس خاتون نے کتابیں پڑھیں اور ان کا مطالعہ کیا تھا۔

۷۔ کسی کے متعلق لکھتے ہیں۔

كان يكتب بالعربية (۲۱)

وہ عربی میں لکھتا تھا۔

۸۔ کسی دانشور و حکیم کا اپنے تحریری سرمایہ کو "کنز العلم" خزانہ علمی کے الفاظ سے یاد کرنا۔ (۲۲)

شاہان وقت کا کسی حکیم و دانشمند سے اس کے حکیمانہ اور زریں اقوال قلمبند کراکر منگوانا (۲۳)

شناخت کتب خانہ کے مذکورہ بالا وہ اصول ہیں جو ہم نے تاریخ و سیر کی کتابوں کے مسلسل مطالعہ اور تتبع و استقراء سے معلوم کئے ہیں جن کی روشنی میں ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مورخین کا یہ اسلوب بیان دور جاہلی کے ادباء' شعراء اور علماء و حکماء اور دانشوروں کے پاس کتب خانہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔

دور جاہلی کے کتب خانوں میں انہی دانشوروں' شاعروں' سحرطراز خطیبوں اور تعلیم یافتہ شخصیات کے علمی ذخیروں کو قابل التفات سمجھا گیا ہے۔ جن کے متعلق مورخین و تذکرہ نگاروں نے تصریح کی ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے' یا ایسے قرائن و شواہد پائے گئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھتے لکھتے تھے جاہلی معاشرے میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا اس لئے ان کا علمی و ثقافتی ورثہ بھی قلیل تھا تاہم ایسے معاشرہ میں تھوڑا بہت ذخیرہ بھی ان کے پاس علمی خزانے اور کتب خانے کی موجودگی کا بین ثبوت ہے۔

ہمیں جستجو' مسلسل مطالعہ اور استقراء و تتبع سے جن ارباب علم و فضل کے متعلق معلومات فراہم ہو سکی ہیں انہی منتشر اور گوناگوں معلومات سے یہ گلدستہ تیار کیا گیا ہے۔

دور جاہلی میں بعض نہایت نامور ارباب علم و کمال اور شاعر گزرے ہیں لیکن جن کے متعلق ارباب تذکرہ نگار نے لکھنے پڑھنے کی تصریح نہیں کی یا شواہد و قرائن نہیں مل سکے انہیں اس بزم میں شامل نہیں کیا گیا۔

وہ شعراء حکماء اور ارباب علم جن کا بیشتر زمانہ' دور جاہلی میں گزرا اور مورخین و تذکرہ نگاروں نے انہیں دور جاہلی کی کامل ترین شخصیات میں شمار کیا ان کو دور جاہلی میں داخل کیا گیا

ہے' حالانکہ ان میں سے بعض نے جاہلی و اسلامی دونوں زمانے پائے ہیں انہیں مخضرمین میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان کا زیادہ تر زمانہ دور جاہلی میں بسر ہوا اور انہوں نے لکھنے پڑھنے میں کمال بھی اسی زمانے میں حاصل کیا تھا جیسا کہ مورخین کی تصریحات سے عیاں ہے اس لئے انہیں دور جاہلی کے علماء و فضلاء میں اور ان کے علمی ذخیرے کو دور جاہلی کے کتب خانوں میں شمار کیا گیا یہ امر ان کے علم و کتب سے شغف و محبت کا نہایت واضح ثبوت ہے۔

اس مختصر مقالے میں دور جاہلی کے کل اٹھائیس(۲۸) کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں مکہ کے چھ کتب خانے ہیں' ان میں دو(۲) خواتین کے کتب خانے تھے جو اس امر کی نہایت روشن دلیل ہے کہ دور جاہلی میں قریش کا معاشرہ عرب کے دیگر قبائل کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ معاشرہ تھا کہ اس میں خواتین بھی اپنا ذاتی کتب خانہ رکھتی تھیں' جس سے مشہور امام لغت احمد بن فارس" کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ دور جاہلی میں عرب معاشرہ اہل علم اور تعلیم یافتہ خواتین سے بھی خالی نہ تھا' صرف کم و بیش کا فرق تھا۔

طائف میں ایک کتب خانہ' مدینہ میں چھ کتب خانے نجد میں سات' نجران اور یمن میں ایک ایک کتب خانہ' حیرہ (عراق) میں چار کتب خانے اور شام میں ایک کتب خانہ تھا مذکورہ بالا تعداد سے دور جاہلی میں عربوں کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کعبتہ اللہ علم و آگہی کا مرکز اولین:

عہد جاہلی میں مکہ میں کعبتہ اللہ عربوں کے علم و آگہی کا اولین مرکز تھا جو ان کے دل و دماغ کو علم کی روشنی عطا کرتا اور روح کو تازگی و طمانیت بخشتا تھا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں وہ کتب خانے کے تمام وظائف' تعلیم' تحقیق' اطلاعات اور ذوق جمال کی تسکین کا سامان فراہم کرتا تھا اس لئے عرب جن کا اصل علمی سرمایہ شعر و شاعری تھا جسے "دیوان العرب" کہا جاتا ہے دور جاہلی میں وہ اپنے نامور شعراء کے بے نظیر و معرکتہ الاراء قصائد ایام حج میں در کعبہ پر آویزاں کرتے رہے ہوں تو کچھ بعید نہیں' جو تاریخ میں معلقات کے نام سے مشہور ہیں (۲۴) گو بعض محققین کو اس امر سے انکار ہے لیکن ان کے دلائل بھی اس باب میں قطعی و حتمی نہیں' انہی وجوہ سے محقق عصر عبدالسلام محمد ہارون نے لکھا ہے۔

معلقات کی وجہ تسمیہ کی صحت یا اس کی جرح پر اگر وہ صحیح تسلیم کی جائے تو بھی قطعی

فیصلہ ممکن نہیں، اس باب میں کسی ایک قول کو ترجیح دینا ہو گی، میں نے اس موضوع پر معاصرین کی بحثوں کو پڑھا بعض نے تائید کی، بعض نے تردید کی ہے لیکن میں اس بحث میں کسی سے مطمئن نہیں ہو سکا، میں یہی کہتا ہوں کہ یہ قدیم ادب کی مشکلات میں سے ایک مشکل ہے (۲۵) تاہم اس تاریخی حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ اسلام کی آمد سے قبل دور جاہلی میں خزاعہ اور عبدالمطلب کے مابین جو عہد نامہ ہوا وہ ابو قیس بن عبد مناف نے تحریر کیا اسے در کعبہ پر آویزاں کیا تھا (۲۶) اور اس کے بعد سن سات نبوی میں مسلمانوں کے مقاطعہ کا تحریری معاہدہ بھی در کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا (۲۷) یہ تاریخی واقعے اس امر کے شاہد ہیں کہ عربوں میں تحریری دستاویزوں کو در کعبہ پر آویزاں کرنے کا دستور تھا جس کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ اسلام میں کعبہ کو علم و آگہی کا اولین مرکز و منبع کہا جا سکتا ہے اور یہی اساس کتب خانہ ہے۔

تحریری مواد:

دور جاہلی اور آغاز دور اسلامی میں لکڑی کے پتلے لمبے ٹکڑوں، ریشمی کپڑوں یا چمڑے کے لمبے ٹکڑوں پر لکھا جاتا تھا، لکڑی کے ٹکڑوں کو یکجا کر کے چھت سے اور ریشمی پارچہ جات اور چمڑوں کے ٹکڑوں کو لکڑی سے لپیٹ کر یا کبھی تلوار کے دستہ میں رکھ کر چھت یا دیوار سے لٹکا دیتے تھے، لپیٹ کر رکھنے میں زیادہ علمی ذخیرہ تھوڑی جگہ میں آ جاتا تھا اور علمی ورثہ چوہوں، کیڑوں اور دیمک کی دسترس سے محفوظ رہتا تھا نیز آتے جاتے اس پر نظر رہتی تھی، دیمک یا کیڑا لگتا تو جلدی اور آسانی سے اس کا تدارک کیا جا سکتا تھا (۲۸) معلوم ہوتا ہے آیہ شریفہ "یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب ط" (الانبیاء:۱۰۴) جس روز ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے لپیٹتے ہیں طور میں کاغذ غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔

اس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ دور جاہلی اور آغاز دور اسلامی میں کتابوں کی تقطیع مستطیل ہوتی تھی انہیں لپیٹ کر رکھا جاتا تھا۔

کتابوں کی تقطیع میں تبدیلی اور ذخائر کی وضع و ترتیب میں انقلابی تبدیلی کاغذ کی ایجاد کے بعد آئی ہے۔

مکہ میں کتب خانے

ا۔ زید بن عمرو کا کتب خانہ:

زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ قرشی عدوی یہ زمانہ جاہلی کا دانشور عالم و شاعر تھا اس نے نصرانیوں اور یہودیوں کی مذہبی کتابیں پڑھی تھیں' یہ لوگوں کو بت پرستی' بتوں کے نام نذر نیاز کرنے اور لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے سے روکتا تھا انہیں دین ابراہیمی کی طرف بلاتا تھا۔ شام بھی گیا تھا وہاں اس نے راہبوں کی عبادت کا طریقہ دیکھا اور سیکھا تھا لیکن ورقہ کی طرح یہودیت یا نصرانیت قبول نہیں کی تھی' یہ مکہ آیا اور دین حنیفی پر قائم رہا اس کی طرف قریش کو دعوت دیتا تھا اس لئے وہ اس کے مخالف تھے انہوں نے اسے مکہ سے نکال دیا یہ حراء کی طرف چلا گیا خطاب جو اس کے چچا تھے دن میں اسے مکہ میں نہیں آنے دیتے تھے یہ رات میں آتا تھا۔

اس نے ورقہ کا مرثیہ لکھا تھا' رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تھا اور اس کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ قیامت کے دن امۃ واحدہ بن کر اٹھے گا' (۲۹)

۲۔ نضر بن الحارث بن علقمہ قرشی کا اختصاصی کتب خانہ:

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خالہ زاد بھائی (۳۰) بہادر اور سرداران قریش میں سے تھا۔ نضر اور اس کا باپ دونوں پڑھے لکھے اور دانشور تھے فارسی پر بھی اسے عبور حاصل تھا یہ بڑا عیار اور آپ کا جانی دشمن تھا' آپ کی عداوت میں یہودیوں اور نصرانیوں سے میل جول رکھتا (۳۱) بانسری فارسی سروں میں خوب بجاتا تھا (۳۲) جنگ بدر میں کفار کا جھنڈا اٹھائے لڑنے آیا تھا مسلمانوں کے ہاتھوں کا ہی زخم کھا کر گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا جب الکتاب کی تعلیمات سے عربوں کی زندگی میں انقلاب رونما ہونے لگا اس کی دل آویزی انہیں اپنا اسیر کرنے لگی وہ اسلام قبول کرتے اور مصائب و تکالیف جھیلنے لگے تو اس کی حمیت جاہلیت جاگ اٹھی اس نے وحی الٰہی کے مقابلہ میں جاہلی لٹریچر ایرانی داستانیں اور لایعنی قصے "لہو الحدیث" ان کے سامنے پیش کرنے شروع کئے جو اس کے پاس ذخیرہ تھے' یہ قریش سے کہتا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عاد ثمود کی داستان سنتے ہو' آو میں تمھیں شاہان فارس اور رستم واسفندیار کے قصے سناتا ہوں اس طرح یہ

لوگوں کو راہ راست سے روکتا تھا (۳۳) انہی وجوہ سے محمد بن حبیب نے اس کا شمار زنادقہ قریش میں کیا ہے (۳۴)۔

یہ اہل مکہ سے کہتا تھا:

واللہ ما محمد باحسن حدیثا منی وماحدیثہ الا اساطیر الاولین اکتتبھا کما اکتتبھا (۳۵)

واللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں میری باتوں سے زیادہ اچھی نہیں' ان کی باتیں داستان پارینہ ہیں انہوں نے وہ لکھوا کر محفوظ کرالی ہیں جیسا کہ میں تمھیں لکھوا کر انہیں محفوظ کراتا ہوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے اس زمانے میں وہ پڑھے لکھے جن کی معلومات اقوام و ادیان اور اہل کتاب کے متعلق زیادہ نہ تھیں اور اگر تھیں بھی تو اہل فارس کی تاریخی معلومات بالکل نہ تھیں' وہ اس کی مجلس میں بیٹھ کر یہ معلومات قلمبند کرتے اور اپنے کتب خانے میں اضافہ کرتے تھے۔

اس طرح ایک کتب خانے کے ذخائر سے دوسرے کتب خانے بنتے رہتے تھے اور کتابوں میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

۳۔ الحارث بن علقمہ قرشی کا کتب خانہ:

یہ نضر کا باپ اور پڑھا لکھا تھا کتابیں نقل کرتا اور شام وحیرہ سے جو اس دور میں کتابوں کے مرکز تھے' کتابیں خرید کر جمع کرتا تھا' اس کے پاس عربوں کے ادب و تاریخ کے علاوہ ملوک حیرہ و شاہان فارس کی تاریخ و ادب کا ذخیرہ بھی محفوظ تھا۔ اس لئے اس کے کتب خانے کو اختصاصی کتب خانے کی حیثیت حاصل تھی۔

دور جاہلی میں جن چند قریشی کتب خانوں کا سراغ لگ سکا ان میں الحارث بن علقمہ اور اس کے فرزند نضر کا کتب خانہ متنوع علوم کے اعتبار سے اپنی نوعیت کے واحد کتب خانے قرار دیئے جا سکتے ہیں نیز مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں الحارث اور نضر کا کتب خانہ عجمیوں کی تاریخی داستانوں اور کارناموں پر مشتمل تھا۔

۴۔ ورقہ بن نوفل کا کتب خانہ:

یہ عالم و دانشور اور ذبیحہ و بت پرستی سے گریزاں تھا تلاش حق میں نصرانی مذہب اختیار کیا سریانی' عبرانی اور عربی تینوں زبان کا ماہر تھا کتب سماوی کا مطالعہ کیا تھا اور کتابیں پڑھتا رہتا تھا' انجیل کا عبرانی سے عربی میں ترجمہ شروع کیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں پورا بھی کر سکا تھا یا نہیں؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کا ذاتی ذخیرہ کتب عبرانی اور عربی زبانوں کے ادب تاریخ اور مذہبی کتابوں پر مشتمل تھا۔ نصرانی سریانی میں لکھتے اور یثرب کے یہودی عبرانی میں تورات کی تفسیر کرتے تھے اس لئے کچھ بعید نہیں کہ موصوف سریانی بھی جانتے ہوں اور سریانی ادب کا ذخیرہ بھی ورقہ کے پاس موجود ہو (۳۶)۔

مورج بن عمرو سدوسی نے "کتاب حذف من نسب قریش" میں موصوف کے متعلق تصریح کی ہے کان ممن قرا الکتب (۳۷) یہ ان دانشوروں میں سے تھے جنہوں نے کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔

رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی اتری اور اس کا ماجرا حضرت خدیجہؓ کو سنایا' وہ آپؐ کو اس کے پاس لے کر آئی تھیں جس کا تفصیلی ذکر صحیح البخاری میں مذکور ہے۔ (۳۸)' اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی زمانہ پایا تھا۔ لیکن اس کے اسلام میں اختلاف ہے بعض علماء ایمان کے قائل اور بعض منکر ہیں' مورخ ذھبی' سیر اعلام النبلاء میں رقمطراز ہیں۔

اما ورقة فتنصر واستحكم فى النصرانية وحصل الكتب وعلم علما كثيرا' ورقة لو ادرک هذا (تعذيب بلال) يعد من الصحابة' وانما مات الرجل فى فترة الوحى بعد النبوة وقبل الرسالة (الدعوة) كما فى الصحيح (۳۹)

لیکن ورقہ نے نصرانی مذہب اختیار کیا اور اس پر قائم رہا کتابیں جمع کیں اور بہت علم حاصل کیا' ورقہ نے اگر حضرت بلالؓ کی کفار کے ہاتھوں ایذا رسانی کا زمانہ پایا ہوتا تو اس کا شمار صحابہ میں کیا جاتا یہ نبوت کے بعد اور قبل دعوت رسالت فترہ وحی کے زمانے میں مرگیا جیسا کہ صحیح میں مذکور ہے۔

حصل الکتب و علم علما کثیرا کے مذکورہ بالا الفاظ اس کے پاس کتب خانہ ہونے کا بین

ثبوت ہیں۔

مورخین جو اس کے اسلام کے قائل ہیں ان کی تحقیق کے مطابق صحابہؓ میں سب سے پہلا نجی کتب خانہ ورقہ بن نوفل کا قرار پاتا ہے (۴۰)

دور جاہلی کے کتب خانوں میں موصوف کے کتب خانے کو اختصاصی کتب خانہ کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس میں مختلف زبانوں میں مذہبی لٹریچر موجود تھا۔

مکہ میں خواتین کے کتب خانے

فاطمہ بنت مرخشعمیہ کا کتب خانہ

یہ عبداللہ بن عبدالمطلب کی معاصر تھی، پڑھی لکھی شاعرہ اور نہایت حسین و جمیل خاتون تھی، چنانچہ ہشام بن محمد بن السائب کلبی، ابوالفیاض خشعمی سے ناقل ہے۔

وكانت قد قرات الكتب (۴۱)

اور اس نے کتابیں پڑھی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے مکہ میں خواتین کے یہاں بھی شخصی کتب خانہ موجود تھا، اور مکہ میں یہ خواتین کا دوسرا کتب خانہ تھا۔

قریشی خاتون قتیلہ کا کتب خانہ:

یہ قریشی خاتون ورقہ کی ہمشیرہ دانشور و عالمہ تھی، موصوفہ کے پاس بھی کتابوں کا ذخیرہ تھا اس کا مطالعہ کرتی رہتی تھی چنانچہ مورخ واقدی کا بیان ہے۔

كانت تنظر فی الكتب (۴۲)

موصوفہ کتابوں کا مطالعہ کرتی رہتی تھیں۔

ڈاکٹر جواد علی کا خیال ہے کہ یہ سریانی اور عبرانی زبانیں بھی جانتی تھی (۴۳) بلکہ جب ورقہ کی بینائی جاتی رہی تھی یہی اسے مذہبی کتابیں پڑھ کر سناتی تھی۔

اس حقیقت کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قریش کی بعض خواتین کے پاس ذاتی کتب خانہ موجود تھا۔

طائف میں کتب خانہ

امیہ بن ابی الصلت کا کتب خانہ:

یہ ادیب، شاعر، حکیم، عالم و عابد تھا شراب و بت پرستی کو حرام سمجھتا تھا، روزے رکھتا تھا حشر و نشر کا قائل تھا، ٹاٹ جیسا لباس پہنتا تھا، اس کا باپ اور بیٹا قاسم بھی شاعر تھے یہ اور ورقہ دونوں تلاش حق میں شام گئے تھے (۴۴) غالباً وہاں سے یہ کتابیں لایا تھا، دینی کتابیں پڑھتا تھا اس کا مطالعہ وسیع تھا چنانچہ زبیر بن بکار نے اپنے چچا سے نقل کیا ہے۔

کان امیۃ فی الجاھلیۃ نظر الکتب وقراھا (۴۵)

امیہ نے دور جاہلی میں کتابوں کا مطالعہ کیا اور دینی کتابوں کو پڑھا تھا۔

اس نے دینی کتابوں کا اتنا گہرا مطالعہ کیا تھا کہ اپنے اشعار میں کتب قدیمہ کے ایسے الفاظ اور تلمیحات استعمال کرتا تھا جنہیں وہ سمجھتا تھا یا کچھ وہ سمجھ سکتے تھے جن کی نظر مذہبی لٹریچر پر تھی مگر عام عرب ان کو نہیں جانتے تھے، انہی وجوہ سے ائمہ لغت اس کے اشعار سے استدلال نہیں کرتے۔

اس نے عرب میں سب سے پہلے سرنامہ پر باسمک اللھم (اے اللہ میں تیرے نام سے کام کا آغاز کرتا ہوں) لکھا اور پھر قریش نے بھی سرنامہ پر یہی لکھنا شروع کیا (۴۶)۔

اس سے ثابت ہوتا کہ موصوف کے پاس مراسلات اور کتابوں کا ذخیرہ تھا۔

مدینہ میں کتب خانے:

حضرت ابی بن کعب انصاری کا کتب خانہ:

دور جاہلی میں پڑھے لکھے اور دانشوروں میں ان کا شمار تھا، مورخ ابن سعد کا بیان ہے۔

اور ابی، اسلام سے پہلے جاہلیت میں لکھتے پڑھتے تھے اور عرب میں لکھنے پڑھنے کا چلن کم تھا، اور موصوف اسلام کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی (قرآن) لکھتے تھے۔ (۴۷)

مورخ ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں تصریح کی ہے کہ موصوف نے سب سے پہلے وحی کی

کتابت کی اور کتب فلاں بن فلاں' فلاں کی طرف سے فلاں کو لکھا گیا کا سلسلہ شروع کیا تھا (۴۸)

خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعب کتب قدیمہ کے بھی عالم تھے (۴۹) اسلام لائے تو بدر و احد اور دوسرے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے' آپ ؐ نے انہیں "سید القراء" (قاریوں کا سردار) کالقب دیا' قرآن کا کاتب بنایا ان چار یا چھ صحابہ ؓ میں ان کا شمار ہے جنہوں نے عہد رسالت میں قرآن جمع اور یاد کیا تھا اور ان مجتہدین و حفاظ حدیث میں سے ہیں جو عہد رسالت میں فتوی دیتے تھے اور قرآن جمع کیا تھا (۵۰) ۔

موصوف کا مصحف محمد بن عبدالملک انصاری کے پاس "قریہ الانصار" میں جو بصرہ سے دو فرسخ کی مسافت پر واقع تھا موجود تھا۔ ابن الندیم نے اس کو دیکھا تھا کتاب الفہرست میں اس کا اس نے تعارف کرایا ہے (۵۱) ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب کے پاس کتابی ذخیرہ موجود تھا اور ان کا مصحف چوتھی صدی ہجری تک بصرہ میں محفوظ تھا۔

بشیر بن سعد خزرجی انصاری کا کتب خانہ:

زمانہ جاہلیت میں موصوف کا شمار ان تعلیم یافتہ افراد میں تھا جو لکھتے پڑھتے رہتے تھے' مورخ ابن سعد کا بیان ہے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ دور جاہلی میں عربی میں لکھتے پڑھتے تھے اور اس زمانے میں عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا (۵۲) ۔

اس سے ظاہر ہے کہ موصوف کے پاس کتابی ذخیرہ موجود تھا۔

حضرت بشیر بن سعد ؓ عبداللہ بن رواحہ کے بہنوئی تھے بدری صحابی ہیں تمام غزوات میں شرکت کی ۔ ۷ھ میں عمرۃ القضا کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف کو مدینہ کا گورنر بنایا تھا' انصار میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر ؓ سے انہی نے بیعت کی تھی ' عہد صدیقی میں جنگ یمامہ سے واپسی پر عین التمر میں شہادت پائی۔

ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے ان کے فرزند نعمان پیدا ہوئے تھے اور ابراہیم بن بشیر شاعر تھے۔ (۵۳)

ابو مالک رافع بن مالک بن عجلان خزرجی انصاری کا کتب خانہ:

عہد جاہلی کے مردان کامل پڑھے لکھے دانشوروں میں سے تھے' چنانچہ مورخ ابن سعد کا بیان ہے۔

> رافع بن مالک مردان کامل میں سے تھے' جاہلیت میں کامل وہ شخص ہوتا تھا جو لکھتا پڑھتا' تیرتا اور تیر اندازی خوب جانتا تھا۔ کتابت و قرات کا عرب قوم میں چلن کم تھا (۵۴) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موصوف کے پاس لکھنے پڑھنے کا ذخیرہ کتب خانہ موجود تھا۔ حضرت رافع اور معوذ بن عفرا انصار میں سب سے پہلے مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام لائے تھے' نقباء انصار میں ان کا شمار ہے یہ بدر میں شریک نہ ہو سکے لیکن ان کے فرزند رفاعہ اور حلاد شریک ہوئے تھے' احد میں شریک ہوئے اور شہادت پائی (۵۵)۔

سوید بن الصامت کا کتب خانہ:

زمانہ جاہلیت میں اس کا شمار مردان کامل (تعلیم یافتہ مہذب افراد میں تھا' مزید برآں یہ شعر گوئی' بہادری اور حسب و نسب میں بھی ممتاز تھا' مورخ ابن الاثیر اس کے متعلق اسد الغابہ میں رقمطراز ہیں۔

> کان شاعرا محسنا کثیر الحکم فی شعرہ' وکان قومہ یدعونہ الکامل لحکمۃ شعرہ' وشرفہ فیہم (۵۶)

> یہ اچھا شاعر تھا اپنے اشعار میں حکمت زیادہ بیان کرتا تھا' اس کی قوم اس مرد کامل کے پاس اس کے حکیمانہ اشعار اور اس کے شرف کی وجہ سے جو اسے اپنی قوم میں حاصل تھا آتی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلی میں تعلیم یافتہ افراد کو علم سے آراستہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں قدر و منزلت حاصل تھی اور لوگ ان سے استفادہ کی خاطر اس کے پاس آتے تھے' اخیر عمر میں حج و عمرہ کی غرض سے مکہ میں آیا اور دار بنی عمرو بن عوف میں ٹھہرا' رسالتماب

سے ملاقات ہوئی بہت بوڑھا تھا' آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اس نے کہا میرے پاس حکمت و دانائی کی کتاب ہے' آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے "مجلہ لقمان" پیش کیا آپ نے فرمایا میرے پاس اس سے بھی افضل و اعلیٰ کتاب "قرآن" ہے جو سراسر ہدایت و نور ہے۔

پھر یہ مدینہ چلا گیا مجذر بن زیاد نے اس خیال سے کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے جنگ بعاث (۵۷) سے قبل اسے مدینہ میں قتل کر دیا (۵۸)۔

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا اور سفر میں بھی کتاب ساتھ رکھتا تھا' اس سے ظاہر ہے کہ اس کے پاس بھی کتابوں کا ذخیرہ و کتب خانہ تھا' اور اس کا ذخیرہ کتب اختصاصی نوعیت کا تھا' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجلہ لقمان آخر عہد جاہلی تک موجود تھا۔

نیز اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر فن میں کتاب کہلانے کی مستحق وہی کتاب ہے جو رہنمائی و روشنی کا کام دے' ورنہ وہ کتاب' کتاب کہلانے کی مستحق نہیں۔

ابو محمد عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی' عہد جاہلی کے دانشور اور مردان کامل میں سے تھے' انصار کے نقیب اور بیعت عقبہ میں شریک تھے فتح مکہ کے سوا تمام غزوات میں شریک تھے' خزرجی فحول شعراء (نامور شعراء) میں حسان بن ثابت' کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ کا شمار ہے (۵۹) دربار رسالت کے شاعر تھے' ابن سعد کا بیان ہے۔

كان يكتب في الجاهلية وكانت الكتابة في العرب قليلة (۶۰)۔

یہ جاہلیت میں لکھتے پڑھتے تھے اور لکھنے پڑھنے کا عرب میں کم رواج تھا۔

سورۃ الشعراء کی مندرجہ ذیل آیات میں الا الذین امنوا میں جو استثناء ہے وہ انہی کے متعلق ہے

والشعرآء يتبعهم الغاون (۲۲۴)

اور رہے شاعر تو ان کی پیروی بد راہ لوگ کرتے ہیں

الم تر انهم في كل واد يهيمون (۲۲۵)

کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ (شاعر) ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں۔

الا الذين آمنوا و عملوا الصلحت وذكروا الله كثيرا وانتصروا من بعد ماظلموا (۲۲۷)

البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور بعد

اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا اس کا بدلہ لیا تو وہ اسی حکم میں داخل نہیں)۔

ابو عقیل لبید بن ربیعہ بن مالک عامری:

دور جاہلیت کے نامور شاعر شہسوار اور سخی تھے سبع معلقات میں چوتھا انہی کا معلقہ ہے' وفد بنی کلاب کے ہمراہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اسلام لائے پھر شعر گوئی چھوڑ دی 'کوفہ میں سکونت اختیار' کی دور جاہلی میں لکھتے پڑھتے تھے' حافظ ابن حجر کتاب الاصابہ میں رقمطراز ہیں۔

کان یومن بالبعث مثل غیرہ من عقلاء الجاھلیۃ کقیس بن ساعدۃ وزید بن عمرو

زمانہ جاہلیت میں حشر و نشر پر ایمان رکھتے جیسے جاہلی دانشور قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو وغیرہ رکھتے تھے'

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اصدق کلمۃ قالھا الشاعر الا کل شئی ماخلا اللہ باطل

سب سے زیادہ سچا کلمہ شاعر (لبید) کا یہ مصرعہ ہے سنو' اللہ کے ماسوا ہر چیز باطل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حاکم کوفہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ لبید اور اعتب عجلی نے جو کلام دور اسلامی میں کہا ہو قلمبند کراو' تو موصوف گھر میں گئے سورہ بقرہ و آل عمران لکھ کر پیش کی اور کہا اللہ تعالی کے کلام کے بعد میں نے شعر کہنا چھوڑ دیا' حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ اور بڑھا دیا (۶۱) ان کی بیٹی بھی شاعرہ تھیں (۶۲)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے شعر گوئی سے کنارہ کشی کے باوجود ان کے گھر میں سامان کتابت موجود تھا کچھ بعید نہیں کہ ثقافتی اور علمی ورثہ بھی نہاں خانہ میں محفوظ ہو۔

نجد میں کتب خانے

اکثم بن صیفی کا کتب خانہ:

جاحظ نے موصوف کا تعارف حسب ذیل الفاظ میں کرایا ہے۔

ومن الخطباء البلغاء و الحکام الروساء اکثم بن صیفی۔ (۶۳)

اور فصیح و بلیغ خطیبوں اور سردار حکام میں سے اکثم بن صیفی تھا۔

یہ عہد جاہلی کا نامور دانشور و حکیم تھا اس نے لمبی عمرپائی تھی اس کی حکمت آمیز باتیں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں شاہان وقت اس کے زرین اقوال اور ضرب الامثال کے شیدائی تھے (۶۴) چنانچہ شاہ نجران بادشاہ شام حارث بن ابی شمر غسانی (۰۰۰۔ ۸ھ = ۔۔۔ ۔ ۶۳۰ء) شاہ حیرہ نعمان بن منذر اس سے فرمائش کرتے تھے کہ اپنے اقوال زریں تحریر فرمائیں اور انہیں بھیج دیں۔ (۶۵)

اس نے اسلام کا ابتدائی زمانہ پایا اور اپنے قبیلہ کے سو افراد کے ہمراہ اسلام قبول کرنے کے لئے مدینہ آ رہا تھا کہ راستہ ہی میں مر گیا۔

اس کا پڑھنا لکھنا اور اپنے حکیمانہ اقوال قدر دانوں کی فرمائش پر انہیں بھیجنا اس کے پاس کتابی ذخیرہ کی نشاندہی کرتا ہے اس کا ذخیرہ شاہان وقت کے خطوط اور اس کے حکیمانہ اقوال پر مشتمل تھا اس میں اہل علم کی کتابیں بھی ہوں تو کچھ عجب نہیں۔

بجیر بن زہیر بن ابی سلمی کا کتب خانہ:

جیسا کہ معلوم ہے کہ زہیر بن ابی سلمی کا خانوادہ شاعروں اور پڑھے لکھوں کا گھرانہ تھا' بجیر دور جاہلی کا شاعر و کاتب تھا اس نے فتح مکہ ۸ ھ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا فتح مکہ و غزوہ حنین میں شریک رہے اور اس موقع پر شعر بھی کہے تھے اپنے بڑے بھائی کعب کے ان اشعار کا جو اس نے ان کے اسلام قبول کرنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلم خواتین کے متعلق کہے تھے ان کا منظوم جواب لکھ کر بھیجا تھا (۶۶)۔

اشعار کا منظوم تبادلہ ان کے پاس کتابی ذخیرہ کی موجودگی کو بتاتا ہے

حنظلہ بن الربیع بن صیفی تمیمی اسدی کا کتب خانہ:

عہد جاہلی کے پڑھنے لکھنے والوں میں ان کا شمار تھا مورخ ابن سعد موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مرتبہ خط لکھوایا تو ان کا نام ہی کاتب پڑ گیا حالانکہ عربوں میں نوشت و خواند کا رواج کم تھا (۶۷) موصوف اکثم بن صیفی کے جو دور جاہلی کا نامور دانشمند اور دانشور تھا' بھتیجے تھے' یہ پورا خانوادہ علمی گھرانہ تھا' جو اس امر کا شاہد ہے

کہ موصوف کے پاس پڑھنے لکھنے کا ذخیرہ و کتب خانہ تھا۔

ربیع بن زیاد بن عبداللہ بن سفیان عبسی:

یہ عہد جاہلی کا نامور شہسوار ' دانشور ' کاتب و شاعر تھا' سیاسی بصیرت و فراست رکھنے والے عربوں میں اس کا شمار تھا' یہ نعمان بن المنذر کے دربار سے وابستہ تھا۔ حرب داحس وغبرا (جو دوہم جدی قبیلوں عبس اور ذبیان کے مابین گھوڑ دوڑ میں ذرا سی بے قاعدگی پر چھڑی اور چالیس برس تک جاری) میں شریک تھا اس کا حضرت لبیدؓ سے نعمان کے دربار میں معرکہ رہا تھا (٦٨)

زہیر بن ابی سلمیٰ کا کتب خانہ:

دور جاہلی کے نامور شعراء میں اس کا شمار ہے (٦٩) اس کا معلقہ مشہور ہے' یہ اوس بن حجر تمیمی (۹۸ ۔ تقریباً ۲ ق ھ= ۵۳ ۔ تقریباً ٦۲۰ء) کے اشعار کا راوی اور خطیئہ جرول بن اویس عبسی (۰۰ ۔ ۴۵ھ) کا استاد تھا (۷۰) ' مالدار ' بردبار و پرہیزگار تھا (۷۱) اس کا خانوادہ' شاعروں کا گھرانہ تھا باپ ' ماموں بشامہ بن الغدیر ' بہن سلمیٰ اور خنساء بیٹے کعب و بجیر اور سالم (۷۲) پوتا' عقبہ شاعر تھے۔ (۷۳)

یہ اطراف مدینہ مزینہ میں پیدا ہوا اور حاجر (دیار نجد) میں رہا' مشہور ہے ایک ماہ میں ایک قصیدہ لکھتااور سال بھر اس میں غور و فکر کرتا تھا اس لئے اس کے قصائد حولیات (سالی قصائد) کہلاتے ہیں۔ (۷۴)

یہ ہرم بن سنان کی مدح میں قصائد لکھتا اور انعام پاتا تھا۔ اس کا خاندانی شاعرو راوی ہونا اور سال بھر قصیدہ پر غور کرنا' یہ تمام ایسے قرائن و شواہد ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اس کے پاس دواوین شعراء کے مجموعے اور کتابی ذخیرہ موجود تھا۔

ابو عبس عبدالرحمن بن جبراوسی (۷۵) کا کتب خانہ:

ابو عبس عبدالرحمن بن جبر بن عمرو اوسی موصوف دور جاہلی میں لکھتے پڑھتے تھے' مورخ ابن سعد کا بیان "اسلام سے قبل' ابو عبس عربی میں لکھتے پڑھتے تھے حالانکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا (۷٦)۔

اس سے ظاہر ہے کہ موصوف کے پاس بھی پڑھنے لکھنے کا ذخیرہ کتب خانہ موجود تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن جبر بدر اور دوسرے تمام معرکوں میں شریک رہے عہد عثمانی میں مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کئے گئے۔ ان کی قبر میں چار بدری صحابی '۱۔ ابو بردہ بن نیار' ۲۔ قتادہ بن النعمان ۳۔ اور محمد بن مسلم اور سلمہ بن سلامہ اترے تھے' یہ مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

کعب بن زہیر بن ابی سلمی کا کتب خانہ:

کعب اور اس کے چھوٹے بھائی بجیر کا قیام دیار غطفان ' نجد میں وادی القری اور جبال طے کے قریب تھا یہ دونوں بھائی ابرق العزاف جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے سے گزرے تو بجیر نے کعب سے کہا یہ بکریاں ہیں تم ذرا ٹھہرو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں سن کر آیا یہ جب دربار اقدس میں پہنچا تو اسلام کی دولت سے سرفراز ہوا کعب زیادہ انتظار نہ کر سکا اور چل دیا' اور چھوٹے بھائی کو منظوم خط لکھ کر بھیجا جس میں اس کے اسلام قبول کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلم خواتین پر طعن و تشنیع تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان اشعار کا علم ہوا تو آپ ؐ نے اس کا خون مباح کر دیا بجیرؓ نے اسے منظوم جواب لکھ کر بھیجا اور کہا تم توبہ کرو اسلام لاو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاف کر دیں گے' چنانچہ کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طائف سے واپسی پر ایسا ہی کیا وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا وہ اسے لے کر دربار اقدس میں آئے اور کہا ایک شخص اسلام لانا چاہتا ہے آپ ؐ نے ہاتھ بڑھایا اس نے کلمہ پڑھا پھر چہرے سے رومال ہٹایا تو آپ ؐ نے پوچھا تم نے وہ شعر کہے تھے کہنے لگے میں نے اس طرح سے کہے تھے پھر وہ مشہور قصیدہ پڑھا جو قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے جس پر آپ ؐ نے اپنی چادر اسے دے دی تھی۔ جسے بعد میں حضرت معاویہؓ نے اس کے ورثہ سے بیس ہزار درہم میں خریدا اسے خلفاء بنی امیہ عید کے دن عیدگاہ زیب تن کر کے جاتے تھے' پھر خلیفہ منصور عباسی نے اسے چالیس ہزار درہم میں خریدا۔ اور وہ بھی عید کے دن اسے جسم پر ڈال کر عیدگاہ جاتے تھے (۷۸)۔

کعب کا بیٹا عقبہ اور پوتا عوام بھی شاعر تھے۔ منظوم خطوط کا تبادلہ ان کے پاس منظوم مجموعوں کی نشاندہی کرتا اور کتابی ذخیرہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

معن بن عدی بن الجد ابن الجلان قضاعی عقبی:

معن دور جاہلی کے تعلیم یافتہ افراد میں سے تھے مورخ ابن سعد کا بیان ہے موصوف دور جاہلی میں عربی میں لکھتے پڑھتے تھے اور اس دور میں عرب میں لکھنا پڑھنا کم تھا (۷۹)۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے پاس بھی کتابی ذخیرہ موجود تھا۔

معن بدر اور دوسری تمام جنگوں میں رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے فرماتے تھے صحابہؓ تمنا کرتے تھے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مر جائیں تاکہ آپؐ کے بعد کسی آزمائش میں نہ پڑیں میں اسے پسند نہیں کرتا تھا کہ میں آپؐ سے پہلے مروں، میں چاہتا تھا کہ میں آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی اسی طرح تصدیق کروں جس طرح آپؐ کی زندگی میں آپ کی تصدیق کرتا تھا، مسیلمہ کذاب کے معرکہ میں لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھا۔

پادری قس بن ساعدہ کا کتب خانہ:

قس بن ساعدہ بن عمرو (۸۰) ایادی یہ عہد جاہلی کا نامور ادیب، شاعر، طراز خطیب اور دانشور تھا (۸۱) لمبی عمر پائی تھی، اخرت پر ایمان رکھتا تھا اس کے خطبات نثر جاہلی کے شاہکار ہیں، جنہیں عرب زبانی یاد کرتے اور قدر کرتے تھے رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں اسے سوق عکاظ میں دیکھا اور اس کا حکمت اموز خطبہ سنا تھا۔

(عرب میں سب سے پہلے اس نے عصا پر ہاتھ رکھ کر خطبہ دیا، خطبہ کا آغاز لفظ اما بعد سے کیا اور اپنے مکتوب میں من فلان الی فلان، فلاں کی طرف سے فلاں کے نام سے مکتوب کا آغاز کیا تھا (۸۲))

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم اس سے خط و کتابت کرتے تھے اور یہ انہیں جوابات دیتا تھا جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اس کے پاس تحریری سرمایہ اور کتب خانہ موجود تھا،

یمن میں کتب خانہ

المرقش الاکبر کا کتب خانہ:

المرقش الاکبر عوف بن سعد بن مالک بن ضیعہ الوائلی التمیمی یمن میں پیدا ہوا عراق میں تربیت پائی عہد جاہلی کے طبقہ اولی کا شاعر' ادیب و شجاع تھا۔ حارث بن ابی شمر غسانی کا ندیم و کاتب رہا' اس کے باپ نے اسے اور اس کے بھائی حرملہ کو حیرہ کے نصرانی سے لکھنے پڑھنے کے لئے بھیجا تھا۔ (۸۳)

مرقش اکبر اور مرقش اصغر ربیعہ بن سفیان کا اور وہ طرفہ العبد کا چچا تھا (۸۴) یہ اپنے اشعار قلمبند کرتا تھا' سفر میں ایک بار اس نے اپنے اشعار اونٹنی کے کجاوے پر لکھ لئے تھے (۸۵)۔

مذکورہ بالا تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پاس تحریری سرمایہ اور شخصی کتب خانہ موجود تھا نیز اس کے بھائی حرملہ کے پاس بھی کتب خانہ ہو تو کچھ عجب نہیں۔

حیرہ (عراق) میں کتب خانے

حیرہ میں عامر ابن الظرب کا کتب خانہ:

یہ زمانہ جاہلیت میں لمبی عمر پانے والوں میں تھا' دانشور' خطیب شاعر اور قبیلہ مضر کا قائد تھا۔ اس کے پاوں میں چھ انگلیاں تھی اس لئے اس کو ذوالاصبع (انگلی والا) کہا جاتا تھا (۸۶)۔ جاحظ نے اسے اسی زمرہ میں داخل کیا جس میں اکثم بن صیفی کو شمار کیا ہے (۸۷)۔ یہ فہم و فراست میں اپنے زمانے میں اپنی نظیر آپ تھا۔

اس کے پاس ضرب الامثال اور حکیمانہ اقوال کا مجموعہ موجود تھا' جب اسے شاہ غسان سے جان کا خطرہ ہوا تو یہ اس مجموعہ کو اپنی قیام گاہ پر چھوڑ کر بھاگا جسے اس نے "کنز العلم" خزانہ علم سے تعبیر کیا اور کہتا تھا جو اسے پڑھے گا اسے وہ کتاب اسی طرح بھائے گی جس طرح میرا علم لوگوں کو بھاتا اور پسند آتا ہے (۸۸)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حکمت آمیز کلام و کلمات کو ہر طبقہ میں شہرت وقبولیت حاصل تھی۔

عدی بن زید نصرانی کا کتب خانہ:

عدی بن زید بن حماد (۸۹) بن زید عبادی تمیمی نصرانی ' خوبصورت و دلاویز شخصیت رکھتا تھا ' دور جاہلی کا شاعر' کاتب ' دانشور ' عربی و فارسی کا ماہر کسری کے دربار میں پہلا عرب ترجمان تھا۔ (۹۰) ابن منظور افریقی مختار الاغانی میں اس کے متعلق رقمطراز ہے۔

> اس کے باپ نے اسے کاتبوں کے پاس چھوڑا تو اس نے لکھنا اور فارسی میں گفتگو کرنا سیکھ لیا تاآنکہ یہ پڑھے لکھوں میں سب سے زیادہ سمجھدار اور ان میں سب سے زیادہ فصیح عربی بولنے والا بن کر نکلا' اس نے شعر کہا اور کمان سے تیر چلانا سیکھا (۹۱) ۔

جو گویا مردان کامل کا شیوہ و امتیاز تھا اس میں دسترس حاصل کی ابن قتیبہ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ قد قرا الکتب (۹۲) اس نے کتابیں پڑھی تھیں۔

> اس نے کتابیں پڑھی تھیں کسری نے اسے شاہ روم طیبا یوس دوم Tiberius ii کے دربار میں سفیر بنا کر قسطنطنیہ بھیجا پھر یہ مدائن آیا اور اس نے شاہ نعمان بن المنذر کی بہن ہند سے شادی کی بعد میں حاسدوں نے نعمان کو اس کے خلاف بھڑکایا آخر اس نے حیرہ میں اسے قتل کرا دیا۔

یہاں کے دیہات میں اس کی آمد و رفت رہتی تھی اس لئے اس کی عربی نجد کی عربی نہیں رہ سکی تھی چنانچہ ائمہ لغت اس کے اشعار کو قابل استدلال واستشہاد تسلیم نہیں کرتے

اس کا خانوادہ شعراء کا خانوادہ تھا' اس کا باپ ' بھائی ' بیٹا زید شاعر و کاتب تھا' اس نے قید خانے سے اپنے بھائی کو قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا' اس کا کتب خانہ عربی فارسی ادب وغیرہ پر مشتمل تھا اور اسے ایک نوع کی اختصاصی حیثیت حاصل تھی'

لقیط بن یعمر کا کتب خانہ:

لقیط بن یعمر بن خارجہ ایادی یہ حیرہ کا باشندہ دور جاہلی کا کم گو شاعر تھا' عربی اور فارسی کا

ماہر تھا شاہان فارس میں سابور ذوالاکتاف کے دربار میں کاتب و ترجمان کے فرائض انجام دیتا تھا شاہ سابور نے جب اس کی قوم بنی ایاد پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے انہیں اس امر سے آگاہ کرنے کے لئے ایک منظوم خط لکھا وہ قاصد کے ہاتھ سے گرا اور سابور نے دیکھ لیا پھر اس نے اس کی زبان کٹوائی اور اسے قتل کرایا (۹۴)۔

لقیط دانشور کاتب و شاعر تھا یہ امر اس کے بایں تحریری سرمایہ کی نشاندہی کرتا اور اس کے شخصی کتب خانہ کو بتاتا ہے۔

شاہ نعمان بن المنذر کا کتب خانہ:

نعمان ابن المنذر ابن المنذر بن امری القیس لخمی یہ عہد جاہلی میں شاہان حیرہ میں نامور بادشاہ گزرے ہے' نابغہ ذبیانی' حسان بن ثابت اور حاتم طائی کا ممدوح رہا ۵۹۲ء میں باپ کی وفات کے بعد حیرہ (۹۵) کا فرمانروا ہوا۔

اس کا کتب خانہ تھا جس میں نامور شاعران عرب کے مدحیہ قصائد جو اس کے اور اس کے خاندان کے متعلق کہے گئے تھے۔ اس نے انہیں طنیوج (کراریس) پر نقل کرا کر قصر ابیض میں دفن کرا دیا تھا (تاکہ کوئی انہیں نہیں لیجا سکے اور نہ برباد کر سکے) اس سے معلوم ہوتا ہے اصل نسخے شاہی کتب خانے میں محفوظ تھے۔

دور اموی میں جب مختار بن ابی عبید ثقفی (۱ - ٦٧ ھ = ٦٢٢ - ٦٨٧ء) کو اس امر کی اطلاع دی گئی تو اس نے ان قصائد کو نکلوایا تھا (۹٦)۔

حیرہ کی نسبت سے اہل کوفہ شعر میں اہل بصرہ سے زیادہ عالم قرار دیئے جاتے تھے۔

شام میں کتب خانہ

شاہ شام حارث ابن ابی شمر غسانی کا کتب خانہ:

شعراء اس کے دربار میں اپنا کلام پیش کرتے تھے اور یہ حکماء و خطباء سے ان کے زریں اقوال لکھوا کر منگاتا (۹۸)' پڑھتا اور لطف اندوز ہوتا تھا اس کا کتب خانہ غوطہ دمشق میں تھا'

رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر شجاع بن وھب کے ذریعہ ایک خط اس کے نام بھیجا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی (۹۹)۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل شخصیات کے پاس بھی کتب خانہ ہونے کے کچھ اشارات ملتے ہیں۔

ابو قیس بن عبد مناف بن زھرہ المعلم (۱۰۰) عصر جاہلی میں کاتب و دانشور تھا خزاعہ اور عبدالمطلب کے مابین جو عہد نامہ ہوا تھا وہ اس نے لکھا تھا اور اسے در کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا۔ (مصادر الشعر الجاہلی الاسد ص ٦٦ بحوالہ دیوان حسان بن ثابت مخطوطہ احمد الثالث ورقہ ۱۵ و ۱٦) اس عہد نامہ کی کاپی خزاعہ کے پاس محفوظ تھی، خزاعہ نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر وہ عہد نامہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا تھا جسے حضرت ابی بن کعب نے پڑھ کر آپ ؐ کو سنایا تھا۔

حمیداللہ ، الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی و الخلافۃ الراشدہ ، القاہرہ ، لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر ، ۱۳۴۱ھ ، ص ۵۰ ، مصادر الشعر الجاہلی للاسد ص ٦٦

عبدالرحمن بن عوف بھی کاتب تھے، موصوف نے امیہ بن خلف سے جو معاہدہ کیا تھا، اسے قلمبند کیا تھا (الزمخشری، الفائق ۲/ ۲۹ (مادہ صوغ)

عبدالمطلب بھی پڑھے لکھے تھے چمڑے پر ان کی تحریر ابن الندیم نے دیکھی تھی، اس کا بیان ہے،

ان کا خط عورتوں کے خط سے ملتا جلتا تھا الفہرست ص ۷ و ۸ (طبع تجدد) حضرت زبرقان بن بدر بن امری القیس شاعر و کاتب تھے ارض بنی تمیم بادیہ بصرہ میں قیام پذیر تھے۔ (الاغانی ۲/ ۸۰ و ابن سعد ۷/ ۳، حضرت ابو ایوب انصاریؓ کاتب و عالم تھے انہوں نے اپنے غلام افلح کو مکاتبہ نامہ لکھ کر دیا تھا (ابن سعد ۷/ ٦۲)

ابو سفیان بن مالک بھی کاتب اور پڑھے لکھے تھے ، الزمخشری ، الفائق ۳/ ۱۹۰ (مادہ ظن، انعام، ج)

مذکورہ بالا شخصیات کے پاس بھی کچھ ثقافتی و علمی ذخیرہ ہو تو کچھ عجیب نہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ محمد ابن سعد، الطبقات الکبیر، لیدن، مطبعۃ بریل، ج ۳ ق ۲/ ۲۴ و ۳۵، ۵۹، ۷۷، ۱۴۸، ج ۳۶/۶، احمد بن یحیی البلاذری، فتوح البلدان تحقیق صلاح الدین المنجد، القاہرہ، مکتبۃ النھضۃ، ۱۹۵۶ء ۳/ ۵۸۳، احمد بن علی الخطیب البغدادی، تقیید العلم تحقیق یوسف العش ط ۲، بیروت، دار احیاء السنۃ النبویہ، ۱۹۷۴ء، ص ۱۸ (مقدمہ المحقق)

۲۔ ایضاً

۳۔ احمد بن فارس، الصاحبی تحقیق احمد صقر، القاہرۃ، عیسی البابی الحلبی، ۱۹۷۷ء ص ۱۲

۴۔ عمرو بن بحر الجاحظ، رسالہ الجد و الھزل تحقیق عبدالسلام محمد ہارون القاہرہ، مکتبہ الخانجی، ۱۳۸۴ھ، ص ۲۵۳ ۔ ۲۵۴ (رسائل الجاحظ) احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۸ھ، ۳۸۸/۱، محمد طاہر پٹنی، مجمع بحار الانوار، لکھنؤ، نو لکشور، ۱۲۸۳ھ، ۲۵۰/۳۔۲۵۱

۵۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، مصر، المطبعۃ المیمنیہ، ۱۳۱۳ھ، ۲۴۳/۱

۶۔ ناجی معروف، المدخل فی تاریخ الحضارۃ العربیہ، ط ۲، بغداد، مطبعۃ العانی، ۱۳۷۹ھ، ص ۱۱۵ ۔ ۱۱۶

۷۔ عبدالرحمن السہیلی، روض الانف، مصر، مطبعۃ الجمالیۃ، ۱۳۳۲ھ ۱۸۱/۱۔

۸۔ الاصفہانی، الاغانی تحقیق عبدالکریم ابراہیم العزاوی، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۳۰/۱۸

۹۔ عربوں کے زبانی یاد رکھنے کی پسندیدہ روش کو اسلام نے برقرار رکھا چنانچہ ہر چھوٹا بڑا مسلمان، الکتاب (قرآن) کی چھوٹی بڑی متعدد سورتیں ضرور یاد رکھتا ہے اور انہی سے اپنی پنجگانہ عبادات انجام دیتا ہے، ہر زمانے اور ہر ملک و شہر اور دیہات میں ہمیشہ ایک معتدبہ تعداد ایسے مردوں بچوں اور خواتین کی پائی جاتی ہے جو پوری الکتاب دل و دماغ پر ہمہ وقت اس طرح نقش رکھتی ہے کہ جب چاہیں جہاں سے چاہیں باسانی زبانی پڑھ سکتے ہیں

ابتداء عہد اسلامی میں سنن و آثار کو بھی اسی طرح زبانی یاد رکھا جاتا تھا اور یہ بھی سینہ بسینہ ایک دوسرے سے بیان کی جاتی تھیں، بلکہ بعد میں امت مسلمہ میں ایک طبقہ ایسا رہا ہے جو حدیثوں کو اسی طرح نوک زبان رکھتا تھا جس طرح قرآن کو رکھا جاتا ہے انہیں حفاظ حدیث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ الذھبی، تذکرۃ الحفاظ، ط: ۳، حیدر آباد الدکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۷۵ھ ۱۶۰/۱

۱۱۔ محمد بن حبیب 'کتاب المحبر' بیروت 'مکتبہ التجاری للطباعۃ والنشر' ب 'ت 'ص ۴۷۵

۱۲۔ الجاحظ 'کتاب الحیوان تحقیق عبدالسلام محمد ہارون' القاہرہ' عیسی البابی الحلبی' ۱۹۴۰ ۔ ۱۹۴۷ء' ۴۷/۱ عزالدین الامین' طلائع النقد العربی' الخرطوم' جامعہ الخرطوم' ۱۳۸۵ھ ص ۸

۱۳۔ محمد بن اسحاق الندیم' الفہرست تحقیق تجدد' کراچی ' نور محمد اصح المطابع ' ب' ت ' ص ۷۵ الخطیب البغدادی ' تاریخ بغداد' القاہرہ' مطبعہ الخانجی' ۱۹۳۱ء ۳۲۹/۶ علی بن یوسف القفطی' انباہ الرواۃ علی انباء النحاۃ تحقیق ابی الفضل ابراہیم' القاہرہ: الھیئۃ المصریہ العامتہ للکتاب' ۱۹۷۳ء ۲۵۸/۱

۱۴۔ محمد بن سلام الجمحی ' طبقات فحول الشعراء تحقیق محمد محمود محمد شاکر' القاہرہ' مطبعہ المدنی ۱۳۹۴ھ ' ۹۴/۱ عثمان بن ابن جنی' کتاب الخصائص تحقیق محمد علی النجار' القاہرہ' مطبعہ دارالکتب المصریہ' ۱۳۷۱ھ ' ۳۸۶/۱ ۔ ۳۸۷' جلال الدین عبدالرحمن السیوطی' الاقتراح تحقیق احمد محمد قاسم ' القاہرہ مطبعہ السعادۃ ' ۱۳۹۲ھ ' ص ۶۲ ' عبدالرحمن الانباری نزھتہ الالباء فی طبقات الادباء تحقیق ابراہیم السامرائی' ۲:۶' بغداد ' مکتبۃ الاندلس' ۱۹۷۰ء ص ۳۳

۱۵۔ الذھبی' سیر اعلام النبلاء تحقیق صلاح الدین المنجد' القاہرہ' دارالمعارف' ۱۹۵۶ء' ۸۰/۱' السہیلی ۱۲۴/۱' ۱۵۶ ۔ ۱۵۷' بدرالدین العینی ' عمدۃ القاری ادارہ الطباعۃ المنیریہ' ب ' ت ۵۵/۱' محمد بن الحسن ابن دریہ الازدی کتاب الاشتقاق تحقیق عبدالسلام محمد ماموں' مصر' موسۃ الخانجی' ۱۳۷۸ھ ' ص ۱۶۴

۱۶۔ مورج السدوسی' کتاب حذف من نسب قریش تحقیق صلاح الدین المنجد' القاہرہ' مکتبۃ دارالعروبہ' ص ۵۴

۱۷۔ عبداللہ بن محمد ابن قتیبۃ الدینوری الشعر والشعراء ' تحقیق محمود محمد شاکر القاہرہ' دارالمعارف ' ۱۳۸۶ھ' ۴۵۹/۱

۱۸۔ الاصفہانی' الاغانی' مصر' دارالکتب ۱۹۶۱ء ۱۲۱/۱ ۱۸۰/۳ ۱۲۱/۴ عبدالقادر البغدادی' خزانہ الادب ولب لباب لسان العرب' تحقیق عبدالسلام محمد ہارون القاہرہ' الھیئۃ المصریہ العامہ للکتاب ' ۱۹۶۵ء ۔ ۱۹۸۰ء

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ البلاذری ' انساب الاشراف تحقیق محمد حمیداللہ' القاہرہ دارالمعارف' ۱۹۵۹ء ۸۱/۱ جواد علی' تاریخ العرب فی الاسلام' بیروت دارالحداثۃ للطباعۃ والنشر' ۱۹۸۳ء' ص ۱۸۵۔

۲۱۔ ابن سعد ۹۶/۱ (بیروت)

۲۲۔ ایضاً ج ۳ ق ۲ ص ۲۴ (لیدن)

۲۳۔ ابو حاتم سہل بن محمد البجستانی ، المعمرون والوصایا تحقیق عبدالمنعم عامر، القاہرہ، داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۱ء ص ۶۳ ناصر الدین الاسد، مصادر الشعرالجاہلی، ص ۱۶۵، ابو حاتم البجستانی، ۱۷۔ ۱۸ (ترجمہ اکثم بن صیفی)

۲۴۔ عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون، المقدمہ ، بیروت ، دارالکتاب (اللبنانی) ۱۹۵۶۔ ۱۹۵۹ء، ۱۱۲۲ البغدادی، خزانۃ الادب (بولاق) ۶۱/۱

۲۵۔ السیوطی، شرح شواہد المغنی ۱۲۱/۱، محمد سعید سید محمود، الادب العربی و تاریخہ فی العصر الجاہلی، القاہرہ، مکتبۃ المصریہ، ۱۳۵۵ھ، ۲۶۔ ۲۷، الانباری، شرح القصائد السبع الطوال الجاہلیات تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرہ، دارالمعارف، ۱۹۶۳ء، ص ۱۳ (مقدمہ المحقق)

۲۶۔ الاسد، مصادر الشعرالجاہلی، ص ۲۶

۲۷۔ ابن سعد، ۱۳۹/۱ ۔ ۱۴۰، ابن ہشام ، ۳۷۲/۱ (تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید) احمد بن علی المقریزی، امتاع الاسماع تحقیق محمود محمد شاکر، القاہرہ ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر، ۱۹۴۱ء، ص ۲۵، محمد بن عبدالباقی الزرقانی، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ للقسطلانی ، القاہرہ، المطبعۃ الازہریہ ، ۱۳۲۵، ۳۲۴/۱ ۔ ۳۳۶

۲۸۔ محمد سعید سید محمود، ص ۲۶ ، احمد محمد الحوفی، ۲۰۹ ۔ ۲۱۰

۲۹۔ البغدادی ، ۴۱۶/۶ ۔ ۴۱۹، مصعب بن زبیر، نسب قریش تحقیق الیفی بروفنسال ، القاہرہ، دارالمعارف، ۱۹۵۳ء، ۳۶۴، المسعودی ، مروج الذہب ۵۶/۱ علی بن احمد ابن حزم، جمہرہ انساب العرب تحقیق عبدالسلام محمد ہارون ، ط: ۵ ، القاہرہ، دارالمعارف ، ۱۹۸۲ء، ۱۵۰ ۔ ۱۵۱ (لہ) جوامع السیرۃ تحقیق احسان عباس، ناصر الدین الاسد، القاہرہ، دارالمعارف (۱۹۵۰ء) ۴۷ ص جواد علی، تاریخ العرب قبل الاسلام السیرۃ النبویہ، بیروت: دارالحداثۃ للطباعۃ والنشر ، ۱۹۸۳ء ص ۱۹۳، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری، مختار الاغانی فی الاخبار و التھانی علی بن عبداللہ آل ثانی (۱۳۸۳ھ) ۲۹۲/۵ ۔ ۲۹۴، محمد بن سالم ابن واصل الحموی، تجرید الاغانی من ذکر المثالث و المثانی تحقیق طہ حسین و ابراہیم الابیاری، القاہرۃ ، مطبعۃ مصر، ۱۹۵۵ ۔ ۱۹۶۳ء ج ان ۱ / ۳۶۸ ۔ ۳۷۱

۳۰۔ محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، القاہرۃ ، دارالمعارف، ۱۹۶۱ء ۳۷۰/۲ ، ۴۳۷

۳۱۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت، دار صادر، ۱۹۶۵ء ۳/۱ ۷

۳۲۔ ابن قتیبۃ، المعارف تحقیق محمد اسماعیل الصاوی، القاہرۃ ، المطبعۃ الاسلامیہ، ۱۹۳۴ء، ص ۲۵۰، ابن

حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص ۱۲۶، یاقوت معجم البلدان، بیروت، دارصادر، ۱۹۵۵ء، ۱/۹۴، مصعب الزبیری، ص ۲۵۵ الجاحظ، البیان والتبیین ۴/۴۳ ۔ ۴۴ الطبری ۱/۴۵۹، الاصفہانی ۴/۲۰۳۔

۳۳۔ ابن الجوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، بیروت، المکتبہ الاسلامی للطباعۃ والنشر، ۱۳۸۵ھ، ۱/۳۱۶، علی بن عبدالواحد النیسابوری، اسباب النزول القاہرہ، موسستہ الحلبی وشرکاہ للنشر والتوزیع، ۱۹۵۸ء، ص ۱۶۴

۳۴۔ ابن حبیب، ص ۱۶۱

۳۵۔ ابن ھشام ۱/۳۸۳ ۔ ۳۸۴

۳۶۔ جواد علی، ص ۱۸۴

۳۷۔ مورج بن عمرو السدوسی، کتاب من حذف نسب قریش تحقیق صلاح الدین المنجد، القاہرۃ، مکتبۃ دارالعروبہ، ۱۹۶۰ء، ص ۵۴،

۳۸۔ بدر الدین العینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت محمد امین دمج، ب، ت، ۱/۵۴، یحیی بن شرف النووی، شرح صحیح مسلم، القاہرۃ، مطبعتہ حجازی، ب، ت، ۲/۲۰۲ ۔ ۲۰۳، احمد القسطلانی، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری القاہرۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۹ء، ۱/۲۸، ابن واصل ۱/ ق ۱/ ۳۶۹ ۔ ۳۶۷ الاصفہانی ۳/۱۱۹ ۔ ۱۲۲

۳۹۔ الذھبی، سیر اعلام النبلاء تحقیق صلاح الدین المنجد، القاہرۃ، دارالمعارف، ۱۹۵۶ء ۱/۸۷

۴۰۔ السہیلی ۱/۱۲۴، ۱۵۶ ۔ ۱۵۷، العینی ۱/۵۵، ابن الاثیر اسد الغابۃ فی معرفتہ الصحابۃ، القاہرۃ، المطبعتہ الوھبیۃ، ۱۲۸۵ھ ۵/۸۸، ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ تحقیق مصطفی عبدالواحد، القاہرہ، عیسی البابی الحلبی، ۱۹۶۴ء ۱/۴۳-۴۸ ابن درید، ص ۱۶۴ البلاذری، ۱/۱۰۶

۴۱۔ ابن سعد ۱/ ۹۶ محمود شکری الالوسی، بلوغ الارب فی معرفتہ احوال العرب ط: ۲، القاہرہ، ۱۳۴۲ھ ۳/۳۰۵، احمد بن محمد النیسابوری المیدانی، مجمع الامثال، القاہرہ، عبدالرحمن محمد ۱۳۵۲ھ ۲/۵۱، ابن ھشام ۱/۱۵۶

۴۲۔ البلاذری، انساب الاشراف ۱/۸۱

۴۳۔ جواد علی، ص ۱۸۵

۴۴۔ الاصفہانی، ۱۷/۳۰۳ ۔ ۳۲۲ (بیروت داراحیاء التراث العربی) ابن حجر، الاصابتہ ۱/۱۳۴ (۵۵۲) الجمحی ۱/۲۲۶ ۔ ۲۲۷، ابن درید، ۱۸۴ ص، ابو عبید البکری سمط اللالی، تحقیق عبدالعزیز المیمنی، القاہرہ، ۱۳۵۴ھ ۳۶۲ ۔ ۳۶۳، ابن حزم جمہرۃ انساب العرب ۶۹ ھ

۴۵۔ ابن قتیبۃ ۴۵۹/۱، الاصفہانی ۱۲۱/۱ ج ۳/ ۱۸۰، البغدادی ۲۵۱/۱، الجمحی ۲۶۳/۱

۴۶۔ الاصفہانی، ۳/ ۱۲۳ و ۱۲۷، ابن منظور الافریقی ۶۲/۱ ۔ ۶۹، ابن و اصل ۲/ ق ۵۰۹/۱۔ ۵۱۵

۴۷۔ ابن سعد ۴۹۸/۳، ابو نعیم الاصفہانی، حلیتہ الاولیاء، بیروت، دارالفکر، ب، ت ۲۵۰/۱۔۲۵۶، ابو اسحاق ابراہیم الشیرازی، طبقات الفقہاء، بغداد، مکتبۃ العربیۃ ۱۳۵۶ھ، ص ۱۳، محمد بن الجزری، غایۃ النہایۃ، ط : ۲، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ ۳۱/۱ المزی ۲۶۲/۲ (طبع جدید) ابن حجر تہذیب التہذیب ۱۸۷/۱، عبدالروف المناوی، الکواکب الدریہ فی تراجم السادۃ الصوفیتہ، القاہرہ، احمد نشات ۱۳۵۷ھ ۴۵/۱۔۴۷

۴۸۔ ابن الاثیر، اسد الغابہ ۵۰/۱

۴۹۔ خیرالدین الزرکلی ۸۲/۱

۵۰۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ ۱۶/۱ ۔ ۱۷ (لہ) سیر اعلام النبلاء ۳۸۹/۱

۵۱۔ ابن الندیم، ۲۹۔ ۳۰

۵۲۔ ابن سعد ۵۳۱/۳، المزی، ۱۶۶/۴، ابن حجر، تہذیب التہذیب ۴۶۴/۱ (لہ) الاصابہ ۱۵۸/۱ (۶۹۴)، ابن کثیر ۳۵۳/۶

۵۳۔ ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب ص ۳۶۴

۵۴۔ ابن سعد ۶۲۳/۳

۵۵۔ ابن حجر، الاصابۃ ۴۹۹/۱ (۲۵۴۴) (لہ) تہذیب التہذیب ۲۲۱/۳،

۵۶۔ ابن الاثیر اسد الغابہ ۳۷۸/۲

۵۷۔ بعاث مدینہ میں ایک مقام تھا جہاں یہود بنی قریظہ آباد تھے،

۵۸۔ ابن ہشام ط : ۴۲۶/۱ ۔ ۴۲۷، ۵۲۰ ۸۹/۲، البلاذری ۲۳۸/۱ و ۲۷۵، البکری ص ۳۶۱، السہیلی ۲۶۵/۱۔۲۶۶، ابن حجر، الاصابہ ۹۸/۲ (۳۵۹۹) الاصفہانی ۲۵/۳ (طبعۃ الدار)

۵۹۔ محمد بن عمران المرزبانی، معجم الشعراء تحقیق عبدالستار احمد فراج، القاہرہ مکتبۃ القدسی، ۱۹۳۵ء ۲۱۵/۱

۶۰۔ ابن سعد ۳/ ق ۷۹/۲، البغدادی ۳۰۴/۲ ۔ ۳۰۵، ابن حجر الاصابہ ۳۰۶/۲ (۴۶۷۶) (لہ) تہذیب التہذیب ۲۱۲/۵، المزی ۵۰۶/۱۴

۶۱۔ ابن حجر' الاصابہ ۳/۳۲۶' (۷۵۴۱' ابو حاتم السجستانی' ص ٦٦ المرزبانی ص ۳۳۹ ابن قتیبۃ ۱/۲۷۵

۶۲۔ الاصفہانی' ۲۷۱/۱۵

۶۳۔ الجاحظ' البیان والتبیین ۱/۳۶۵

۶۴۔ ابن حجر' الاصابہ ۱/۱۱۸ (۴۸۵)

۶۵۔ ابو حاتم السجستانی ص ۲۲۔ ۲۴ ابن حزم' جمہرۃ انساب العرب ص ۲۱۰

۶۶۔ الجمحی ۱/۹۹ ۔ ۱۰۰ ' ابن قتیبۃ ۱/۱۳۷' ۱۴۱' ۱۵۴' ابن کثیر' ۴/۳۱۲' ۳۵۱' ۳۶۹' ابن حجر' الاصابہ ۱/۱۳۸ (۵۹۱) ابن عبدالبر' الاستیعاب ۱/۱۶۸ ۔ ۱۶۹ (علی ھامش الاصابہ)

۶۷۔ ابن سعد ۵۵/۶' ابن ابی حاتم ج۱ ق ۲۳۹/۲ (۱۰۵۹)' ابن کثیر ۳۴۲/۵ ۔ ۳۴۳' ابن الاثیر ۱/۵۸۔۵۹' ابن حزم ص ۲۱۰ ابن حجر الاصابہ ۱/۳۵۹ ۔ ۳۶۰ (لہ) تہذیب التہذیب ۶۰/۳' المزی ۴۳۸/۷

۶۸۔ الاصفہانی ۱۶/۲۰۔ ۲۴ (بولاق)

۶۹۔ البغدادی' ۳۳۲/۲' الاصفہانی ۱/۲۸۸

۷۰۔ ابن قتیبۃ' الشعر والشعراء ۱/۱۳۷

۷۱۔ الاصفہانی ۱۰۔ ۳۰۹ (طبعۃ دارالکتب)

۷۲۔ ایضاً ص ۳۱۴۔

۷۳۔ ابن قتیبۃ ۱/۱۴۳۔

۷۴۔ ایضاً ۱۴۴' الجاحظ ۱/۲۰۴' ۲/۱۲' ابن منظور الافریقی' مختار الاغانی ۳۲۶/۵ ۔ ۳۳۹' ابن واصل الحموی؟ ۳ ق ۱/۱۲۲۹ ۔ ۱۲۴۰

۷۵۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ ۱۳۰/۴ (۷۳۴) میں ابو عبس بن جابر سے نقل کیا ہے۔

۷۶۔ ابن ابی حاتم الرازی ۲۲۰/۵' ابن قتیبۃ ص ۳۲۶ ابن الاثیر ۴۳۱/۳ المزی' ۱۶۲۱/۲ (بیروت دارالمامون) الذھبی' سیر اعلام النبلاء ۱/۱۸۸۔ ۱۸۹' ابن حجر' تہذیب التہذیب ۱۵۶/۱۲ (لہ) الاصابہ ۱۳۰/۴ (۷۳۶) جواد علی ص ۲۴

۷۷۔ الجمحی ۴۰' ۹۷' ۷۶۶' ابن قتیبہ ' ۱۵۴ ۔ ۱۵۷' ابن حجر' الاصابہ ۲۹۵/۴۔ ۲۹۶ (۷۴۱۱) الاستیعاب

۲۹۷/۴ ـ ۳۰۲ (علی حامش الاصابہ) ابن کثیر ۳۶۹/۴ ' ۳۷۳

۷۸۔ البغدادی ۱۱/۴ ' ۱۲ (طبع قدیم)

۷۹۔ ابن سعد ۴۶۵/۳ ' الذھبی ' سیر اعلام النبلاء ۳۲۰/۱

۸۰۔ اس کے دادا کے نام میں اختلاف ہے

۸۱۔ الجاحظ ۳۶۵/۱

۸۲۔ ابو حاتم السجستانی ص ۸۷ ـ ۹۰ المرزبانی ' ۲۲۲ ـ ۲۲۳ احمد بن عبد الرحمن الشریشی ' شرح المقامات الحریریہ ' مصر ' ۱۸۵ ـ ۱۸۶ ' الاصفہانی ۲۴۶/۱۵ ـ ۲۴۸ (دار احیاء التراث العربی) ابن کثیر ' ۱۳۰۰ھ ' ۲۳۰/۲ ' ابن اصل ؟ اق ص ۲ ۱۶۵۳ ۱۶۵ ـ ۱۶۵۵ ' ابن حجر ' الاصابہ ۲۸۵/۵ '

۸۳۔ الاصفہانی ۱۲۷/۶ ـ ۱۳۵ ' البغدادی ۳۱۲/۸ ـ ۳۱۳

۸۴۔ الاصفہانی ۱۳۶/۶

۸۵۔ القاسم بن محمد الانباری ' شرح دیوان المفضلیات ' بیروت مطبعۃ الاباء الیسوعیین ' ۱۹۲۰ء ' ص ۳۶۰

۸۶۔ ابو حاتم السجستانی ' ۵۶

۸۷۔ الجاحظ ۳۶۵/۱

۸۸۔ ابو حاتم السجستانی ص ۶۲ ـ ۶۳ ' المیدانی ۴۱/۱ ' ۲۵۰/۲ ' ۲۷۶ ابن ھشام ۴۱/۱

۸۹۔ بعض تذکرہ نگاروں نے حمار نقل کیا ہے

۹۰۔ ابن قتیبۃ ۲۳۰/۲

۹۱۔ ابن منظور الافریقی ۳۵۳/۶

۹۲۔ الاصفہانی ۱۸/۲۰ ـ ۲۴ (طبعۃ بولاق ' البغدادی ۳۸۱/۱ ـ ۳۸۳ ' ابن قتیبۃ ۲۲۵/۲ ـ ۲۳۰ ' ابن واصل ۱۹۱/۱

۹۳۔ ابن قتیبۃ نے الشعرو الشعراء میں اس کا نام معمر اور ابن درید نے معبد نقل کیا ہے

۹۴۔ الاصفہانی ' ۲۰/ ۲۳ (طبع دار الطباعۃ القاہرہ ۱۲۸۵ھ) ابن قتیبۃ ۱۹۹/۱ ' ابن درید ص ۱۶۸ ' عبداللہ بن عبدالعزیز البکری ' معجم ما استعجم تحقیق مصطفیٰ السقا ' ط : ۳ ' بیروت بحالم الکتب ' ۱۴۰۳ھ ج ۱ ص ۷۲

۹۵۔ یہ بادیۃ الشام کے مشرقی کنارے لخمی خاندان کی ایک شاخ نے جو نصرانی تھے حکومت قائم کی تھی ' اس کا پایہ تخت حیرہ تھا یہ نجف سے تین میل کے فاصلہ پر ایک جھیل کے کنارے آباد تھا' یہ ایرانی سلطنت کے زیر اثر تھے اور ان کے مفادات کے نگران تھے' یہاں تنوخی ' عبادی اور احلاف آباد تھے۔

۹۶۔ الجمحی' ۲۵/۱' ابن جنی ۳۸۷/۱ السیوطی' المزھر فی علوم اللغتہ وانواعھا تحقیق محمد احمد جاد المولی وغیرہ ' القاھرہ عیسی البابی الحلبی' ب ' ت '۲۴۹/۱

۹۷۔ بادیتہ الشام کے مغربی کنارے پر غسانیوں کی جو نصرانی عرب تھے' حکومت قائم تھی' دمشق کے قرب وجوار میں ان کا پایہ تخت تھا' یہاں عرب شعراء آتے اور انعام پاتے تھے' انہیں رومی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی اور وہ انہیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتی تھی۔

۹۸۔ ابو حاتم السجستانی ص ۲۲۔

۹۹۔ محمد ابن علی ابن طولون ' اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین ' دمشق ' ۱۳۴۸ھ' ص ۳۲

۱۰۰۔ ابن حبیب ص ۴۷۵۔

متفرق

عہدِ جاہلیت میں عرب ثقافت

اور

اس کا تحفظ

(مجلہ المعارف — اکتوبر 1994ء)

محمد عبدالحلیم چشتی

عہد جاہلیت میں عرب ثقافت اور اس کا تحفظ

ثقافتی ورثے کی اساس

ہر قوم کو دنیا میں اپنی تین چیزیں' زمین' زبان اور مذہب سے محبت رہی ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کی جاتی ہے' کیونکہ اس کے ثقافتی ورثے کی یہی اساس ہوتی ہے۔

عربوں کو بھی دور جاہلی میں یہی تین چیزیں زیادہ عزیز تھیں 'گو ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا۔ (۱) اس کے باوجود انھیں اپنا ثقافتی ورثہ سب سے عزیز تھا' وہ اس ورثے کو سطور (کتاب) کے بجائے اپنے "صدور" (سینوں) میں نقش کرتے اور زبانی یاد رکھتے تھے' ان کے سینے خزائن العلم کہے جاتے تھے' ان خزائن علم کو عام کرنے کے لیے وہ خصوصی مجالس اور عمومی سالانہ میلوں کا اہتمام کرتے تھے۔ ان مقامات میں ثقافتی ورثے کو سینہ بہ سینہ منتقل کرتے اور اس کا تحفظ کرتے تھے' ان مجالس سے اس کی اشاعت ہوتی تھی اور یہی مراکز ابلاغ تھے' جنھیں وہ خصوصی مجالس اور عمومی سالانہ میلوں کے ذریعے آباد رکھتے تھے۔

دور جاہلی میں خصوصی مجالس کا اہتمام

دور جاہلی میں علمی و ادبی ورثے کی حفاظت و اشاعت کے لیے عربوں میں خصوصی و عمومی ادبی مجالس کا عام رواج تھا' قبیلے کے سردار سرشام اپنے مکان کے بیرونی حصے میں آکر بیٹھتے' ان کے احباب بھی آجاتے' مختلف موضوع پر گفتگو ہوتی رہتی تھی اور یوں علم کو زندہ رکھا جاتا تھا چنانچہ عرب کا مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمی (۱۳ق ھ - ۶۰۹م) ہرم بن سنان کی' جو شاعروں' دانشوروں کا بڑا قدردان تھا' تعریف میں کہتا ہے۔

وفیھم مقامات حسان وجوھھم وانديته ینتا بھا القول و الفعل

ان میں اچھی مجلسوں کا رواج ہے۔ ان کے سرداروں اور مجلسوں میں قول و کردار کے قصے بار بار آتے ہیں۔

وان جئتھم الفیت حول بیوتھم

مجالس فیشفی باحلامھا الجھل (۲)

اگر تم وہاں آؤ تو ان کے گھروں کے آس پاس مجلس دیکھو گے' یہ علم و دانش کی مجلسیں جہل کا خاتمہ کرتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مجلسوں سے عرب اپنے تاریخی و ثقافتی ورثے کو دل و دماغ میں تازہ رکھتے اور پروان چڑھاتے۔ ذیل میں چند مجلسوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ بعض عربوں کے یہاں روزانہ اور بعض کے یہاں ہفتے میں ایک بار ایسی مجلس جمتی تھی۔ انہی مجلسوں میں ان کا ادبی سرمایہ عام ہوتا اور پروان چڑھتا تھا۔ بعض ارباب ثروت کے یہاں اس غرض سے علم و طعام کا انتظام کیا جاتا اور جسمانی و روحانی دونوں غذائیں فراہم کی جاتی تھیں' چنانچہ حضرت ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان تیمی قرشی (۵۱ ق ھ - ۵۷۳- ۶۳۴ء) کی مجلس اس

باب میں دونوں صفات کی جامع تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

کانت قریش تالف منزل ابی بکر رضی اللّٰہ عنہ لخصلتین للعلم و الطعام فلما اسلم اسلم عامتہ من کان یجالسہ (۴)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دولت کدے سے قریش دوگونہ صفات علم و طعام کی وجہ سے مانوس تھے' وہ جب اسلام لائے تو ان کے ساتھ جن کا اٹھنا بیٹھنا تھا' وہ بھی سب مسلمان ہوئے تھے۔

۲۔ غیلان بن سلمہ ثقفی (۲۳ھ - ۶۴۴ء) مصنف' دانشمند اور شاعر تھا۔ اس کے یہاں اس قسم کی مجلس ہفتے میں ایک بار منعقد ہوتی تھی۔ (۵) پھر یہ بھی اسلام لے آئے تھے۔

۳۔ قرآن مجید جب نازل ہونے لگا اور صبح و شام مجالس میں پڑھا جانے لگا' اس کی اثر آفرینی و دلکشی ان کے قلب و نظر کو موہنے لگی اور اس کی اخلاقی و روحانی تعلیمات سے ان کی زندگی میں انقلابی تبدیلی آنے لگی تو سرداران قریش میں سے مختلف زبانوں کے ماہر' عالم' نضر بن الحارث قرشی

(۳ھ - ۶۴۲م) کی قومی' حمیت جاگ اٹھی اور اس نے اس کے توڑ کے لیے شاہان فارس وحیرہ اور رستم و اسفند یار کی داستانیں سنانے کے لیے اپنے یہاں مجالس منعقد کیں اور دوسری مجالس میں بھی یہ قصے سنانا شروع کیے۔ قرآن نے اس قسم کی مجالس کو "لہوالحدث" (یاد الٰہی سے غافل کرنے والی) مجالس قرار دیا۔ (۶) چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ومن الناس من یشتری لھو الحد یث لیضل عن سبیل

اللہ بغیر علم و یتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین
(۷) (لقمان:۶)

اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی
باتیں خرید کرتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے
دوسروں کو گمراہ کرے اور اس راہ کی ہنسی اڑائے' ایسے ہی
لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

۴۔ دور جاہلی میں عربوں کا دستور تھا کہ وقت کی ممتاز شخصیات کے محل سرا کے باہر چبوتروں پر احباب جمع ہو جاتے اور مجلس جم جاتی تھی جیسا کہ گزر چکا ہے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے ہمراہ اس قسم کی ایک مجلس میں اہل مجلس کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے' میر مجلس نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کے قبیلے کے متعلق سوال کیا' حضرت ابوبکرؓ نے اسے ایسا جواب دیا کہ وہ خود گرفت میں آگیا۔ ان کا وہ جواب ضرب المثل مقولہ بن گیا' وہ مقولہ ہے۔

ان البلاء موکل بالمنطق (۸) (بعض وقت) بات سے پکڑ ہو جاتی ہے (سائل خود گرفتار بلا ہو جاتا ہے)

عہد جاہلی میں عرب انہی مقامی مجلسوں کے ذریعے اپنے ثقافتی ورثے کو زندہ رکھتے تھے۔

ابتدائے عہد اسلامی میں مدینے میں بھی مہاجرین قریش میں اس قسم کی مجلسوں کا رواج تھا اور انھیں مجلس القلادہ (علمی جواہر سے آراستہ مجلس) کہا جاتا تھا۔

۵۔ عبید اللہ بن عدی بن الخیار قرشی کا انتقال خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں ہوا تھا۔ اس کے مکان میں جو حضرت علیؓ کے مکان سے متصل تھا' مجلس القلادۃ منعقد ہوتی تھی' ایسی مجالس کا اہل علم کو تجسس رہتا تھا چنانچہ

حضرت معاویہؓ اس قسم کی مجلس میں شرکت کرتے تھے اور شرکت کا موقع نہ ملتا تو اس مجلس کے متعلق پوچھتے تھے۔

مافعل مجلس القلادہ (۹) (مجلس قلادہ نے کن امور سے بحث کی تھی)۔

مسجد نبوی میں ''اسطوانہ توبہ'' کے پاس حضرت علیؓ نماز پڑھتے اور اٹھتے بیٹھتے تھے۔ یہاں مہاجرین قریش بھی آجاتے اور گفتگو کرتے تھے۔ اس مجلس کو بھی مجلس القلادہ کہا جاتا تھا۔ (۱۰) لیکن جلد ہی علمی و تدریسی حلقوں نے اس کی افادیت ختم کر دی تھی۔

۶۔ دور جاہلی میں بعض خاص ایام اور خاص مہینوں میں عمومی اجتماعات کا سلسلہ کم و بیش سال بھر قائم رہتا تھا۔ ربیع الاول میں دومتہ الجندل (شمالی نجد) میں جو بازار لگتا تھا اسے سوق دومتہ الجندل کہا جاتا تھا۔ ربیع الثانی میں بحرین میں بمقام ہجریہ بازار آباد ہوتا۔ جمادی الاولی میں سوق عمان میں اس کی رونق نظر آتی۔ جمادی الثانی میں پھر سوق المشقر (حضر موت) میں اس کی چہل پہل رہتی۔ رجب میں سوق صحار (حضرت موت) آباد کیا جاتا تھا۔ شعبان میں عمان و عدن کے مابین سوق شحر (حضرت موت) چمکتا دمکتا دکھائی دیتا۔ رمضان میں یمن کے جزیرہ نما سوق عدن (بین جنوبی یمن) میں یہ بہار لوٹ آتی' شوال میں سوق صنعا (شمالی یمن) اور سوق حضر موت کی رونق دلوں کو لبھاتی تھی۔

عہد جاہلیت میں عربوں کے عمومی اجتماعات میں یاران نکتہ دان کے لیے صلائے عام ہوتی' مذہب و ملت اور رنگ و نسل کا کوئی امتیاز نہیں تھا' بلا روک ٹوک ہر ایک کو شرکت کی عام اجازت تھی' چنانچہ بڑے بڑے اجتماعات میں یہودی اور نصرانی سب شریک ہوتے تھے' ان اجتماعات کو ''اسواق العرب'' یا ''مواسم العرب'' کہا جاتا۔

۷۔ ذوالقعدہ میں سب کا مرکز توجہ سوق عکاظ (۱۱) تھا۔ سب سے بڑا سالانہ اجتماع یہاں ہوتا تھا۔ ملک کے کونے کونے سے ہزاروں کی تعداد میں عرب یہاں آتے تھے اور دیگر سرگرمیوں کے علاوہ علمی و ادبی سرگرمی کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا' جاہلی شاعر ابو ذویب کہتا ہے۔

انا بنی القباب علی عکاظ
وقام البیع و اجتمع الالوف (۱۲)

عکاظ میں جب خیمے نصب کیے جاتے ہیں اور
سودا لینے دینے والے کھڑے ہوتے ہیں اور
ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے (جو قابل دید منظر
ہے)

۸۔ سالانہ ادبی سرگرمیوں کا آغاز عکاظ میں ۵۴۰ء سے ہوا تھا۔ اس میلے کی سب سے ممتاز خصوصیت ادبی و شعری سرگرمیاں تھیں۔ تمام میلوں میں اس میلے کو فوقیت حاصل تھی۔

سوق عکاظ میں شعرا اور قبائل عرب کو باہمی فخر و مباہات کا موقع ملتا تھا' اس لیے اسے عکاظ کہا جاتا تھا' نامور شعرا کے یہاں خیمے نصب کیے جاتے جن میں وہ ٹھہرتے تھے' چنانچہ نابغہ ذبیانی زیاد بن معاویہ (تقریباً ۱۸ ق ھ ۔ ۶۰۴ء) جب سوق عکاظ میں آیا تو وہ سرخ کھال کے خیمے میں ٹھہرا تھا۔ (۱۳)

یہاں شعرا' اساتذہ فن کو اپنا کلام سناتے اور داد پاتے۔ (۱۴) ان کے کلام کے متعلق ان سے رائے معلوم کی جاتی اور مختلف شاعروں کے کلام میں محاکمہ کیا جاتا تھا۔ (۱۵) یہیں نامور شعرا اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے تھے۔ (۱۶)

اس اجتماع کو دور جاہلی میں نشرگاہ کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں سے عرب شاعروں کا کلام پورے ملک میں پھیلتا اور تمام قبائل میں پہنچتا اور ہر جگہ

پڑھا اور سنا جاتا تھا۔ ایک دفعہ امیہ بن خلف جمحی نے دربار نبویؐ کے شاعر حضرت حسان بن ثابت کی ہجو کہی تو انھوں نے اسے للکارا اور کہا یاد رکھو' عکاظ کے بازاروں میں میرا کلام تمھیں رسوا کردے گا۔ چنانچہ فرمایا۔

اتانی عن امیه زور قول

وماهو با لمغیب بذی حفاظ

مجھ تک امیہ بن خلف کا بے بنیاد قول پہنچا۔ باخبر لوگوں سے اس قول کی حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔

سا نشر ان بقیت لکم کلامًا

ینشر فی المجامع من عکاظ (۱۷)

میں زندہ رہا تو ایسا کلام پیش کروں گا جو عکاظ کے مجمعوں میں سنایا جائے گا۔

مشہور شہسوار جاہلی شاعر طریف بن تمیم عنبری کہتا ہے۔

او کلما وردت عکاظ قبیلته

بعثوا الی عریفهم یتوسم

جب کبھی کوئی قبیلہ عکاظ میں آیا' اس نے مجھے پہچاننے کے لیے اپنے واقف کار کو میرے پاس بھیجا۔

فتوسمونی اننی انا نلکم

شاکی السلاح فی الحوادث تعلم (۱۸)

چنانچہ انھوں نے مجھے پہچانا بلاشبہ میں وہی ہوں جو جنگ میں ہتھیار بند پہچانا جاتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دور جاہلی میں سوق عکاظ تشریف لائے۔ اس ادبی اجتماع میں قس بن ساعدہ پادری کو دیکھا اور اس کا وہ فصیح و بلیغ خطبہ سنا' جو ادب عربی کے شہ پاروں میں شمار کیا جاتا ہے' اس کی وجہ سے وہ آج بھی

عربی ادب کی کتابوں میں زندہ ہے۔ (۱۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے سوق عکاظ (۲۰) اور ذی المجاز میں تشریف لے گئے تھے۔ (۲۱)

سوق عکاظ' سوق المجنہ (۲۲) اور سوق ذی المجاز (۲۳) میں عرب کبھی بیس دن' کبھی دس دن' کبھی آٹھ دن ٹھہر کر عام ادبی اجتماعات کر کے اپنی قبائلی روایات کا مظاہرہ کرتے تھے' جونہی ذی القعدہ کا چاند نظر آتا تو سوق عکاظ میں بیس دن قیام کرتے۔ سوق مجنہ میں دس دن ٹھہرتے' پھر ذی الحجہ کا چاند دکھائی دیتا تو آٹھ دن سوق ذی المجاز میں گزارتے' یوم الترویہ (نوی ذی الحجہ) کو دو تین دن کا پانی لے کر عرفہ پہنچتے تھے۔

ان بازاروں اور ان میلوں میں یہ لوگ' سامان خریدتے' فیصلے چکاتے' فدیہ دیتے' قیدی چھڑاتے اور عمومی ادبی اجتماعات کرتے تھے۔

اس امر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سوق عکاظ کو ثقافتی ورثے کی نشرو اشاعت میں کیسا بلند مقام حاصل تھا کہ سال بھر کی ذہنی کاوشوں کے ثمرات کو اس بازار میں قوم کے سامنے پیش کر کے سند قبول حاصل کی جاتی' اسے پاسبانوں تک پہنچایا جاتا' ادبی افق پر نئے ابھرنے والے ستاروں کے کلام و خطبات سے عوام و خواص کو روشناس کرایا جاتا' اس طرح ان کا علمی و ثقافتی ورثہ ان کی پرانی روایات کے مطابق ان کے "صدور" (سینوں) میں نقش کیا جاتا تھا' چنانچہ وہ ان ادبی اجتماعات کے اختتام پر جب مناسک حج ادا کرنے عرفہ و مزدلفہ جاتے' تو پندار کا صنم کدہ ساتھ ہوتا۔ زبانوں پر وہی داستان رہتی جو ان ادبی اجتماعات میں سنائی جاتی تھی' قرآن نے ان کو اس حرکت سے روکا اور بتایا کہ ان ایام میں قلب و نظر کو یاد الہی سے روشن رکھنا چاہیے۔ دعا و مناجات میں مصروف رہنا چاہیے چنانچہ قرآن نے فرمایا ہے:

فاذا قضیتم مناسککم فاذ کروا اللہ کذکر کم اباء کم

اوا شد ذکرا (۲۴) (البقرہ : ۲۰۰)

اور پھر حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباواجداد کا ذکر کرتے تھے' اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

خوارج نے سوق عکاظ کو جو کبھی عرب سرزمین میں سالانہ ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا' ۷۴۶ء میں ایسا لوٹا کہ پھر یہ آباد نہ ہوا۔ (۲۵)

اور اس کی جگہ بصرہ میں مربد نے اور کوفہ میں کناسہ نے لے لی تھی۔

رہے نام اللہ کا۔

حواشی

۱۔ ابن سعد' طبقات الکبیر' مطبعہ بریل' ج ۳ ق ۲' ص ۲۴ و ۳۵ و ۷۷ و ۱۴۸ و ج ۶ ص ۳۶

احمد بن یحیٰ البلاذری: فتوح البلدان' تحقیق صلاح الدین المنجد' القاہرہ' ۱۹۵۶ء' ج ۳' ص ۵۸۳

۲۔ شمس الدین الذہبی : تذکرۃ الحفاظ' حیدر آباد دکن' مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ' ۱۳۷۶ھ' ج ۱' ص ۱۶۰

۳۔ دیوان زہیر' القاہرہ' دارالکتب المصریہ' ۱۳۶۳ھ' ص ۱۱۳' احمد ابراہیم الشریف: المکتہ والمدینتہ فی الجاہلیتہ و عہد الرسول' ط ۲' القاہرہ'

دار الفکر العربی، ۱۹۶۵ء، ص ۲۷

۴۔ عمرو بن بحر الجاحظ: البیان و التبیین تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، ط ۳ القاہرہ، مکتبہ الخانجی، ۱۳۸۸ھ، ج ۴، ص ۷۶۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ۔ تحقیق مصطفیٰ السقا، ابراہیم الانباری، ط، القاہرہ عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۵ھ، ج ۱، ص ۲۵۰

۵۔ محمد بن حبیب، کتاب المحبر، حیدر آباد دکن، مطبعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۳۶۱ھ، ص ۳۵۷، احمد بن محمد المیدانی: مجمع الامثال مصر، ۱۳۵۲ھ، ج ۱، ص ۴۱، ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، بغداد، مکتبہ المثنیٰ، ۳ /۱۸۹

خیرالدین الزرکلی: الاعلام ط ۴، بیروت، ۱۳۹۹ء ۵ / ۱۲۴

۶۔ محمد بن جریر الطبری: جامع البیان، (سورہ لقمان)

۷۔ عبدالرحمٰن السہیلی: الروض الانف، مصر، مطبعہ الجمالیہ، ۱۳۳۲ھ، ج ۱، ص ۱۸۸۔ ۱۹۰

۸۔ احمد بن محمد المیدانی، مصر، ج ۱، ص ۱۷

۹۔ بورج بن عمرو السدوسی: کتاب حذف من نسب قریش، تحقیق صلاح الدین المنجد، القاہرہ، مکتبہ دار العروبہ، ۱۹۶۰ء، ص ۴۳

۱۰۔ علی بن احمد السمہودی: وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۳ھ، ج ۲، ص ۴۴۹

۱۱۔ سوق عکاظ، قرن المنازل، سے پہلے براہ صنعا ایک مرحلے پر اور طائف سے بارہ میل پر واقع ہے، یہ قیس بن عیلان اور ثقیف کا بازار تھا۔ محمد عبداللہ بن احمد الازرقی: اخبار مکہ، تحقیق رشدی الصالح محسن، ط ۳، بیروت، دار الاندلس، ۱۳۸۹ھ، ۱۹۶۹ء، ج ۱، ص ۱۹۰، ۱۹۱، احمد عطیۃ اللہ: القاموس الاسلامی، القاہرہ، مکتبہ النہضۃ المصریہ، ۱۳۸۶ھ، ج ۲، ص ۴۵۰، ابن منظور

الافریقی : لسان العرب، طبعہ بولاق، ج ۹، ص ۲۴۷، (مادہ عکظ)، الآلوسی: بلوغ الارب ج ۱، ص ۲۶۷)

عصر حاضر میں اس کے محل وقوع کا تعین

سوق عکاظ مکہ سے طائف کو جاتے وقت دو مرحلے پر نہر قانس کے سامنے واقع ہے، سوق عکاظ کا اصل مقام یہی ہے۔ قانس، یمن، عراق و مکہ کا جنکشن ہے۔ اس میں اور طائف میں ایک مرحلے کا فاصلہ ہے، جو شخص قانس یا عکاظ پر کھڑا ہو گا، وہ اس کے قریب دو اونچی جگہیں دیکھے گا۔ ایک کو دمہ اور دوسری کو بیہ کہتے ہیں۔ دمہ اور اس وادی کے درمیان جو سیل یمانیہ کی گھاٹی کے راستے سے گزرنے والے ہیں، عکاظ ان کے مابین حد فاصل ہے۔

خیر الدین زرکلی کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے اہل طائف کو یہ کہتے سنا ہے کہ عکاظ اس جگہ واقع تھا جو آج القہاوی کے نام سے طائف کی وادی لیہ میں واقع ہے، مگر مشہور بات وہی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی کہ مقام عکاظ قانس ہے، اس دیار کے بیشتر واقف کاروں کا یہی خیال ہے، لیکن امیر شکیب ارسلان فرماتے ہیں:

کیا اس امر کا احتمال نہیں کہ عرب ایک بار سوق عکاظ قانس میں اور ایک بار قہاوی میں منعقد کرتے ہوں، زرکلی کا یہ قول کہ قہاوی، وادی لیہ میں واقع ہے، محل نظر ہے، اس لیے کہ قہاوی، وادی لیہ نہیں، اور نہ وادی لیہ اس مقام سے قریب ہے۔ میں وادی لیہ کو جانتا ہوں، یہ وہ مقام ہے جس میں سرسبز باغات، فراواں پانی، ہرے بھرے درخت ہیں، انگور کی بیلیں ہیں اور انار کے درخت ہیں۔ قہاوی وہ مقام ہے جسے ہم سب جانتے ہیں۔ وہ خشک و مستوی صحرا ہے، اس میں بیری وغیرہ کے درخت اور جھاڑیاں ہیں۔ گویا دونوں کے آرا میں ہم آہنگی ممکن نہیں ہے۔

(شکیب ارسلان: مختارات نقدیہ فی اللغۃ والادب و التاریخ تالیف سعود المولیٰ،

بیروت' دارالکلمتہ للنشر' ۱۹۸۲ء' ص ۹۰)

۱۲- ابن منظور الافریقی' مادہ "عکظ"

۱۳- ابن قتیبہ : الشعر و الشعراء' تحقیق احمد محمد شاکر' ط' ۲' القاہرہ' دارالمعارف' ۱۳۸۶ھ' ج ۱' ص ۱۶۷

۱۴- ایضاً' ج ۱' ص ۱۵۹ و ۱۶۵

۱۵- ایضاً' ج ۱' ص ۳۴۴

۱۶- الاصفہانی: کتاب الاغانی' ج ۴' ص ۳۵' (طبع ساسی)

۱۷- محمد طاہر درویش: حسان بن ثابت' ط' ۲- القاہرہ دارالمعارف' ۱۹۷۶ء' ص ۱۶۲-

۱۸- الآلوسی' ج ۱' ص ۲۶۸' عکاظ میں اجتماع ماہ حرام' میں ہوتا تھا جس میں قتال و جدال ممنوع ہے' کوئی کسی سے تعرض نہیں کرتا تھا' تاہم شہسوار اپنے چہرے پر اس طرح قناع' (چادر) ڈالے رہتے تھے کہ دشمن بآسانی شناخت نہ کرسکیں' اور میدان جنگ میں اس کے تیغ کے جوہر دیکھیں۔ شاعر نے شعر میں اسی امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۹- احمد بن الحسین البیہقی : دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعہ تحقیق احمد صقر' القاہرہ' المجلس الاعلی للشئون الاسلامیتہ' ۱۳۹۸ھ' ج ۱' ص ۳۵۳- ۳۶۳' ابن کثیر' البدایہ و النہایہ' القاہرہ' مطبعۃ السعادہ' ج ۲' ص ۲۳۰- ۲۳۷' ابن درستویہ نے اس کے حالات میں کتاب لکھی ہے۔

۲۰- ابن کثیر' ۳' ص ۱۴۱

۲۱- ایضاً' ص ۱۳۹

۲۲- سوق مجنہ' مکہ کے زیریں حصے میں بارہ میل کی مسافت پر واقع ہے' یہ کنانہ کی سرزمین اور بازار تھا۔ (الازرقی' ج ۱' ص ۱۹۰- ۱۹۱' لسان العرب' مادہ "جن"' ج ۱۶' ص ۲۵۴

۲۳۔ ذوالمجاز۔ یہ موقف عرفہ کی دائیں جانب .کبکب پہاڑ کے قریب جانب عرفہ سے ایک فرسخ کی مسافت پر واقع ہے (الازرقی' ج ۱' ص ۱۹۰۔ ۱۹۱) ابن منظور الافریقی : لسان العرب' مادہ' "جوز" ج ۸' ص ۱۹۰ یاقوت' معجم البلدان بیروت' دار صادر' ج ۴' ص ۱۴۲' مصطفیٰ صادق الرافعی: تاریخ آداب العربیۃ' ط ۴' بیروت' دار الکتاب العربی' ۱۳۹۴ھ' ج ۳' ص ۱۸۸

۲۴۔ محمد بن جریر الطبری' جامع البیان من تاویل آی القرآن' ط ۲' القاہرہ' مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی' ۱۳۷۳ھ' ج ۲' ص ۲۹۵۔ ۲۹۸' ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم' القاہرہ' عیسیٰ البابی الحلبی' ب' ت' ج ۱' ص ۲۴۳' محمد بن احمد القرطبی : الجامع لاحکام القرآن' القاہرہ' مطبعۃ دار الکتاب المصریہ' ۱۹۳۶ء' ج ۲' ص ۴۳۱' عبدالرحمٰن السیوطی: الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور' طہران' المکتبہ الاسلامیۃ' ۱۳۷۷ھ ج ۱' ص ۲۳۳' محمود بن عمر الزمخشری' الکشاف' القاہرہ' مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی' ۱۳۶۷ھ' ج ۱' ص ۲۶۵۔ ۲۶۶۔

۲۵۔ احمد محمد الحوفی : الحیاۃ العربیۃ من الشعر الجاہلی' ط ۴' القاہرہ' مکتبہ نہضۃ مصر' ۱۳۸۲ھ' ص ۶۱۔

مخطوطات کا ایک نادر ذخیرہ

(مجلہ الزبیر، کتب خانہ نمبر، 1967ء)

مخطوطات کا ایک نادر ذخیرہ

از مولانا عبدالحلیم چشتی - ایم - اے -

مولوی شمس الدین صاحب تاجر کتب نادرہ (مسلم مسجد لاہور) علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ لاہور میں ان کی دوکان اہل علم کا مرکز ہے۔ لاہور کا وہ کون سا عالم، مصنف، ادیب، یا شاعر ہے جس کی مولوی شمس الدین صاحب کی دوکان پر آمد و رفت نہ ہو۔ بقول مخدوم غلام جیلانی پروفیسر اورنیٹل کالج لاہور "یہ کتابوں کی دوکان نہیں ہے۔ بلکہ اہل علم مرکز "ادارہ شمسیہ" ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے شمس الدین صاحب کو اس سے غرض نہیں کہ کتابیں فروخت ہوں یا نہ ہوں۔ جو بھی مقامی یا صادر وارد اہل علم آجائے! اس کی تواضع ضرور ہونی چاہیئے۔ چار کا دور چلتا ہے۔ دوپہر کو دستر خوان بچھتا ہے، جو موجود ہے وہ شریک دعوت شیراز ہے۔ مولوی شمس الدین صاحب کا ذاتی ذخیرۂ کتب بڑا قابل قدر ہے۔ نایاب اور نادر کتابیں نہ صرف وہ فروخت کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا ذاتی ذخیرہ بھی نوادرات پر مشتمل ہے۔ ہم نے اس ذخیرہ کی زیارت کی ہے۔

۱۹۶۲ء میں مولوی شمس الدین صاحب نے مخطوطات کا ایک ذخیرہ نیشنل میوزیم آف پاکستان (کراچی) کو فروخت کیا۔ اس کی تفصیلی فہرست جناب مولانا عبدالحلیم صاحب چشتی ایم۔ اے نے مرتب فرمائی ہے۔ مولوی شمس الدین صاحب اور مولانا چشتی صاحب کی عنایت سے اس فہرست کی ایک نقل ہمیں مل گئی ہے جس کو ہم الزبیر کے اس خاص نمبر میں پیش کر رہے ہیں۔

(محمد ایوب قادری)

قرآن مجید ترجمہ فارسی معہ مختصر تفسیر

صفحات ۸۰۷

سائیز ۱۵½" × ۱۱½"

یہ قرآن مجید ۸۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں متن و ترجمہ کی ۱۹ سطریں ہیں

یہ قرآن مجید اگرچہ خط نسخ میں ہے۔ مگر خط نسخ بھی نہایت قدیم ہے۔ اور اس کے طرزِ خط میں کوفی خط کی ادا جھلکتی ہے۔ یہ ترجمہ متداول فارسی ترجموں سے بالکل مختلف ہے۔ اس ترجمہ کی زبان تمام تر قدیم فارسی ہے۔ سورۂ صاد کا نام اور آیتوں کی تعداد کوفی رسم الخط میں ہے۔ جو کوفی آرٹ کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ تمام سورتوں کے نام اور تفسیر کے عنوانات سب آبِ زر سے لکھے ہوئے ہیں۔ اور رکوع کی علامات پھول کی شکل میں بنی ہوئی ہیں۔ اور ان کے بیچ میں کوئی لفظ خط کوفی میں لکھا ہوا ہے۔ ہر پھول کی جدولیں نہایت ہی باریک ہیں۔ اور ان میں بھی زر افشانی کی گئی ہے۔ آیتوں کے اوقاف کے جو نشان بھی دائرہ کی صورت میں بنے ہوئے ہیں۔ اور وہ زر افشانی سے مزین ہیں۔ اور ان کے اندر بھی علامات وقف کوفی خط میں لکھی ہوئی ہیں۔ ہر صفحہ پر متن کے چہار طرف نیلم سے جدولیں بنی ہوئی ہیں۔ سورتوں کے ناموں کی ہر سطر زر افشانی کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ ان امور کی تصدیق دو قدیم عکسی تصویروں سے بھی کی جا سکتی ہے۔ جو اسلامی انسائیکلو پیڈیا شائع دانش گاہ پنجاب کی چوتھی جلد کے تیسرے کراسہ میں موجود ہیں جن میں سے ایک چوتھی صدی اور دوسری پانچویں صدی کے قلمی قرآن مجید کی ہیں۔ ان کے اور اس کے اوقاف اور نقش و نگار میں سرِ مو فرق نہیں ہے۔ بلکہ اس میں سورۂ صاد کے اندر جو کوفی آرٹ کا نمونہ ہے۔ اس کی مثال سے وہ دونوں قرآن مجید یکسر خالی ہیں۔ صرف یہی ایک بات اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے۔ کہ یہ قرآن مجید چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے درمیانی زمانے کا لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح بوسٹن کے عجائب خانہ میں کوفی خط لکھا ہوا سورۂ طٰہٰ کا ایک نسخہ موجود ہے۔ یہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے۔ اس کا عکس مستشرق اسکروڈر نے آرٹ اسلامیکا صفحہ ۲۳۹ میں دیا ہے۔ اس کے اوقاف اور گلکاری ہو بہو اسی جیسی ہے۔

اس قرآن مجید کا رسم الخط وہی ہے۔ جو دنیائے اسلام کے مشہور خطاط ابن البوّاب علی بن ہلال المتوفی سنہ ۴۲۳ھ

کا طرزِ نگارش ہے۔ خیر زرکلی نے الاعلام ج۔ ۵ صفحہ ۶ اور لوح نمبر ۹۶۷ ابن البواب کے خط کا جو نمونہ دیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابن البواب کے دائرے اور کشش اس قرآن مجید کے متن کے الفاظ کے دوائر اور کشش ایک ہی سی ہیں۔ اس لئے ممکن ہے۔ کہ متن قرآن اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ اگر قطعی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو تسلیم نہ کریں۔ تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ یہ اس کے کسی باکمال معاصر کے قلم کا شاہکار تو ضرور ہے۔

کاغذ، کتابت اور نقاشی سنٹرل ایشیا، توران ماوراء النہر کے معلوم ہوتے ہیں۔ کاغذ نہایت قدیم ہے اور عجیب اجزاء سے تیار کیا گیا ہے۔ کہ قرآن مجید کو پانی پہونچنے کے بعد بھی پانی کا اثر کاغذ پر خوب نمایاں ہوا ہے .... لیکن کاغذ ایک دوسرے سے نہیں چپکا ہے۔ سیاہی بھی کچھ ایسی بنی ہوئی استعمال ہوئی ہے کہ پانی اس کو پہنچا لیکن سیاہی اس سے متاثر نہیں ہوئی۔

یہ قرآن مجید نہایت باریک وصلی پر لکھا ہوا ہے۔ وصلی کی صورت یہ ہے۔ کہ دو کاغذوں کو لے کر ایک کر دیا ہے۔ اور یہ کام کچھ اس ہنرمندی اور سلیقہ سے کیا گیا ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے۔ اور حیرت ہے کہ کاغذوں کو پانی پہنچا لیکن جوڑ نہیں کھلا۔ اور نہ کہیں اس امر کا سراغ ملتا ہے کہ یہ دو کاغذ ہیں۔ اور پھر اس کو اس خوبی سے گھوٹا گیا ہے۔ جس سے اس میں چکناپن آگیا ہے۔ اور اسی وجہ سے قرآن مجید وزنی ہو گیا ہے۔ ہم نے ایک مقام پر کاغذ کو تھوڑا سا جدا کر کے اس حقیقت کو وا انکشاف کر دیا ہے۔ کہ یہ قرآن مجید وصلی پر لکھا گیا ہے۔

کاغذ کی ساخت اور اور قدامت، سیاہی اور اس کی پختگی، خط اور زبان کی قدامت اس امر کی صریح دلیل ہے۔ کہ یہ قرآن مجید چوتھی یا پانچویں ہجری کا مخطوطہ ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل نظام الدین احمد النسابہ کا تحریر کردہ قرآن مجید ہے۔ جب وہ ۵۶۰ھ ہجری کا ہے تو یہ کم از کم پانچویں صدی ہجری کا مخطوطہ ضرور تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

قرآن ترجمہ اور تفسیر تلفظ اور املا کے معاملہ میں تورانی اور ماوراء النہری روایات کا پابند ہے یہی وجہ ہے۔ کہ ہر جگہ گاف کو کاف اور ڈال کو ذال لکھا گیا ہے۔ اور یائے مجہول کو استعمال کیا ہے۔ املا میں انہی امور کی رعایت کی گئی ہے جن کی تورانی یا ماوراء النہری کرتے ہیں۔

ترجمہ اور تفسیر کی زبان بھی نہایت قدیم ہے۔ اس میں حروف زائدہ اندر، بر اور مر وغیرہ کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح مترجم مثلاً خواہید، چشید کو خوہیت اور چشیت لکھتا ہے۔ اسی طرح کی بہت

سی باتیں ہیں، جن کو ہر صفحہ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسلوبِ بیان اور صفائی عبارت سادگی اور سلاست کے اعتبار سے اس کی زبان تاریخ طبری وغیرہ کی زبان سے ملتی ہے۔ اس تفسیر میں بجز محمد بن جریر طبری اور ان کی تفسیر و تاریخ کے کسی اور مصنف اور کتاب کا نام تک نہیں آیا۔ محمد بن جریر طبری کا نام حسب ذیل سورتوں کی تفسیر میں آیا ہے۔

(۱) سورۂ عنکبوت

(۲) سورۂ احقاف

(۳) سورۂ صافات

(۴) سورۂ حجرات

(۵) سورۂ اذا السماء انفطرت

(۶) سورۂ بلد

(۷) سورۂ سجدہ اس میں تاریخ طبری کا حوالہ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے پیشِ نظر صرف محمد بن جریر طبری کی کتابیں ہیں۔ اور ترجمہ محمد بن جریر المتوفی سنہ ۳۱۰ ہجری کے بعد کی تالیف ہے۔ ترجمہ اگرچہ لفظی ہے۔ لیکن مترجم نے ترجمہ کے اندر سہل جامع اور مناسب تر الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ جس سے ترجمہ نہایت جامع بڑا معنی خیز، عام فہم اور رواں ہو گیا۔ جس طرح ترجمہ میں فارسی کے غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے گریز کیا۔ اسی طرح ہمیں ترجمہ کے اندر عربی کے الفاظ بھی خال خال نظر آتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں۔ جو مترجم نے مطلب کی وضاحت کے لئے بڑے ہی غور و فکر کے بعد رکھے ہیں۔ جو اس دور میں نہایت عام تھے۔ اس سے اس کا افادی پہلو اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔

اس وقت ترجمہ اور تفسیر کا جو حصہ موجود ہے۔ اس میں احکام سے متعلق آیتیں کم ہیں۔ اس لئے ہمیں اس مختصر تفسیر میں قصص کا بیان زیادہ ملتا ہے۔ اس میں بھی مترجم نے مضمون کے اعادہ سے گریز کیا۔ اور حوالہ سابقہ پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن جہاں کلام سے متعلق کوئی بات آئی ہے۔ اس کو نظر انداز نہیں کیا۔ بلکہ اس پر بحث کی ہے۔ چنانچہ خلافت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ ایلا کی بحث میں اس مسئلہ پر بھی کلام کیا ہے۔

اس ترجمہ کی جامعیت، سادگی اور خوبی کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب نامور اہل زبان اوباد کے ترجموں یا دقیق النظر اہل علم کے فارسی ترجموں سے اس ترجمہ کی صرف چند ہی آیتوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے۔ ہم مشتے نمونہ گلے از گلزارے یہاں صرف ایک دو آیتوں کا ترجمہ شہرہ آفاق فارسی ترجموں سے نقل کرتے ہیں۔ جن میں سے بعض ایسے ہیں۔ جو انفرادی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہیں۔ بلکہ حکومت افغانستان نے انتخاب زمانہ، دیدہ وروں اور باکمال علماء سے ترجمہ کرا کے نہایت صحت و اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس کو بھی ہم تقابلی ترجمہ میں نقل کرتے ہیں۔ پھر اس ترجمہ کو نقل کریں گے جو خود کہے گا۔

"دلے من چیزے دیگرم"

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (سورۃ بقرہ ع)

(۱) ملا حسین بن علی واعظ کاشفی المتوفی ۹۰۶ھ ترجمہ کرتے ہیں۔

تو بیابی جہوداں را حریص ترین مردماں بر زندگانی و از آنکہ شریک آوردند دوست دارد یکے از ایشاں کہ کاش عمر دادہ شود ہزار سال ونیست آنکہ اور رہانندہ باشد از عذاب دوزخ آں کہ عمر دادہ شود وخدا بیناست بانچہ می کنند

(۲) وہ ترجمہ سعدیؒ سے منسوب ہے۔

تو بیابی جہوداں را حریص ترین مردماں بہ زندگانی و حریص تر از آنکہ شریک می آرند دوست دارد یکے از ایشاں کہ کاش عمر دادہ شود ہزار سال ونیست رہا کنندہ از او عذاب دوزخ آنکہ عمر دادہ شود خدا بیناست وآنچہ می کنند

(۳) ترجمہ منقول از قرآن مجید موسوم بہ کشف الآیات مطبوعہ کتاب فروش اسلامیہ طہران ۱۳۶۸ھ ج

دہر آئینہ بیابی ایشاں را حریص ترین مردماں بر زندگانی و از آنکہ شرک آوردہ اند دوست میدارد احد ایشاں را کہ کاش عمر دادہ می شد

ہزار سال و نیست او دور کنندہ اش از عذاب این کہ عمر دادہ شود
خدا بیناست و آنچہ می کنند ۔

(۴) ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۔

و ہر آئینہ بیابی ایشاں را حریص ترین مردم بر زندگانی و حریص تر و از
آنانکہ مشرک اند دوست می دارد یکے از ایشاں کاش عمر دادہ شود
ہزار سال و نیست رہانندہ وے از عذاب آن کہ عمر دادہ شود
خدا بیناست و آنچہ میکنند ۔

(۵) ترجمہ شیخ الہند فارسی طبع کابل ۱۳۲۳ھ

و ہر آئینہ بیابی ایشاں را حریص ترین مردم بر زندگانی و حریص تر از
کسانیکہ شرک آوردہ اند دوست میدارد یک یک از ایشاں کاش
عمر دادہ شود ہزار سال و نیست آن رہانندہ وے از عذاب کہ عمر
دادہ شود و خدا نیک بیناست و آنچہ میکنند ۔

(۶) ترجمہ ہذا نسخہ

و یابی ایشاں را آرزومند ترین مرداں بر زندگانی و از کس ہا کہ انباز
گرفتند دوست دارند یکے از ایشاں اگر زندگانی باشد او را
ہزار سال و نباشد آں دور کنندہ او را ز عذاب کہ زندگانی
او دراز باشد و خدا بیناست بر آنچہ ہمیں کنند ۔

اس ترجمہ سے جیسے عام فہم سادہ اور سلیس جامع اور مختصر الفاظ مترجم نے رکھے ہیں بیان
سے باہر ہیں ۔

اب ذرا اس مقام کو بھی ملاحظہ فرمائیں جہاں مترجم نے عربی الفاظ کو ترجمہ میں جگہ دی ہے اس کا
اندازہ بھی ان مذکورہ بالا ترجمہ نگاروں کا ترجمہ پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے ۔ ان ترجموں کے پڑھنے
کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ مترجم نے ترجمہ میں عربی الفاظ لا کر حقیقت سے ذہن انسانی کو کس قدر
قریب تر کر دیا ہے ۔ اور مغز کلام کو کس طرح سے آشکارا کیا ۔ حقیقت یہ ہے ۔ کہ مترجم کے ترجمہ

کا لطف الفاظ کی ترجمانی سے بالاتر ہے۔ نمونہ ذیل ہے۔

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ أَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ ۝ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

(۱) ترجمہ ملا حسین کاشفی

اے پروردگار ما و گردان ما ہر دو را ثابت ما سلام مر ترا و از فرزندانِ ما گروہے گردن نہندہ مر ترا و بنمائی ما افعال حج و قبول فرمائی بر ما توبہ بدرستیکہ توئی توبہ پذیرندہٗ مہرباں اے پروردگار ما و بر انگیز در میان اینہا رسولے از اینہا کہ بخواند بر اینہا اشارتِ ترا و بیاموز و اینہا را کتاب و حکمت پاک گرداند اینہا را بدرستیکہ توئی غالب محکم کار۔

(۲) سعدیؒ کا ترجمہ۔

اے پروردگار ما و گرداں ما را ہر دو ثابت ما سلام مر ترا و از فرزندانِ ما گروہے گردن نہندہ مر ترا و بنما ما را افعال حج و قبول فرما بر ما توبہ بدرستیکہ توئی توبہ پذیرندہٗ مہرباں اے پروردگار ما و بر انگیز در میاں اینہا رسولے از اینہا کہ بخواند بر اینہا آیتہائے ترا و بیاموز و اینہا را کتاب و حکمت و پاک گرداند اینہا را ہر آئینہ توئی توانا و دانا۔

(۳) ترجمہ ایرانی و کشف الآیات۔

پروردگار ما دیگراں ما را دو منقاد مر ترا و از ذریت ما آیتے منقاد مر ترا و بنما ما را مناسکماں و بپذیر توبہ از ما بدرستیکہ توئی توبہ پذیر مہربان پروردگار ما و بر انگیز در ایشاں کہ بخواند بر ایشاں آیتہائے تو او بیاموز و ایشاں را کتاب و حکمت و پاک ساز و ایشاں را بدرستیکہ تو

توئی غالب درست کردار۔

(۴) ترجمہ شاہ ولی اللہؒ۔

اے پروردگار ما و بکن مارا فرماں بردار خودت و از اولاد ما و بکن گروہے منقاد خودت و بنما مارا طریق عبادت ہائے ما و بمہربانیٔ باز ما بر آئینہ توئی باز آئندہ مہربان اے پروردگار ما بفرست درمیانِ ایشاں پیغامبرے از ایشاں بخواند بر ایشاں اینہائے تو و بیاموز و ایشاں را کتاب و علم و پاک کند ایشاں را بدرستیکہ توئی غالب محکم کار۔

(۵) ترجمہ شیخ الہند۔

اے پروردگار ما بگرداں مارا فرماں براں بخود و از اولادِ ما گروہے فرماں بر بخود و ہنمائی مارا مناسک مارا (قواعد حج) و بپذیر توبہ مارا بر آئینہ توئی پذیرندہ توبہ مہرباں اے پروردگار ما و بفرست درمیان ایشاں پیغمبرے از ایشاں کہ بخواند بر ایشاں اینہائے ترا بیاموز و ایشاں را کتاب و حکمت و پاک کند ایشاں را ہر آئینہ تو توئی بسیار غالب بسیار با حکمت

ترجمہ نسخہ ہذا۔

بارخدائے ما بکن مارا دو مخلص ترا وز فرزندان ما گروہے مخلص ترا و بنمائے مارا کارہائے حج ما و توبہ و بر ما کہ توئی تو توبہ دہندہ و بخشایندہ، بارخدائے ما بفرست اندر میان ایشاں پیغامبرے از ایشاں تا برخواند بر ایشاں آیتہائے تو و بیاموز ایشاں را کتاب و حکمت و پاکیزہ کند ایشاں را کہ توئی بے ہمتا با حکمت

افسوس ہے۔ کہ سعی بسیار کے باوجود قرآن مجید کا پورا نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ اگر اوّل و آخر کا صفحہ مل جاتا۔ تو ہمیں شاید مصنف اور کاتب کا نام معلوم ہو جاتا۔ اور سن کا بھی تعین ہو جاتا۔ لیکن کچھ یونہی مقدر تھا۔ تاہم ترجمہ قرآن مجید اور تفسیر کے بالاستیعاب مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا ہے۔ کہ اس کا مترجم اور مفسر کوئی چوتھی صدی ہجری کا نہایت جید عالم تھا۔ اس کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر معمولی عبور حاصل تھا۔ وہ بڑا معتدل مزاج انسان تھا۔ اختلافی مسائل سے کہیں تعرض نہیں کیا۔ اسی

طرح مسلک حنفیہ کے اظہار میں کہیں پہلو تہی نہیں کی ہے۔ جس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مترجم چوتھی صدی ہجری کے وسط میں بقید حیات تھے۔ وہ درج ذیل ہے۔

پس بکتاب فتن اندر چنیں آمدہ است کہ ایں دجال بہ آخر زماں بیرون آید و بیرون آمدن او و بیرون آمدن یاجوج و ماجوج و بیرون آمدن مہدی و عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام یک سال باشد و باز برو نہ ازیں جہاں چو سال از چہار صد بگذرد و ایں را بر خاستے چشم باید داشتن۔

(حدیث دجال لعنت اللہ) سورۂ مومن

حافظ محمود شیرانی مرحوم نے ایک نہایت فاضلانہ مقالہ "قرآن مجید کی ایک قدیم تفسیر" کے عنوان سے اورنٹیل کالج میگزین لاہور کے اندر مئی ۱۹۳۳ء میں سپرد قلم کیا۔ جو بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس میں موصوف نے فارسی میں تفسیر نگاری کا آغاز چوتھی صدی ہجری وسط یعنی ۳۲۵ھ سے م دیا ہے۔ اور پھر قدیم ترین پانچ تفسیروں کے حسب ذیل نام گنائے ہیں۔

(۱) تفسیر منصوری (یہ وہی تفسیر ہے۔ جو ابو صالح منصور بن نوح سامانی نے علماء کی ایک جماعت سے تفسیر طبری کا ترجمہ کرایا ہے۔)

(۲) تفسیر السور آبادی از ابو بکر عتیق بن محمد السور آبادی الہروی جو الپ ارسلان سلجوقی ۴۵۵ھ و ۴۶۵ھ کے بزرگ ہیں۔

(۳) تاج التراجم فی تفسیر القرآن للعجم المعروف طاہری از عماد الدین ابو المظفر طاہر بن محمد الاسفرائینی المخاطب بہ شاہفور المتوفی ۴۷۱ھ

(۴) تفسیر زاہدی از ابو نصر احمد بن الحسن بن احمد بن سلیمان درواجکی۔ یہ تفسیر ۵۱۹ھ میں بخارا میں تالیف ہوئی۔

(۵) تفسیر بصائر یمینی یا البصائر فی التفسیر از محمد بن محمود النیشا پوری۔ یہ بہرام شاہ غزنوی ۵۱۱ھ و ۵۵۲ھ کے عہد کے بزرگ ہیں۔

یہ مذکورہ بالا پانچ تفسیروں میں سے تفسیر منصوری بلا شبہ چوتھی صدی ہجری کی تالیف میں ہے لیکن وہ کوئی مستقل تفسیر نہیں ہے۔ وہ تفسیر طبری کا ترجمہ ہے جو چالیس مجلدات پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہے۔ کہ مخطوطہ ترجمہ و تفسیر، تفسیر طبری کا ترجمہ تو کیا خلاصہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ

ایک جُدا گانہ اور مستقل ترجمہ و تفسیر ہے۔ تفسیرِ منصوری کے علاوہ جو چار تفسیریں ہیں۔ وہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کی تفاسیر میں سے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی یقینی طور پر چوتھی صدی ہجری کی تصنیف نہیں ہے۔ چونکہ آج مذکورہ بالا تفسیریں ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ مخطوطہ بھی ان میں سے ایک ہو۔ اگرچہ یہ امکان بھی ایسا ہے۔ جس پر کوئی قوی قرینہ ثبوت میں پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس یہ کہنا بے جا نہیں کہ مخطوطہ ہذا کا مذکورہ بالا اقتباس اس امر کا شاہد ہے کہ ترجمہ و تفسیر چوتھی صدی ہجری کے اختتام سے قبل ہی پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

بہت ممکن ہے۔ کہ یہی ترجمہ و تفسیر عہدِ سامانی کا وہ ناقابلِ فراموش علمی کارنامہ ہو۔ جو تاریخ طبری اور تفسیر طبری کے ترجمہ کے معاً بعد ہوا ہے۔ جیسا کہ بعض مستشرقین کا خیال ہے عصرِ حاضر کا نامور مؤرخ و ادیب ڈاکٹر رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران میں لکھتا ہے:۔

تاریخ طبری اور تفسیر طبری کے ترجموں کے سوا۔
"قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے۔ جس کے بارے میں بعض مستشرقین کا خیال ہے۔ کہ یہ بھی سامانی دور سے تعلق رکھتا ہے۔"

(ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات ایران مترجمہ سید مبارز الدین طبع ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۵ ص۷۱)

ان تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ کہنا حقیقت سے بعید نہیں۔ کہ یہ مخطوطہ مذکورہ بالا تمام تفسیروں سے جُدا ہے۔ اس لحاظ سے یہ عظیم الشان نادر مخطوطہ دُنیا بھر میں یکتا و منفرد ہے۔

۱۳۔ قرآن مجید قلمی
اوراق ۳۱۸ ۔ کاغذ قدیم مہرہ زدہ
سائیز ۱۰" × ۶"

خطاط :۔ نظام الدین احمد حسینی حسنی نسابہ اور سن کتابت [illegible]ھ ہے لوح اول نہایت اعلیٰ درجہ کی طلا کاری کا نمونہ ہے۔ اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ اندر کے دوسرے اور تیسرے صفحہ کی لوحیں دس خوشنما رنگوں سے مزین ہیں اور اس میں بعض دھاریاں تو بلا مبالغہ بال سے باریک ہیں۔ نقش و نگار بھی خوب ہیں۔ ہر صفحہ کی جدولیں سہ رنگی اور طلائی ہیں۔ اور ہر سطر میں زرافشانی کی گئی ہے۔ متن نہایت عمدہ اور نسخ میں لکھا ہوا ہے۔ اور کمال یہ ہے۔ کہ شروع سے آخر تک قلم میں کہیں فرق نہیں آیا ہے۔ مد اور وقف شنگرفی ہیں۔ آیتوں کی نشانیوں میں طلائی چہار رنگی خوشنما پھول بنے ہوئے ہیں۔ اکثر پھول آب یاقوت، آب لاجورد و عقیق سے بنائے گئے ہیں

جو جڑاؤ نگینوں کی طرح نظر آتے ہیں ۔ حواشی پر علامات عشر و خمس سجدہ کے الفاظ میں زر افشانی کی گئی ہے
ہر صورت کے آغاز میں نام اور سورتوں کی تعداد کے حروف میں بھی شاندار زر افشانی ہے اور ہر سطر
کی جدولیں تمام تر نیلم کی ہیں ۔ اور ہر پارہ کے آغاز میں حاشیہ پر جو طلائی کام ہے ۔ وہ بھی بڑا ہی دیدہ زیب
ہے ۔ بین السطور ترجمے کی جگہ یکساں سادہ ہے ۔ سورتیں لاجوردی زمین کی پیشانی پر طلائی قلم سے لکھی گئی ہیں
خطاطی، کاغذ اور گلکاری تمام تر ترکی یا تورانی ہیں ۔ ساتویں صدی ہجری کے آخر اور آٹھویں صدی
ہجری کے آغاز میں خط نسخ کی ایسی حسن کارانہ شان کمتر ہی نظر آتی ہے ۔

نظام الدین ن بہ مشہور خطاط یاقوت مستعصمی کا معاصر ہے اور قرآن مجید اس کی قدرت قلم اور فنکارانہ
شان کا آئینہ دار ہے ۔ اس کے قلم سے لکھا ہوا پورا قرآن مجید ایک نعمت غیر مترقبہ ہے ۔

آخری صفحہ پر احمد شاہ ابدالی کے مقرر کردہ ناظم اور گورنر کشمیر سردار محمد عظیم خاں کے متعلق ایک
تاریخی تحریر بھی موجود ہے ۔ جس میں اس امر کی صراحت ہے ۔ کہ محمد حسین خاں عرضی بیگی اور قاضی ملا نور محمد نے
قرآن مجید کو حَکَم بنا کر سردار محمد عظیم خاں کے سامنے اس امر کا عہد کیا تھا ۔ کہ وہ ہمیشہ اس کی اطاعت
کریں گے ۔ اور کبھی اس کی اطاعت سے روگردانی نہیں کریں گے ۔ اس عہد نامہ کی تاریخ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۰ھ ہے

یہ قرآن مجید اس لحاظ سے ہی منفرد نہیں ہے ۔ کہ اس میں ایک تاریخی عہدنامہ تحریر ہے ۔ بلکہ اس کی
یہ اہمیت بھی کچھ کم نہیں ۔ کہ قرآن مجید کو حکم بنانے اور اس کو درمیان میں رکھ کر عہد کرنے کا ذکر تاریخ کی کتابوں
میں کثرت سے آتا ہے ۔ لیکن اس کی کیفیت صحیح علم اس قرآن مجید کو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے ۔ اس عہد نامہ میں
کیا کچھ لکھا جاتا تھا اور کس مقام پر لکھا جاتا تھا عہد نامہ کی یہ تحریر تاریخ عہد ابدالی کے اہم جزئیہ سے متعلق ہونے کے باعث
نہایت اہم ہے ۔ اور اس امر کا بین ثبوت ہے ۔ کہ اس قرآن مجید کا تعلق شاہی کتب خانہ سے بھی رہا ہے ۔
حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو نوائے معارک طبع کابل صفحہ ۹ تا ۵۰ ۔

واضح رہے کہ اس قلمی قرآن مجید کی مذکورہ بالا خصوصیات اور خصوصی اہتمام سے ایسا معلوم ہوتا ہے
یہ نسخہ کسی بادشاہ یا وزیر کے لئے لکھا گیا ہے ۔

حمائل شریف بخط بہار
(۲ نسخے)

کتابت غالباً نویں صدی ہجری کی ہے ۔ جدولیں تمام تر شنگرفی
و نیلگوں ہیں ۔ یہ حمائل حسن کتابت کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ تمام قرآن مجید میں
اللہ کا نام سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے ۔ سورتوں اور پاروں کے

عنوانات طلائی ہیں۔ سورہ کہیٰعص کا آغاز جس صفحہ پر ہے، وہ اور دوسرا صفحہ نقاشی کا قدیم نمونہ ہیں

یوں تو خطِ بہار کے صرف چند قرآن ہی دنیا میں موجود ہیں۔ ان میں سے یہ ایک حمائل بھی ہے لیکن خط بہار کا ہر نسخہ اتنا خوبصورت کتابت نہیں کیا گیا ہے۔ اگرچہ کاتب کا نام موجود نہیں ہے لیکن خط کی پاکیزگی یہ بتا رہی ہے، کہ یہ کسی کہنہ مشق نامور استاد کے قلم کا شاہکار ہے۔ اس نسخے کی کتابت کو پانچ سو سال سے زائد عرصہ گذر گیا ہے۔ لیکن نسخہ بہت عمدہ حالت میں موجود ہے۔

کاغذ کی نفاست اور باریکی بیان سے باہر ہے۔ ہر پارہ کی اول آیت میں زرافشانی کی گئی ہے اور اس کے حاشیہ پر جو پھول بنایا گیا ہے۔ وہ اس دور کا بہترین آرٹ ہے۔

بحرا المخطوطات (فارسی)

شرح

(دیوان حافظ شیرازیؒ) ۲ جلد

تالیف :۔ عبیداللہ خویشگی قصوری

سطر ۲۰ صفحات جلد اول ۴۸۰ } ۹۳۰ سائیز ۴/۳ ۶ × ۲/۱ ۱۰"

صفحات جلد دوم ۴۵۰

یہ عبیداللہ خویشگی قصوری کی تالیف ہے۔ اور نہایت مبسوط اور جامع شرح ہے۔ جو دو نہایت ضخیم جلدوں میں سمائی ہے۔ کاتب کا نام معین الدین ولد ملا مزین الدین مرید شیخ رحمکارؒ ہے اور سن کتابت ۱۲۶۰ ہجری کا ہے کتابت نہایت عمدہ حالت میں ہے اور بالکل بے داغ نسخہ ہے۔ اور بڑے اہتمام سے لکھا گیا ہے۔ جدولیں خوبصورت اور عنوانات سرخ قائم کئے گئے ہیں۔ ہر جلد کے آغاز میں غزلیات کی فہرست بھی موجود ہے۔ ترتیب نہایت دلآویز ہے۔ مسودے کی ترتیب شیخ انور ولد شیخ ابو الفتح نے کی تھی۔

شارح عبیداللہ خویشگی کا شمار عہد شاہجہانی کے نامور فضلاء و عمائد میں ہوتا ہے۔ موصوف نے یہ کتاب شاہجہاں کے عہد میں تالیف کی۔ جیسا کہ کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے ذکر کیا ہے۔ تالیف کا کوئی سن کتاب میں نہیں دیا گیا ہے۔ لیکن شاہجہانی عہد ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ ہجری کی یادگار ہے۔ اس سے پیشتر ہندوستان میں دیوان حافظؒ کی مکمل شرح نہیں لکھی گئی۔ اس لئے اس تالیف کو اولیت کا

شرف حاصل ہے مطالب کی تشریح انتہائی عالمانہ انداز میں کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ شرح ایک مستقل قاموس العلوم بن گئی ہے۔ یہ کہیں طبع بھی نہیں ہوئی ہے۔ قلمی نسخے نایاب ہی نہیں ہیں بلکہ ناپید ہیں دنیا بھر کے مشہور کتاب خانوں کے مخطوطات کی فہرستوں میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ واحد مخطوطہ ہے۔ مطالب کی اہمیت اور اپنی نایابی و یکتائی کے باعث انتہائی قابل قدر نسخہ ہے۔

جناب ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب نے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں قصور کے پٹھان خاندان پر جو مضمون لکھا ہے۔ اس میں عبیداللہ خویشگی کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور تاریخ قصور میں بھی مولف کا تذکرہ موجود ہے۔ نیز ملاحظہ ہو معارج الولایت از عبیداللہ خاں خویشگی قصوری۔ قصور کی افغان کالونی (مقالہ) از مولوی محمد شفیع صاحب ایم۔اے اسلامک کلچر حیدرآباد۔ جولائی۔ستمبر ۱۹۲۹ء

شرح گلستان (عربی)

مصنف:۔ مصطفٰے ابن شعبان رومی
سطر ۲۶۔ صفحات ۲۵۴۔ سائز ۶½ × ۱۱

یہ نامور ادیب و قاضی استنبول مصطفٰے ابن شعبان رومی حنفی المعروف بسروری المتوفی ۹۶۹ھ کی تصنیف ہے علامہ سروری کو فارسی، ترکی اور عربی زبان میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ موصوف نے ترکی زبان میں بھی گلستان کی شرح لکھی ہے لیکن عربی زبان میں مذکورہ بالا شرح موصوف نے سلطان مصطفٰے بن سلیمان خاں عثمانی کے حکم سے لکھی ہے۔

عربی زبان میں گلستان کی شرحوں میں صحت اور جامعیت کے اعتبار سے اسی شرح کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔ کیونکہ شارح نے دیباچہ کتاب میں مختلف شرحوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا ہے۔ کہ اس سے بیشتر جو شرحیں لکھی گئی تھیں اور شارحین کو فارسی محاورات اور اصطلاحات سے پوری واقفیت بھی نہیں تھی۔ اس لئے میں نے یہ شرح لکھی ہے۔ اور سابقہ شرحوں کی اغلاط پر تنبیہہ کی ہے۔

اس شرح کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شارحؒ کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر پورا پورا عبور حاصل تھا۔ شرح میں لطائف و ظرائف کا ذکر بھی خوب کیا ہے۔ الفاظ کے ضبط کو اور فارسی ترکیبوں کا ہر جگہ ذکر کیا ہے۔

حاجی خلیفہ اس شرح کے متعلق کشف الظنون ج۔ ۲ ک ۴۰۲ ۱۵ میں لکھتے ہیں:-

شرح شرح کافیہ بالعربیہ

کتاب میں جا بجا مختلف علماء کے حواشی ہیں، اور بعض مواقع پر ان کے نام درج ہیں۔ البتہ مصحح محمد عبداللہ کا نام کثرت سے آتا ہے۔ آیتوں کی تفسیر میں مشہور تفسیروں مدارک، بیضاوی وغیرہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ شرح ابتک کہیں نہیں چھپی ہے۔ کاغذ مضبوط اور کتابت نہایت اچھی حالت میں ہے۔ جن کتب خانوں میں قلمی کتابیں محفوظ ہیں۔ ان میں سے صرف انڈیا آفس میں اس کتاب کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ اسماعیل پاشا نے ہدیہ العارفین ج۔ ۲ صہ ۴۴۳ میں بصراحت لکھا ہے۔ کہ موصوف کی تصانیف میں سے مثنوی اور دیوان حافظ کی شرح بھی ہیں۔

سروری نے یہ شرح سن ۹۷۰ ہجری میں اماسیہ میں مکمل کی ہے یہ شرح نہایت کمیاب ہے

قصہ مدہو مالت و منوہر (فارسی نظم)

مصنفہ:- عاقل خاں رازی

صفحات ۵۰　سائز ۵½ x ۸½

عاقل خاں رازی اپنے عہد کے نہایت نامور فاضل اور بڑے پُر گو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ مصنف تذکرہ مراۃ الخیال کے ہمعصر تھے جس کا ذکر تذکرہ مراۃ الخیال میں درج ہے۔ بعد کے تذکروں کے علاوہ تذکرہ آتش کدہ آذر، تذکرہ روز روشن اور تذکرہ شعرائے دکن میں بھی مثنوی اور مثنوی کے مصنف کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ ان کا دیوان، مثنوی شمع و پروانہ، وقائع عالمگیری وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

عاقل خاں کو اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد میں عروج حاصل ہوا۔ اور آخری زمانے میں وہ دہلی کا گورنر بھی ہو گیا تھا۔ یہ مثنوی عاقل خاں رازی کے واردات قلبیہ اور ان کی طبع وقاد کی آئینہ دار ہے اور اپنی روانی کے اعتبار سے فارسی مثنویات میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔

یہ مثنوی ابھی تک کہیں نہیں چھپی ہے۔ اس مثنوی کے قلمی نسخے بھی نہایت درجہ کمیاب ہیں۔

اس کتاب کے شروع میں اس کی ہم خط ایک اور کتاب شیرازہ بند ہے۔ اور وہ بھی ایک فارسی مثنوی ہے اس کا مصنف ابن عماد ہے۔ اور خاتمہ پر اس کا نام:-

تعریف عشق بازان درج ہے۔

تعریف عشق عشق بازان ۔

سطر ۱۲ صفحات ۱۶۸
سائز ۱/۲ ۵ × ۱/۲ ۸

یہ مثنوی نہایت نادر ہے ۔ اور کہیں طبع نہیں ہوئی ہے ۔
یہ مثنوی ایک کہنہ مشق استاد کی طبع وقاد کا شاہکار ہے ۔ اس مثنوی کا کوئی اور مخطوطہ کسی کتب خانے کی فہرست میں نہیں پایا گیا اس لئے خیال ہوتا ہے ۔ کہ یہ غالباً اس مثنوی کا واحد مخطوطہ ہے ۔

وسیلۃ السعادات در بیانِ مسائل عبادات (فارسی)

تالیف عثمان بن محمد غزنوی رح

سطر ۲۴ ۔ صفحات ۶۳۸ ۔ سائز ۱/۲ ۹ × ۶

یہ نویں صدی ہجری کے نامور فقیہہ عثمان بن محمد غزنوی رح کی تالیف ہے ۔ اور مسائل فقہ پر نہایت جامع اور مستند کتاب ہے ۔ فقہ پر جتنی اساسی کتابیں اس زمانے تک رائج و متداول تھیں ۔ مؤلف علام نے ان سب سے استفادہ کیا ہے ۔
اور نہایت مؤثر انداز میں مسائل فقہ کو بیان کیا ہے ۔ کتاب میں شروع سے آخر تک ترکستان (سنٹرل ایشیا) کا کاغذ استعمال کیا گیا ہے ۔ اس لئے بلاشبہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ یہ ترکستان کے علاقہ میں لکھا گیا ہے ۔
پانچ سو سال گذر جانے کے باوجود آج تک اس کی آب و تاب میں فرق نہیں آیا ہے اور نہ اس کی سیاہی کی پختگی تابندگی اور چمک دمک میں کوئی تغیر و تبدل ہوا ہے ۔ اتنے قدیم الکتابت نسخے کا اتنی اچھی حالت میں محفوظ رہ جانا حیرت انگیز امر ہے ۔ یہ کتاب اس لحاظ سے بھی اہم ترین ہے ۔ کہ یہ نویں صدی ہجری کے خط کی تاریخی یادگار ہے ۔ بلکہ یہ کتاب خط نسخ سے خط نستعلیق کے آغاز کی بھی غماز ہے اس کتاب کے کسی قلمی نسخے کا دنیا کے کسی کتاب خانہ کی فہرست (کیٹیلاگ) میں سراغ نہیں ملتا ہے ۔ اس لئے یہ یقیناً واحد مخطوطہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔
نسخہ ہذا کے آخر میں سن کتابت ۸۹۶ ہجری درج ہے ۔

بشن پران (فارسی)

سطر ۱۲ صفحات ۲۹۶ سائز ۱/۲ ۵ × ۸

برہمنوں کے مذہب کی وہ آخیر منظوم کتب مقدسہ جن کے مسائل کو مصنفوں نے ہندوؤں کے پرانے عقیدے کے مطابق تصور کیا ہے ۔ انگریز محققوں کے نزدیک یہ کتابیں آٹھویں صدی عیسوی کے بعد کی ہیں ۔ ان کی تعداد "۱۸" ہے ۔ ان میں وشنو اور شیو کے معتقد فرقوں کے عقائد کی تشریح ، دیوتاؤں کے مشہور قلعے ، نسب نامے ، آفرینش عالم ، قیامت اور پھر از سر نو پیدائش مخلوقات

کے حالات درج ہیں۔ بلکہ بعض میں بادشاہوں اور بہادروں کے کرسی نامے بھی دئیے ہیں۔ پرانوں میں تین دیوتاؤں کو مسلّمہ رکھا گیا ہے۔ اوّل برہما یعنی خالق۔ دوئم شیو، یعنی ہلاک کرنے والا۔ سوئم وشن یعنی پرورش کرنے والا۔ ان میں وشن اور شیو کی پرستش سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ بہت سے پرانوں کو بیاس جی نے لکھا ہے۔ یا جمع کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ ان میں ۴ لاکھ اشلوک یا شعر ہیں۔ لیکن باعتبار شمار تین لاکھ تراسی ہزار ایک سو ہیں (۳۸۳۱۰۰) ہیں (فرہنگ آصفیہ از سید احمد دہلوی جلد اول ص۵۱۱) پرانوں کی اہمیت کے سلسلے میں دیکھئے۔ سے

(1) ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS BY J HASTINGS V.L V P 447 DABLIS HID 1918

(2) CALCUTTA REVIEW APRIL 1908 P 258

موجودہ مخطوطہ وشن پران کا فارسی ترجمہ ہے۔ مترجم کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ آغاز کا ایک ورق کم ہے۔ یہ کتاب رنجیت سنگھ کے عہد میں ۱۸۸۲ بکرمی میں ہرداس عُرف طوطہ برہمنی کشمیری نے کسی کے لئے لکھی تھی۔ جس کے لئے لکھی تھی۔ کسی نے اس کا نام مٹا کر اس کی جگہ منشی رادھا کرشن لکھ دیا ہے یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ قلمی نسخے بھی حد درجہ کمیاب ہیں۔ یہ سنسکرت کی کتابوں کے فارسی تراجم کی ایک مہتم بالشان کڑی ہے۔ اور تحقیقات علمیہ کے لئے ایک عمدہ ماخذ و قابل قدر دستاویز ہے۔

مجموعۃ الغرائب (عربی)

سطر ۲۳ صفحات ۴۸۰ سائز ۱۳ x ۸½

فقہی ترتیب کے ساتھ آئمہ کی کتب سے اخذ والتقاط کر کے یہ مجموعہ مسائل مرتب کیا گیا ہے نسخہ مکمل ہے اور کبھی طبع نہیں ہوا ہے قلمی کتابوں کے ذخائر کی فہرستوں میں اس کا سُراغ نہیں ملتا ہے۔ یہ غالباً واحد مخطوطے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور نہایت نادر الوجود ہے۔

سن کتابت ۱۰۷۱ ہجری اور کاتب کا نام رحمت اللہ خدایار بن مظفر تحریر ہے۔ بروکلمن نے مصنف کا نام ابو جعفر حنفی بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ کہنا بیجا نہیں۔ کہ اس کا مؤلف چھٹی صدی کا فقیہہ تھا۔

عمدۃ الاسلام (فارسی)

مصنفہ:- مولانا ابو طاہر بن کمال ملتانی

سطر ۱۵ صفحات ۲۵۶ سائز ۱/۴ ۶ × ۳/۴ ۹

یہ مولانا ابو طاہر بن کمال ملتانی کی تصنیف ہے اس کی تالیف و ترتیب میں موصوف نے کم و بیش ۷۰ مستند و معتبر کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب میں فقہ کے مسائل اور فرائض کی مجتہدانہ انداز میں جس طرح سے تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اور دنیا کے بڑے بڑے کتب خانہ جو نادر المخطوطات سے پُر ہیں۔ اس گوہر بے بہا سے عاری ہیں یہ نسخہ نعمت ہائے روزگار سے ہے۔

اس کتاب کا اختصار عبد العزیز نے کیا۔ اور عبد الرحمٰن ابن یوسف نے اس اختصار کو اضافہ کرکے اس کا ترکی میں ترجمہ کیا، اور اس کا نام "عماد الاسلام" رکھا۔ اس میں ضعیف حدیثوں پر بھی کلام کیا ہے۔

مجموعۃ الاعمال (عربی، فارسی)

مصنف:- احمد علی بن موسیٰ

سطر ۱۱ - صفحات ۱۵۳ سائز ۱/۴ ۷ × ۱۲

یہ احمد علی بن موسیٰ کی تصنیف ہے خط نستعلیق ہے۔ جدولیں طلائی ہیں۔ کتابت نہایت خوشخط ہے۔ اور کتاب ۲۰ فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے مولف نے اس تالیف کے لیے مستند و معتبر کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً مصباح و کافی، مجموعہ الدعوات و الجنہ المکارم الاخلاق و تحفۃ الزاہر و حلیۃ المتقین مصباح العابدین، والصحیفہ وغیرہ۔

مؤلف نے یہ کتاب اودھ کے مشہور و معروف وزیر روشن الدولہ منیر الملک محمد حسین خاں بہادر قائم جنگ کے نام نامی سے منسوب کی ہے۔ روشن الدولہ کی وزارت کا زمانہ نصیر الدین حیدر کا زمانہ ہے۔ روشن الدولہ ۱۲۴۸ ہجری میں وزیر ہوئے تھے۔ نصیر الدین حیدر کی وفات ۱۲۵۳ ہجری تک ان کا اقتدار رہا۔ اس کی تالیف کا زمانہ سن ۱۲۴۸ ہجری اور سن ۱۲۵۳ ہجری کا درمیانی عرصہ ہے۔

کتابت بھی اسی عہد کی معلوم ہوتی ہے۔ اس نسخہ کی آب و تاب خوش قلمی اور اہتمام صحت و کتابت سے یہ گمان گذرتا ہے۔ کہ یہ نسخہ روشن الدولہ کو پیش کیا گیا ہوگا۔ آخر میں کسی عدیم البصیرت نے

اپنے قلم سے سن کتابت ۱۰۱۱ ہجری درج کر دیا ہے۔ جو صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ کتاب اس سن کے ڈیڑھ سو سال بعد تالیف ہوئی ہے۔ زمانہ تالیف سے ڈیڑھ سو سال پہلے اس کا معرض تحریر میں آنا نہایت مضحکہ خیز صورت ہے۔ بہر حال یہ نسخہ اپنے زمانہ تالیف کے قریبی عہد کا نوشتہ ہے۔ اور یہ کہیں نہیں چھپا ہے۔ اور غالباً واحد مخطوطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

شرائف غوثیہ (فارسی)

تالیف :- محمد بن حضرت غلام غوث رح

سطر ۱۴ صفحات ۲۰۷ سائز ۳/۴ ۵ × ۱/۴ ۸

یہ محمد بن حضرت غلام غوث رح کی تالیف ہے۔ اور ایک مقدمہ و تین شریفوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

شریفۂ اول :- اس میں غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا حال ہے۔

شریفۂ دوم :- اس میں غوث الاعظم کے احباب اور ان کے سلسلے کے بزرگوں کے حالات ہیں۔

شریفۂ سوم :- اس میں مختلف طریقوں اور سلسلے کے بزرگوں کے حالات تحریر ہیں۔ اس میں زیادہ تر متاخرین اور معاصرین ہیں۔

زمانۂ تصنیف سن ۱۲۰۰ ہجری کے قریب کا ہوگا۔ کیونکہ صفحہ ۱۲۵ پر شیخ عبدالکریم کا سن وفات سن ۱۱۹۹ ہجری دیا ہے۔ اس کتاب میں چند ایسے بزرگوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے جن کے متعلق بڑی بڑی تاریخوں اور تذکروں میں ایک لفظ بھی نہیں ملتا ہے۔ یہ واقعات انتہائی مستند ہیں۔ بالخصوص معاصرین کے سلسلہ میں تو کوئی شک ہی نہیں کیا جا سکتا۔

پنجاب کے بزرگوں کے تذکرے بہت ہی کم ملتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ تذکرہ نعمت ہائے روزگار سے ہے۔ کتاب تقریباً سو سال قدیم کی ہے۔

اخلاق المصطفٰے (فارسی)

مصنفہ :- محدث شیخ عبدالہادی بن معصوم

سطر ۱۷ صفحات ۴۰۰ سائز ۱/۲ ۶ × ۱/۲ ۹

فارسی زبان میں شمائل ترمذی کی نہایت مبسوط شرح ہے۔ کتاب مذکور کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب محی الدین اورنگ زیب کے عہد کی تصنیف ہے۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نسخہ مصنف ہی کے نسخہ سے منقول ہے۔

اس نسخے کی یہ خصوصیت ہے۔ کہ یہ نسخہ نہایت صاف ہے۔ اور خوشخط نستعلیق میں لکھا ہُوا ہے۔ عنوان اور سرخیاں سب شنگرفی ہیں۔ جو نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ کاغذ بھی عمدہ اور پائیدار ہے۔ اور نسخہ ہر عیب سے بری ہے۔ یہ نسخہ ۱۱۰۰ھ ہجری کا لکھا ہُوا ہے جو اورنگ زیب عالمگیرؒ کا عہد ہے۔ اور کتاب بھی اسی زمانے کی تالیف ہے۔ اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ نسخہ اپنی صحت، قدامت اور خوشنما کتابت کی وجہ سے بڑی اہمیت کا مالک ہے

مجموعہ رسائل مکتوبہ ۱۲۶۴ھ ہجری بخط محمود ولائتی

اس مجموعہ میں تین کتابیں ہیں۔

(۱)، مثنوی روشن ضمیر (۲)، مثنوی نان وحلوہ (۳)، رسالہ حرز صاحب التلاوت۔

(۱)، مثنوی روشن ضمیر :- (فارسی)، مصنّفہ محمود ولائتی

سطر　　صفحات　　سائز

یہ فارسی زبان کی اچھی خاصی ضخیم مثنوی ہے۔

آغاز　　حمد گویم مر خدا را بہ دوام

چوں سزا وارست حمد اورا مدام

پہلے صفت شب معراج اور نعت نبی کریم ہے۔ اس کے بعد خلفائے راشدین کے مناقب، بعد امامین حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کے اوصاف حمیدہ اس کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کی بارگاہ میں "گلہائے عقیدت" ہیں۔

محمود ولائتی بھوپال میں سکونت پذیر تھے۔ وہاں سے وہ نواب وزیر الدولہ کے عہد میں ٹونک چلے آئے .... اور پھر تین سال سے زائد عرصہ تک وہاں رہے۔ ٹونک کے دوران قیام میں ہی انہوں نے مثنوی لکھی اس کی تصنیف میں انہیں چھ ماہ عرصہ لگا۔ اس کتاب میں وزیر الدولہ کی مدح اور ٹونک کے علماء و فضلاء کے محامد بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت سید احمد شہید رحؒ کی شہادت سن ۱۲۴۶ ہجری م سن ۱۸۳۱ عیسوی کے بعد ان کے رفقاء ٹونک میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہ قافلہ جس محلے میں آباد ہُوا تھا۔ اس کو آج تک محلہ قافلہ ہی کہا جاتا ہے۔ ان رفقاء سید احمد شہید رحؒ میں سے چند بہت نامور تھے۔ اس مثنوی میں ان کے اوصاف

پر چند عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر وزیرالدولہ کے لئے یہ مثنوی تصنیف کی گئی تھی۔ اس مثنوی کو ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ کے خاتمہ میں مکمل کیا گیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ۱۲۶۴ھ کے وسط میں اسے لکھنا شروع کیا گیا ہوگا۔ یہ مُصنف ہی کے قلم کا لکھا ہوا نسخہ ہے۔ یہ کتاب کہیں نہیں چھپی ہے۔ اس لئے کسی اور قلمی نسخہ کا موجودہ فہرستوں میں کہیں کوئی سُراغ نہیں ملتا۔ اور مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہونے کی وجہ سے یہ بہت نادر نسخہ ہے۔

۲ - مثنوی نان وحلوہ ، فارسی ، مصنف ، بہاؤالدین آملی -

سطر صفحات سائز

اس مجموعہ میں دوسری مثنوی "نان وحلوہ" ہے یہ مثنوی بھی محمود ولائتی کی کتابت کردہ ہے۔ یہی اس کی ندرت ہے۔

۳ - رسالہ حرز صاحب التلاوت

مصنفہ ،۔

سطر ۱۳ صفحات سائز ۴/۳ ۵ × ۴/۱ ۸

اس مجموعہ میں یہ تیسرا رسالہ ہے۔ جو علم تجوید پر ہے اور اپنے مطالب کے لحاظ سے بڑا نادرہ ہے اس کی کتابت بھی محمود ولائتی نے کی ہے۔ اس لئے اس کی اہمیت اور ندرت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

یہ تینوں رسالے محمود ولائتی نے ۱۲۶۴ھ میں لکھے تھے۔ یہ سب عزیز الوجود ہیں۔

سکندر شاہی شرح فارسی شاطبی فارسی در علم قراءت

سطر ۲۲ صفحات ۲۵۵ سائز ۲/۱ ۶ × ۴/۳ ۹

علم تجوید کی مشہور کتاب شاطبی کی فارسی شرح ہے جو اب تک طبع نہیں ہوئی ہے۔ شاطبیہ کی یہ نہایت جامع شرح ہے۔ علم تجوید پر فارسی زبان میں بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور فارسی میں اس شرح وبسط کے ساتھ تو کوئی کتاب ہی نہیں لکھی گئی ہے۔ غیر مطبوعہ ہونے کے علاوہ انتہائی نایاب ہے۔ یہ اس موضوع پر ایک عالمانہ اور مبسوط تصنیف ہے۔ اور نادر الوجود ہے۔

سنہ کتابت ۱۲۶۵ ہجری ہے۔

شرح مُلّا جامی کی فارسی شرح

سطر ۲۵ صفحات ۴۹۶ سائز ۲/۱ ۶ × ۲/۱ ۱۱

فوائد الضیائیہ یعنی شرح مُلّا جامی کی فارسی شرح کا موجودہ کیٹلاگوں میں سراغ نہیں ملتا۔ موجودہ مخطوطہ

غالباً اس کی اوّلین شرح ہے یہ نہ صرف غیر مطبوعہ ہے بلکہ واحد مخطوطہ کی حیثیت رکھتا ہے، شارح اور کاتب کا نام کتاب میں درج نہیں ہے۔ اور سن کتابت بھی تحریر نہیں ہے۔

دستور الطب والطبیب (عربی)
مؤلفہ :- صفی الدین محمد الطبیب الگیلانی نزیل مکہ
سطر ۲۴ صفحات ۲۰۸ سائز ۸ × ۵

تالیف قرن دہم ہجری۔ سن کتابت ۱۰۸۸ ہجری کاتب شیخ محمد۔

یہ کتاب عربی زبان میں طبی اصطلاحات، ادویہ کے خواص اور حقائق اشیاء کے بیان میں ہے۔ اس وضع کی اکثر کتابیں۔ بحر الجواہر کے عنوان سے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ قلمی کتابیں موجود ہیں۔ لیکن موجودہ نسخہ کا متن ان کتابوں سے مختلف ہے یہ غیر مطبوعہ ہے اس کتاب کے کسی قلمی نسخہ کا کسی کتاب خانہ کی فہرست میں نام نہیں ملتا۔ اس سے خیال ہوتا ہے۔ کہ یہ واحد مخطوطہ ہے۔

مؤلف علام نے، اس کتاب کی تالیف میں معرکتہ الآرا کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً شفاء قانون اور اس کی شروح، موجز اور اس کی شرح، منہاج، جامع ابن بیطار، التقویم، نزہتہ الارواح، عین الخلیل، قاموس، الدستور، مجموعتہ الغنۃ، السائغ، المغرب، التاج، الدیوان، صحاح، صراح، حیوٰۃ الحیوان، دیوان الحیوان للسیوطی ان کے علاوہ اطبّاء کے خطوط و مراسلت اور دیگر کتابوں سے بہت کچھ استفادہ کیا گیا ہے۔ مؤلف علام کے ماخذوں میں متعدد کتابیں ایسی ہیں جو آج ناپید ہیں

موجودہ نسخہ اپنے مطالب کی اہمیت اور ندرت کے پیش نظر مغتنمات روزگار سے ہے۔ اور اس کی یکتائی، اس پر مستزاد ہے۔

شفاء العلیل :- (فارسی)، طب
مصنف :- حکیم عبد اللہ بن یوسف علی
سطر ۲، صفحات ۴۰۰ سائز ۷ × ۹

یہ فرمانروائے ترکستان شاہ ابو الفتح محمد درویش بہادر خاں کے طبیب خاص حکیم عبد اللہ بن یوسف علی کی فارسی زبان میں علم طب پر نہایت محققانہ کتاب ہے۔ جو موصوف نے شاہ ترکستان ابو الفتح محمد درویش کے ایماء پر تصنیف کی تھی۔ زمانہ تصنیف جیسا کہ آخر کتاب میں مصنف کا رسالہ قرابادین کے نام سے مذکورہ بالا کتاب میں شامل ہے جس میں موصوف مفردات اور مرکبات .... کو بیان کیا ہے۔ کاتب امیر زنج میر مہدی کا متوسل تھا۔ اور امیر موصوف کے لئے ہی یہ نسخہ تیار کیا گیا تھا۔ یہ کتاب ترکستان ساخت کے اعلےٰ پیپر (کاغذ)

پر ترکستانی طرز کے رسم الخط نستعلیق میں لکھی ہوئی ہے۔ پختگی خط، پاکیزگی صحت اور خوشنمائی میں یہ نسخہ اپنی نظیر آپ ہے۔ کتاب ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے۔ بڑے بڑے کتب خانوں کی فہرستیں اس کتاب کے نام سے یکسر خالی ہیں۔ اس لئے واحد مخطوطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ کتاب بلخ میں ۱۱۲۵ھ ہجری میں لکھی گئی ہے۔ کاتب کا نام محمد عارف خوانی ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں قانون شیخ الرئیس، معالجات شیخ محمد زکریا رازی و حاوی و ابن الیاس و موجز ابی الحسن قرشی و ممتاز بن سہیل و اسباب و علامات شیخ نجیب الدین سمرقندی و ذخیرہ خوارزم شاہی کے علاوہ دیگر استادانِ فن اور والد ماجد و برادران سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب کے مطالب کی کیفیت یہ ہے۔ کہ آغاز میں ایک مبسوط مقدمہ ہے۔ جس میں موضوعِ طب، اغراضِ طب اور طب کی مقبولیت کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ مقدمہ کے بعد مقالات شروع ہوتے ہیں۔ ہر مقالہ چند ابواب پر مشتمل ہے۔ جملہ امراض از سرتا پا اسباب و علامات و معالجات وغیرہ کا بیان ہے۔ آخر میں فاضل مصنف نے ایک خاتمہ لکھا ہے جس میں ہر ایک مرض کی کیفیت، اس کی علامات، اس کے اسباب اور پھر اس کا علاج مذکور ہے خاتمہ کتاب کے بعد تکملہ کے طور پر ایک رسالہ اور لکھا ہے۔ جس میں ادویۂ مفردہ و مرکبہ کا بیان ہے۔ دواؤں کے تمام خواص تجربات سے ثابت شدہ ہیں۔ یوں تو طب یونانی پر فارسی زبان میں بکثرت کتابیں موجود ہیں، لیکن ان میں سے چند اسباب و علامات پر مشتمل ہیں۔ اور کچھ معالجات پر۔ کلیات و معالجات پر جو کتابیں موجود ہیں وہ ضخیم الحجم ہیں کہ ان سے استفادہ آسان نہیں ہے۔ مؤلف علام نے اس مشکل کا حل یہ نکالا۔ کہ تمام مستند و معتبر طب کی کتابوں کے مطالب کو نہایت اختصار کے ساتھ اس مجموعہ میں شامل کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ گویا طب کی تمام تصانیف کا مطالعہ کر لیا ہے۔ کتاب میں اتنے مطالب کا حسن ترتیب سے سمو دینا ایک اعجاز ہے۔ مؤلف علام نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب سلطان ابو الفتح محمد درویش خان بہادر کی فرمائش پر لکھی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا ہے۔ کہ اس کتاب کی تالیف سے اس کے ممدوح مربی کا نام زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جو کتاب اس دعوی کے ساتھ لکھی گئی ہو، اس کی تالیف میں کیسی کچھ سعی کی گئی ہوگی۔ اور اسرار و نکات طب کا کوئی نکتہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہوگا۔ مؤلف

کسی مشہور طبی گھرانے کا فرد معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے تالیف میں اپنے والد اور بھائیوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اتنے عظیم الشان خانوادے کے اس عالی مرتبت فاضل طبیب کا ذکر متداول کتابوں میں نہیں ملتا۔ یہ کتاب کہیں نہیں چھپی ہے۔ یہ نسخہ منفرد ہے۔

دیوان ثنائی :- (فارسی)
مصنفہ :- خواجہ حسین ثنائی۔
سطر ۱۹ صفحات ۱۵۸ سائز ۵½ × ۹

یہ فارسی زبان کے مشہور شاعر خواجہ حسین ثنائی المتوفی سن ۹۹۹ ہجری کا دیوان ہے۔ موصوف نے شباب کا زمانہ سلطان حسین جاہی صفوی کی خدمت میں گذارا۔ اس کے بعد جلال الدین اکبر کے عہد میں ہندوستان آئے۔ فیضی اور عرفی کے ہم جلیس رہے فیضی کے کلام میں جو شیرینی اور عذوبتِ بیان پائی جاتی ہے وہ خواجہ حسین ہی کی صحبت کا اثر ہے۔ ان کو امانتاً لاہور میں دفنایا گیا تھا اور پھر ان کو مشہد میں لے جاکر سپردِ خاک کیا گیا۔

قدرت اللہ گوپاموی نے تذکرہ نتائج الافکار میں تصریح کی ہے۔ کہ ثنائی کا شمار اکبری عہد کے ممتاز ترین شعراء میں ہے۔ اس کا کلام انتہائی کمیاب ہے۔ دیوان کے نسخے بہت ہی کم ملتے ہیں۔ ثنائی کا دیوان کہیں نہیں چھپا ہے۔ دیوان کا یہ مخطوطہ نہایت نادر الوجود ہے۔

(ملاحظہ ہو تذکرۃ الشعراء مؤلفہ عبدالغنی مو فرخ آبادی)

تاریخ شمشیر خانی (فارسی)
مصنف :- توکل بیگ ولد تولک بیگ
سطر ۱۳ صفحات ۵۸۲ سائز ۶½ × ۸½

یہ توکل بیگ ولد تولک بیگ واقع نویس غزنین کی تصنیف ہے۔ سن تالیف ۱۰۶۶ ہجری بعہد شاہجہاں ہے۔ مؤلف نے شمشیر خاں حاکم غزنین کی فرمائش پر شاہنامہ فردوسی کو نظم سے فارسی نثر میں منتقل کیا ہے اور اپنے ممدوح کے نام سے منسوب کرتے ہوئے اس کا نام شمشیر خانی رکھا۔ قدرے ناقص الآخر ہے۔ اور غیر مطبوعہ ہے۔ اسلامی کتب خانہ کے مؤلف کا خیال ہے کہ یہ حاکم غزنین کی فرمائش پر شاہزادہ داراشکوہ کے لئے لکھی گئی ہے۔

ترغیب الصلوٰۃ (فارسی)
مصنف :- شیخ محمد بن احمد زاہد
سطر ۱۹ صفحات ۴۶۲ سائز ۸½ × ۱۲

یہ گیارہویں ہجری کے فقیہہ شیخ محمد بن احمد زاہد کی تصنیف ہے۔ اور فارسی زبان میں مسائل فقہ کی نہایت جامع کتاب ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ج ۱۔ ک ۳۹۹

میں بصراحت لکھا ہے۔ کہ مؤلف نے اس کتاب کی تالیف میں سو کتابوں سے استفادہ کیا ہے یہ نہایت نادر الوجود کتاب ہے۔

ہندوستان میں اس کتاب کا ایک نسخہ (ہند و پاک) کے نامور عالم مولانا سخاوت علی رح جونپوری کے کتب خانہ میں بھی موجود تھا۔ چنانچہ مولانا عبدالاول رح جونپوری مفید المفتی (صد ۱۵) میں رقمطراز ہیں۔

"اس کا ایک نسخہ مولانا سخاوت علی رح جونپوری کے کتب خانہ میں موجود ہے کتاب خوشخط اور صحیح ہے۔ جگہ جگہ نہایت مفید حواشی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ نسخہ جید علماء کے زیر مطالعہ رہا ہے۔"

یہ نسخہ تالیف کتاب کے ۲۳ سال بعد نقل ہوا ہے۔ کیونکہ سن تالیف ۱۰۵۸ ہجری اور سن کتابت ۱۰۸۲ ہجری ہے۔

کاغذ اعلیٰ اور قلم نہایت پختہ ہے اس سے قدیم تر مخطوطہ آج دنیا کے کتاب خانوں میں محفوظ نہیں ہے۔

عشقیہ (فارسی)
مصنف :- عثمان انصاری
سطر ۹ صفحات ۶۸۴ سائز ۶" × ۸"

اسرار و رموز معرفت اور عشق الٰہی کے مباحث پر ایک اہم کتاب ہے۔ جس میں مصنف کا نام عثمان انصاری درج ہے۔ اور جگہ جگہ اس نے اپنا تخلص "عثمان" استعمال کیا ہے۔

یہ کتاب ۴ فصول اور ۴ ابواب پر مشتمل ہے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ ہے۔ "ایوناف" نے فہرست میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ دیکھئے ۵

فہرست کتاب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مرتبہ ایوناف مطبوعہ ۱۹۲۴ء صد ۱۲۶۴ صد ۶۰۵

انڈیا آفس لائبریری میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ فہرست نگار نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ کہ اس کے مصنف نقشبندی شیخ خواجہ عثمان متوفی (۹۱۵ء) ۱۰۰۵ھ ہو سکتے ہیں۔ یہ کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے متن میں حاجی کے بعد کے کسی بزرگ کا نام نہیں آتا ہے۔ اس زمانے کی ایک شہادت اور اس میں موجود ہے۔ وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے نام کا خط ہے جن کا انتقال ۹۴۴ھ میں ہوا۔ اس کے بعد کے زمانے سے متعلق کوئی داخلی شہادت اس کتاب

میں نہیں ملتی ہے اس لئے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ کتاب خواجہ عثمان نقشبندی متوفی ۱۱۰۰ھ کی تصنیف ہی ہو۔ مصنف کے نقشبندی شیخ ہونے کی شہادت کتاب کے ابتدائی اوراق میں موجود ہے۔ یہ بزرگ پہلے قادریہ سلسلے میں بیعت تھے۔ بعد کو خواجہ نقشبند کے ارشاد سے پر نقشبندی طریقہ اختیار کیا۔ اور خواجہ اسحاق کی صحبت سے نکل کر حضرت پیر دلی کوہیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ دلی سے فیضیاب ہوئے۔ خواجہ نقشبند سے مراد خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ ہو سکتے ہیں ان شہادتوں کی بناء پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کے مصنف خواجہ عثمان نقشبندی متوفی ۱۱۰۰ھ ہی ہیں۔

یہ کتاب اب تک کہیں طبع نہیں ہوئی ہے۔ قلمی نسخے بھی حد درجہ کمیاب ہیں۔ کتاب کا اسلوب بہت دلکش ہے۔ اور اس پر جابجا اتنا کلام آگیا ہے۔ کہ اس کو اگر علیحدہ کیا جائے تو خواجہ عثمان نقشبندیؒ کا ایک دیوان مرتب ہو جائے گا۔ کلام میں وہ سوز و گداز اور چاشنی و حلاوت ہے، جو فنافی العشق ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ فن، موضوع اسلوب اور مباحث کے اعتبار سے بڑا قابل قدر نسخہ ہے۔ کتابت اگرچہ زیادہ قدیم نہیں ہے لیکن سترہویں صدی کی ضرور ہے۔ اس کے قلمی نسخوں کی نایابی کے پیش نظر یہ نسخہ بڑا عزیز الوجود ہے۔

شرح محبت یعنی شری بھاگوت (منظوم فارسی)

مصنف:- امانت رائے امانت د ۱۱۴۰ھ
سطر ۱۵ - صفحات ۳۱۶ - سائز ۴/۳ ۵ × ۴/۳ ۷"

شاعر کے متعلق ڈاکٹر سید محمد عبداللہ اپنی تالیف "ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" صفحہ ۱۷۳ میں رقمطراز ہیں۔

بڑا پرگو شاعر تھا۔ بھگت مالا - بھگوت یا جلوہ ذات، ترجمہ منظوم رامائن، مثنوی ناٹک وید وغیرہ اس کی تصانیف ہیں۔ اکثر کتابیں مذہبیات و تصوف سے ملتی ہیں۔ ...... تذکرہ حسینی میں امانت کے یہ اشعار دیئے ہیں۔ ......
......

شری بھاگوت (جو سری کرشن کے حالات و مقامات پر مشتمل ہے)، کے گیارہویں ادھیائے سے آخر تک کے تمام ادھیاؤں کا منظوم فارسی ترجمہ ہے۔

امانت نہایت عمدہ شاعر تھا۔ اس نے تمام کتابوں میں اپنی غزلیات سمو دی ہیں۔ چنانچہ اس مخطوطے میں بھی اس کی غزلیں بکثرت موجود ہیں۔ یہ مخطوطہ غیر مطبوعہ ہے۔ سن کتابت ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۷۶ بکرمی۔ اس کے قلمی نسخے بھی حد درجہ کمیاب ہیں۔

لُبِ لُباب مثنوی (فارسی)
مرتبہ:۔ ملا حسین واعظ کاشفی۔
سطر:۔ ۱۵ ۔ صفحات ۴۶۵ سائز ۵½×۹

اس کے سنِ تالیف میں اختلاف ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں اور سوانح نگاروں نے اس کا سنِ تالیف ۸۰۵ ہجری لکھا ہے لیکن افغانستان کے مشہور محقق استاد خلیلی نے اس کا سنِ تالیف ۸۷۵ ہجری لکھا ہے۔

ملاحظہ ہو مقدمہ نی نامہ :۔

("نی نامہ" یعنی رسالہ نائیہ مولانا یعقوب چرخی و رسالہ مولانا جامی ۱۳۳۸ھ مطبوعہ افغانستان)

نسخہ ہذا میں بعض مقامات پر مفید حواشی درج ہیں۔ خطِ نستعلیق کا بہترین نمونہ اور خطاطی کا حسین شاہکار ہے .... کتابت دسویں صدی ہجری سے کم کی نہیں ہے، اس اعتبار سے یہ نسخہ تالیف سے قریب تر زمانے کا ہے۔ خاتمہ پر کاشفی کی وہ نظم ہے۔ جو اس نے مثنوی کے وزن پر کہی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب وغیرہ کا ذکر ہے۔

مجموعہ رسائل حمید الدین ناگوریؒ (فارسی)
تالیف :۔ حمید الدین ناگوری رح
سطر ۱۹ ۔ صفحات ۲۳۲ سائز ۷"×۱۰"

اس مجموعہ میں حسب ذیل سورتوں کی تفسیریں اور رسالے شامل ہیں۔

(۱) تفسیر سورۃ والضحیٰ موسومہ بہ مصباح العاشقین فارسی
(۲) تفسیر سورۃ اخلاص (عربی)
(۳) رسالہ در بیان معجزات (عربی)
(۴) کنز الملک (فارسی)

مذکورہ بالا رسالے ہندوستان کے نہایت نامور عالم وصوفی قاضی حمید الدین ناگوریؒ سہروردی وچشتی کی تالیفات سے ہیں۔ قاضی موصوف اصلاً بخاری تھے۔ سلطان معز الدین بن سام کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے تھے۔ اور ناگور میں قضا کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ تین سال تک فرائض منصبی کو انجام دیتے رہے۔ ایک رات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ فوراً ملازمت چھوڑ کر گجرات میں خواجہ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور پھر تین سال مدینہ منورہ اور دو سال مکہ معظمہ میں قیام

فرمایا۔ بغداد میں خواجہ بختیار کاکیؒ سے ملاقات ہوئی۔ تو ہندوستان واپس آگئے۔ اور یہاں خواجہ کی صحبت سے استفادہ کیا۔ شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے تھے کہ میرے تین خلیفہ ہیں۔ لیکن قاضی سب سے بہتر ہیں۔ آپ کے حالات اخبار الاخیار" خزینۃ الاصفیار" اور نزہۃ الخواطر" میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

تحفۃ العاشقین سورۃ والضحیٰ کی اور کنز الملک سورۂ ملک کی فارسی زبان میں نہایت عمدہ تفسیریں ہیں۔ سورۂ اخلاص کی تفسیر اور معجزات کا رسالہ عربی زبان میں ہے۔ جو قاضی صاحب کے عربی انداز تحریر اور قدرت قلم کے شاہد ہیں۔ یہ رسائل اختصار کے باوجود جامع اور صوفیانہ نکات کے حامل ہیں۔

فارسی رسالوں میں ہر صفحہ کے اندر ۱۹ سطریں ہیں۔ اور عربی رسالوں میں ہر صفحہ میں ۱۵ سطر ہیں۔ سن کتابت ۱۲۵۵ ہجری کا ہے۔ اور خط نستعلیق ہے۔ رسالے نہایت اچھی حالت میں ہیں۔ اور غیر مطبوعہ ہیں۔ قلمی نسخے بھی حد درجہ کمیاب ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے کتاب خانوں میں ان رسالوں کا پتہ نہیں چلتا۔

مثنوی مولانا رومؒ (فارسی)

مصنف مولانا رومؒ

سطر ۲۱ صفحات سائز ۶½×۱۰"

اس نسخے کی کیفیت یہ ہے۔

دفتر اولؒ :۔ دفتر اول کے اول اور درمیان سے چند اوراق نہیں ہیں۔ دفتر کے خاتمہ پر کاتب کا نام درج نہیں ہے لیکن سن کتابت ۴۴۸ ہجری دیا ہے۔

دفتر دومؒ مکمل ہے۔ اس کے خاتمہ پر کاتب کا نام شمس الدین محمد علی ترابی درج ہے لیکن سن کتابت تحریر نہیں ہے۔

دفتر سوم :۔ مکمل ہے۔ لیکن کاتب کا کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ جس سے کاتب کا نام یا سن کتابت معلوم ہو۔

دفتر چہارم :۔ مکمل ہے۔ لیکن کاتب کا کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔ دفتر کا خاتمہ جس صفحہ پر ہوا ہے اس کے دوسری طرف ایک بے نقط عربی تحریر ہے۔ یہ تحریر خط بہاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ح جو رمضان المبارک ۸۶۹ھ کو قلمبند کی گئی ہے۔ یہ یادداشت ایک مبارکباد کی صورت میں ہے جو اس عہد کے ایک امیر مسمیٰ شمس الدین محمد بن الصدر الاعظم عماد الدین احمد بن الصدر السعید عز الدینؒ کے

ح ۱۔ خط بہاری کے نمونے ملاحظہ ہو۔ تعلیم قراءۃ المخطوط العربیہ از سلیم ابراہیم صادر مکتبہ صادر بیروت ۱۹۳۶ء ص ۵۱

صاحبزادے کی آمد پر لکھی گئی ہے۔ اور اس میں ان کی آمد کا ذکر ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ صاحب خراسان یا روسی ترکستان کے کسی علاقے کے امیر تھے۔ اور وزیر اعظم کی حیثیت رکھتے تھے اس تحریر کا خط نہایت پختہ اور شکستہ نگاری کا شاہکار ہے۔

دفتر پنجم :۔ مکمل ہے۔ اس دفتر کے خاتمہ پر بھی کوئی ترقیمہ نہیں ہے۔

دفتر ششم :۔ مکمل ہے۔ کاتب کا ترقیمہ موجود ہے۔ جس میں کاتب کا نام :۔

"درویش محمد بن درویش علی الاصفہانی" ہے۔ اور سن کتابت ۸۴۶ ہجری ہے۔ اس صفحہ کے ایک گوشہ میں سرخ روشنائی سے یہ الفاظ تحریر ہیں۔

در درس شیخ وجیہہ الدین گجراتی سی سال ماندہ "شیخ وجیہہ الدین گجراتی المتولد ۹۱۱ ہجری" المتوفی ۹۹۸ ہجری اکبری عہد کے نامور عالم دین فقیہہ، فاضل اور صاحب دل بزرگ تھے تمام کتاب میں سرخ جدول ہیں۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ حواشی بعد میں چڑھائے گئے ہیں۔ جو زیادہ تر لطائف المعنوی اور لطائف اللغات مؤلفہ عبداللطیف بن عبداللہ عباسی سے ماخوذ ہیں۔ نسخے مذکور کی مختصر سی کیفیت کے بعد چند اہم امور بھی قابل توجہ ہیں۔

۱۔ مولانا رومؒ کا انتقال سن ۶۷۲ ہجری میں ہوا۔ اور موجودہ نسخہ کا زمانہ کتابت ۸۴۴ ہجری سے ۸۴۶ ہجری تک ہے۔ یعنی زمانہ تصنیف کے پونے دو سو سال بعد ہی اس نسخہ کی کتابت ہوئی ہے۔ مثنوی مولانا رومؒ کی تصنیف کو آج سات سو سال سے زائد عرصہ ہوگیا ہے۔ اس لئے اس کا قریب العہد مخطوطہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ نویں صدی ہجری کے نصف اول کے قلمی نسخے حد درجہ کمیاب ہیں۔ اس نسخے کی سب سے بڑی ندرت اس کا قدیم الکتابت ہونا ہی ہے۔ اس نسخے کی کتابت کو آج تقریباً ساڑھے پانچ سو سال گذر چکے ہیں۔ صحت متن کے لحاظ سے اتنا قدیم الکتابت نسخہ ایک معتمد علیہ دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ یہ نسخہ تیس سال تک شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی (۹۱۱ھ تا ۹۹۸ ہجری) کے درس میں رہ چکا ہے۔ اتنے بلند پایہ صاحب دل کے ہاتھوں میں اس نسخہ کا ...... اتنی مدت تک رہنا اس کی صحت کا ضامن ہے۔ اس نسخہ میں اس امر کا بڑا خیال رکھا گیا ہے۔ کہ کاتب نے متن اور حواشی کے ابیات کو ابیات منظوم و منثور کے نام شمار کر کے ان کی تعداد دفتر کے آغاز میں لکھدی ہے

جس سے مثنوی کے ابیات کی صحیح تعداد کا پتہ لگتا ہے۔ اور الحاقی اشعار کا سُراغ مل سکتا ہے۔ اسی طرح عنوانات اور سرخیوں کی بھی تعداد قلمبند کی گئی ہے۔ اس وصف میں یہ نسخہ مخطوطات میں اپنی مثال آپ ہے۔ اور ریسرچ اسکالروں کے لئے بڑی اہمیت کا مالک ہے۔

بدیں وجوہ یہ نسخہ صحت متن اور قدامت کتابت کے لحاظ سے قابل قدر ہے اور پھر شاہ وجیہہ الدین گجراتی جیسے کتنے عالی مقام فضلاء کے مطالعہ میں رہ چکا ہے۔ خود شاہ وجیہہ الدین علوی گجراتی سے اس کی نسبت اچھی خاصی وقیع ہے۔

موجودہ نسخہ ایک عزیز الوجود مخطوطہ ہے۔

تذکرۃ الشعراء (فارسی)
مصنفہ:۔ دولت شاہ سمرقندی
سطر ۱۴ صفحات ۶۱۴ سائز ۶×۹

دولت شاہ کا باپ علاؤ الدین ولد بختی شاہ امیر تیمور کے بیٹے سلطان شارخ (۱۴۰۴-۱۴۴۷) کا درباری تھا۔ دولت شاہ نے پچاس سال کی عمر میں اس تذکرہ کا آغاز کیا۔ اور اپنے ممدوح و محسن سلطان حسین غازی کے نام پر اسے منسوب کیا۔

"مراۃ الصفا" کا مصنف دولت شاہ کا معاصر تھا۔ اس نے دولت شاہ کی وفات کا سن ۹۵۲ ہجری تحریر کیا ہے۔

دولت شاہ نے یہ تذکرہ ۸۹۲ ہجری م ۱۴۸۷ عیسوی میں تمام کیا تھا۔ دولت شاہ نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ وہ پہلا شخص ہے۔ جس نے تذکرہ الشعراء کے موضوع پر قلم اٹھایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوفی کا تذکرہ "لباب الالباب" اس کی نظر سے نہیں گذرا تھا۔ دولت شاہ نے اپنے ماخذوں میں ایسی نادر الوجود کتابیں استعمال کی ہیں جن میں اکثر آج ناپید ہیں۔

یہ تذکرہ اگرچہ متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ اور قلمی نسخے بھی بکثرت ملتے ہیں اس کے باوجود یہ انتہائی قابل قدر نسخہ ہے۔ کیونکہ:۔

۱۔ یہ نسخہ دولت شاہ کے وطن میں لکھا گیا ہے۔ اسلوب نگارش اسی علاقہ کا ہے۔ اور کاغذ بھی سمرقندی استعمال ہوا ہے۔

۲۔ یہ نسخہ مصنف کے قریبی عہد کا مکتوبہ ہے۔ اس کی کتابت کسی صورت میں بھی دسویں صدی سے مؤخر نہیں قرار دی جاسکتی ہے۔

۳- اس نسخے کا متن مطبوعہ نسخوں سے قدرے مختلف ہے۔ قدیم الکتابت ہونے کی وجہ سے ہم اس متن کو زیادہ معتمد علیہ سمجھتے ہیں۔

۴- مطبوعہ نسخوں کے مقابلہ مطالب میں کچھ اضافہ بھی ہے۔ اس لئے یہ نسخہ انتہائی نادر ہے خاتمہ کے آخر سے چند ورق نہیں ہیں۔

نفحات الانس :- (فارسی)
مصنفہ :- مولانا عبدالرحمن جامی رح
سطر ۲۱ - صفحات ۵۲۴ - سائز ۱/۴ ۶ × ۳/۴ ۹

یہ مولانا عبدالرحمن جامی کی نہایت مشہور تصنیف ہے۔ مولانا جامی کا انتقال ۸۹۸ ہجری میں بعہد سلطان حسین مرزا ہوا۔ امیر شیر علی نوائی نے ان کی وفات بھی کہی تھی۔ یہ اولیائے عظام کا نہایت مبسوط اور مستند تذکرہ ہے۔ سن کتابت بتاریخ ہشتم شہر" ربیع الاول ۱۰۲۱ ہجری ہے۔ کاتب کا نام عبدالرحیم ابن مولانا محمود بکری (بعہد جہانگیر) ہے۔ یعنی زمانہ تصنیف کے ۱۵۰ سال بعد یہ نسخہ معرض تحریر میں آیا ہے۔
"نفحات الانس" کے قدیم ترین مخطوطوں میں سے ایک ہے۔ اس کی جدولیں طلائی نیلگوں ہیں۔ خط پاکیزہ پختہ اور بڑا دلآویز ہے۔ عنوانات شنگرفی ہیں۔ اور بڑی محنت سے لکھا گیا ہے مطبوعہ نسخے بڑے غلط چھپے ہیں۔ صحت متن کے اعتبار سے یہ نسخہ قدیم الکتابت ہونے کی بنا پر بڑا قابل قدر اور لائق اعتماد ہے۔ اول سے کچھ ناقص ہے۔ پاکستان کے کتاب خانوں میں اس سے قدیم تر نسخہ کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب :- (عربی)
مصنفہ :- جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف ہشام الانصاری
سطر ۱۹ صفحات ۶۵۸ - سائز ۳/۴ ۵ × ۱/۲ ۹

یہ امام فن جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف ہشام الانصاری رح کی نہایت مشہور و مقبول کتاب ہے۔ یہ مخطوطہ آخر سے کچھ ناقص ہے لیکن گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے نہایت اہم نسخہ ہے۔ یہ نسخہ قدامت اور صحت کے لحاظ سے ہی قابل دید نہیں ہے بلکہ اس کی لوح بھی لاجوردی اور طلائی ہے۔ جدولیں بھی طلائی ہیں خط نسخ نہایت دلآویز ہے۔ اور بصارت افروز بھی ہے۔ اور یہ نسخہ خوش قلمی کتابت کا اعلیٰ نمونہ ہے اس کی کتابت بھی دسویں صدی ہجری سے پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔ حواشی اگرچہ مختصر اور کہیں کہیں ہیں۔ لیکن ان کے ماخذ بھی وہ کتابیں ہیں۔ جو آج نہیں ملتی ہیں۔ صحت متن کے اعتبار سے بھی کچھ

کم نہیں۔ صحت کے اعتبار سے بلاشبہ اس نسخہ کو کسی لائبریری میں ہونا چاہیئے۔ لیکن اپنی گوناگون ندرتوں کی وجہ سے یہ عجائب خانہ کی زینت میں اضافے کا موجب ہو سکتا ہے۔

الغرض یہ ایک عزیز الوجود مخطوطہ ہے۔ جو معلوم کس طرح دستبُرد روزگار اور رورِ زمانہ سے محفوظ چلا آیا ہے صرف چند ورق نہیں ہیں۔

تفسیر احمدی الموسوم بتفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ (عربی)

مفسر:۔ مُلّا جیون امیٹھوی رح

سطر۔ اوراق ۲۸۲ سائز ۶" × ۱۲"

یہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے عالم مُلّا جیون امیٹھوی کی نہایت مشہور تفسیر ہے اور احکام قرآن پر عربی زبان میں ہندوستان کے اندر یہ سب سے پہلی اور آخری کتاب ہے۔ گو کئی مرتبہ چھپ چکی ہے لیکن یہ نسخہ اپنی قدامت، کتابت، صحت اور حُسن خط کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا مالک ہے۔ مزید براں اس میں جابجا حواشی پر لفظ منہ کا بھی اضافہ ہے۔ لہٰذا یہ مخطوطہ مصنف کے منہیات کا بھی جامع ہے۔ پوری کتاب میں قلم ایک ہے، اور خط نستعلیق کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ یہ نسخہ اپنی جامعیت اور ندرت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ کاغذ عمدہ اور دبیز ہے۔ مصنف کا سال وفات ۱۱۳۵ھ اور نسخہ کا سن کتابت ۱۱۹۴ ہجری ہے۔

مجموعہ خانی عز المعانی :۔ (فارسی)

مصنف :۔ کمال کریم ناگوری

سطر ۱۷ صفحات ۱۸۶ سائز ۶½" × ۱۰¼"

یہ فقہی مسائل و فتاویٰ پر نہایت معلومات افزا ہے۔ جو سلطان عزالدین الغ تقیغ اعظم اور معظم بہرام خاں کے عہد میں مرتب ہوئی ہے۔ فقہ حنفی کی تمام مشہور و مستند کتابیں اس کا ماخذ ہیں۔ یہ کتاب پانچ فصلوں اور چار بابوں پر مشتمل ہے۔ سن کتابت ۱۰۸۲ ہجری دعہد اورنگ زیب عالمگیر رحمہ ہے۔

یہ مخطوطہ نہایت خوشخط اور کامل ہے۔ اس مخطوطہ کی یہ نادر صفت ہے۔ کہ اس کی جدولیں شنگرفی و نیلگوں ہیں۔ پہلی لوح کی نقاشی میں زرکاری کم ہے۔ لیکن جواہرنگاری خوب ہے۔ دوسری لوح جو تقریباً تین چوتھائی صفحہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اپنی زرکاری سے نگاہوں کو اب بھی خیرہ کرتی ہے۔ حقیقت۔ نیلم، زبرجد کی ترصیع ایسی صفائی اور چابکدستی سے کی گئی ہے۔ کہ دیکھتے ہی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ نکل جاتا ہے۔ یہ نسخہ مغلیہ نقاشی کا وہ شاہکار ہے۔ جس کی آب و تاب سے

اب بھی نگاہیں روشن ہو جاتی ہیں۔

زاد اللبیب فی سفر الحبیب (فارسی)

تالیف: عبداللہ اللبیب بن علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی

سطر ۱۷، صفحات ۲۷۰، سائز ۶" × ۹½"

فقہ کے مسائل متفرقہ کو اساسی کتب سے نقل کرکے ترتیب دیا گیا ہے اور تشریحات و تعلیقات سے مزین کیا گیا ہے۔ کاتب کا نام حافظ عبدالحکیم قریشی ساکن بھیرہ ہے۔ اور تاریخ اتمام کتابت ۱۲ ربیع الاول سن ۱۲۶۱ ہجری ہے۔

سرورق کی پشت پر جو تحریر موجود ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے فرزند عبداللہ اللبیب کی تالیفات سے ہے۔

غیر مطبوعہ، نادر الوجود ہے اس مخطوطہ کا نام کسی فہرست میں نہیں ملتا۔

انشائے منظومہ (فارسی)

مصنف: بدرالدین، سطر ۹

صفحات ۳۷۶، سائز ۵¾ × ۸½

یہ بدرالدین کی تصنیف ہے۔ سال اتمام ۱۲۴۷ ہجری ہے موصوف نے اپنے عہد کے مشاہیر کے خطوط و رقعات کو فارسی نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ زبان نہایت صاف رواں اور حلاوت سے پُر ہے۔ یہ نسخہ بڑے اہتمام سے خوشخط لکھا گیا ہے۔ جدولیں شنگرفی و طلائی نقش و نگار ہیں، نسخہ انتہائی عمدہ حالت میں ہے۔ اور غیر مطبوعہ ہے دوسرا قلمی نسخہ بھی کہیں محفوظ نہیں ہے۔ اس لئے یہ واحد مخطوطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

درالمجالس (فارسی)

مصنفہ: ظفر پوشہاری

سطر ۱۵، صفحات ۳۲۸، سائز ۵½" × ۹½"

یہ ظفر پوشہاری کی تصنیف ہے۔ درالمجالس ۳۳ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں انبیاء علیہم السلام و خلفاء راشدین و صحابہ کرام کے فضائل مندرج ہیں بعض ابواب میں فضائل رمضان، اہل بہشت و خانہ کعبہ وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے۔ یہ نسخہ گو قدرے کرم خوردہ ہے۔ اور آخر کے چند اوراق کسی نے بعد میں لکھوا کر شامل کئے ہیں۔ تاہم یہ مخطوطہ کافی قدیم ہے۔

دسویں صدی کے آخر یا گیارہویں صدی کے آغاز کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے۔ اور ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔ قلمی نسخے بھی بہت کمیاب ہیں۔ بڑے بڑے کتب خانوں میں یہ کتاب نہیں پائی جاتی ہے لوح پر جواہر کی نیلگوں و طلائی نقش کاری نہایت دلاویز و دیدہ زیب ہے۔ جدولیں بھی طلائی ہیں۔

حدائق الحقائق :۔ (فارسی) تفسیر سورۂ یوسفؑ
مصنفہ :۔ معین الدین محمدؐ بن عبد اللہ ہروی
سطر ۲۲ صفحات ۵۵۸ سائز ۵½ × ۷¾

یہ فقیہہ معین الدین محمدؐ بن عبد اللہ ہروی حنفی المتوفی سن ۹۵۴ ہجری جو ملّا مسکین کے عرف سے بھی مشہور ہیں۔ کی تصنیف ہے۔ اس تفسیر کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ج ۱۔ ص ۶۳۲ میں اور اسماعیل پاشا نے ہدیۃ العارفین ج ۱۔ ص ۲۴۲ میں کیا ہے۔ ملّا معین کی سورۂ یوسف علیہ السلام کی یہ تفسیر نہایت سلیس فارسی میں کی ہے۔ اور جا بجا صوفیا کے حکیمانہ نکات اور اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

یہ کتاب اپنی قدامت اور مصنف سے قریب تر زمانہ کی کتابت کے لحاظ سے بڑی اہم ہے۔ کاتب کا نام محمدؐ حکیم ولد شیخ محمدؐ ہے۔ سال کتابت سن ۱۰۴۸ ہجری (عہد شاہجہاں) ہے۔ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے۔ اور نہایت نادر الوجود ہے۔

مرأت العارفین :۔ سطر ۱۵ صفحات ۳۹۸
(دو کتب) سائز ۶½ × ۹¾

یہ امام زین العابدینؓ کی طرف منسوب ہے۔ کاتب کا نام کریم بخش اور سن کتابت ۱۳۱۵ ہجری ہے۔ اس کتاب میں الٰہیات سے بحث ہے۔ رسالہ نادر ہے اور غیر مطبوعہ ہے اس کی شرح شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے بعنوان "صفاء المرأت" کے نام سے کی تھی۔ جس کو غلام قادر شاہ نے ترتیب دیا تھا۔

صفاء المرأت :۔ مصنفہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ
سطر ۱۵۔ صفحات ۳۹۸ (ہر دو کتب) سائز ۶½ × ۹¾

یہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ اور مذکورہ بالا کتاب "مرأت العارفین" کی شرح ہے۔ کاتب کا نام کریم بخش ہے۔ اور سن کتابت ۱۳۱۵ ہجری ہے۔ غلام قادر شاہ نے اس کو ترتیب دیا ہے کتاب ضخیم الحجم ہے۔ خوشخط ہے۔ اور سیالکوٹ کا نہایت لطیف اور چکنا کاغذ ہے۔ کتاب دلآویز ہے۔ اور نسخہ بالکل بے داغ ہے۔ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اور کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

بحر العشق (عربی) تفسیر سورۂ یوسفؑ
سطر ۱۸۔ صفحات ۲۱۵۔ سائز ۶½ × ۹½

سورۂ یوسف کی بہت سی تفسیریں لکھی گئی ہیں لیکن بحر العشق میں تمام تر تشریح آیات قرآن، احادیث نبویؐ، اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علماء و صوفیا کے حکیمانہ اقوال کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اسی طرح جا بجا عربی اشعار موقعہ اور محل کے لحاظ سے بھی خوب پیش کئے گئے ہیں۔

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے. قلمی نسخہ بھی اور کہیں نہیں ملتا ہے اور غالباً یہ واحد مخطوطہ ہے۔

انیس العاشقین (فارسی) سیرت
مصنفہ :- سید شیر محمد بن سید شاہ علی محمد
سطر ۱۵ - صفحات ۲۷۴ سائز ۱/۲ ۶" × ۱/۲ ۹"

یہ سید شیر محمد بن سید شاہ علی محمد بن سید حسین حسینی الرضوی المشہدی کی تصانیف سے ہے اور سال تالیف سن ۱۰۷۶ ہجری (عہد اورنگ عالمگیرؒ) ہے. کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے. کہ مصنف نے سیرت رسول اکرمؐ پر تمام مشہور معروف کتابوں کا مطالعہ کیا. تو انہیں احساس ہوا. کہ اخبار و آثار اور اشغال سید الابرار کتابوں میں بہت منتشر طور پر بیان کئے گئے ہیں. مؤلف نے ان سب کو نہایت عمدگی سے یکجا ترتیب دیا اور انیس العاشقین اس کا نام رکھا.

مؤلف نے اس تالیف میں معارج النبوۃ از ملا معین الدین واعظ ہرویؒ، روضۃ الاحباب از میر جمال الدین محدث، روضۃ الشہداء از ملا حسین واعظ کاشفی. شمائل ترمذی جواہر جلالی، شواہد النبوۃ وغیرہ سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے.

خط نستعلیق نہایت عمدہ ہے. اور پورا نسخہ بے داغ ہے. کاتب کا نام فقیر محمد ولد شیخ بلاقی قریشی ہاشمیؒ ہے. اور سن کتابت ۱۱۷۲ ہجری ہے.

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے. اس کا کوئی قلمی نسخہ کسی فہرست میں نظر نہیں آتا. معلوم ہوتا ہے. کہ یہ مخطوطہ ہے. جو دستبرد زمانہ سے آج تک محفوظ رہا ہے. آغا بزرگ طہرانی نے بھی الذریعہ الی تصانیف الشیعہ میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے.

تفسیر قرآن مجید :- (عربی)
ازابتدائے سورۂ فاتحہ تا سورۂ اعراف اور رکوع ۷ آیت تعلکم تذکرون } ۲ جلد
صفحات جلد اوّل ۳۶۸ جلد دوم ۳۲۴ کل ۶۹۲ - سائز ۱/۲ ۶" × ۱۰"

عربی شرح کے ساتھ موقع اور محل کی مناسبت سے فارسی اشعار سے کام لیا گیا ہے. اشعار کا معیار نہایت بلند ہے. معلوم ہوتا ہے یہ نسخہ کسی جیّد عالم کے قلم کا شاہکار ہے. زبان و بیان پر قدرتِ کاملہ کا غماز ہے.

ہر دو جلد کے خاتمہ پر تاجر کے لیبل سے اندازہ ہوتا ہے. کہ یہ نسخہ مانڈلے (برما) سے آیا ہے۔

شرح المنیر فی مسائل الخطیر (فارسی)

مصنفہ:۔ نظام الدین ابو المرتضیٰ یار محمد حسینی

سطر ۱۷، صفحات ۱۷۲ سائز ½۶" × ½۸"

مصنف علام نے قاضی قطب الدین کے مشہور و معروف رسالہ "فرائض" کی شرح لکھی ہے۔ علم الفرائض میں یہ نہایت جامع تالیف ہے۔ اور کہیں نہیں چھپی ہے بڑے بڑے کتب خانوں کی فہرستوں میں یہ کتاب موجود نہیں۔ اس کے قلمی نسخے بھی حد درجہ کمیاب ہیں۔ کتاب مکمل ہے۔ اور نہایت عمدہ حالت میں ہے۔ مفید حواشی و تعلیقات سے مزین ہے۔

کاتب کا نام محمد علی ولد میاں فتح محمد ہے۔ مگر سن کتابت درج نہیں۔ نل احمد و گل حسین کی مہریں اس نسخہ پر ثبت ہیں۔ ان مہروں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ نسخہ ان کی ملکیت میں رہ چکا ہے۔ سترہویں صدی کے آغاز کا مخطوطہ ہے۔

شمس المجالس:۔ (فارسی) قصۂ حضرت علیہ السلام

سطر ۱۸، صفحات ۳۰۰ سائز ۵" × ½۹"

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ مختلف حضرات نے لکھا ہے لیکن نسخہ ہذا میں زیادہ تر آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اقوال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علماء اور صوفیا کے اقوال بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب کے اختتام پر کاتب کا نام "طاہر بن امام قلی" تحریر ہے۔

یہ کتاب بھی غیر مطبوعہ ہے۔ مخطوطات کے ذخائر کی فہرستوں میں اس کا وجود نہیں ہے۔ غالباً یہ واحد مخطوطہ ہے۔ اور اسی یکتائی کے اعتبار سے نادر الوجود ہے۔

رسالہ فضائل تلاوت قرآن مجید (فارسی)

تالیف:۔ علامہ عبد العلی بن محمد بن حسین رح

سطر ۱۸، صفحات ۲۲۲ سائز ¾۴" × ۷"

یہ علامہ عبد العلی بن محمد بن حسین کی تالیف ہے اور زمانہ تصنیف سن ۹۲۰ ہجری ہے مصنف نے عربی کتابوں سے فضائل تلاوت قرآن مجید و آداب و شرائط فارسی زبان میں منتقل کئے ہیں۔

یہ ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کاتب کا نام ملا محمد حسین ہے۔ اور سن کتابت ۱۱۲۹ ہجری ہے۔

یہ نسخہ مکمل ہے۔ اور نادر الوجود مخطوطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ابھی تک طبع نہیں ہوا ہے۔

شرح قصیدہ بردہ :- (فارسی)

سطر ۲۱ - صفحات ۳۱۲ سائز ۶" × ۱۰"

یہ مشہور صوفی شرف الدین ابو عبداللہؒ بن سعید البوصیری المتوفی سن ۶۹۶ ہجری کے شہرۂ آفاق قصیدۂ بردہ کی فارسی شرح ہے۔ اگرچہ شارح کا نام مذکور نہیں لیکن قصیدہ کی جس طرح سے شرح کی گئی ہے۔ اور اشعار کے حقائق و غوامض کو جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شارح کوئی جید عالم تھا۔

ہر شعر جلی قلم اور سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ قلم پختہ اور خط نستعلیق ہے۔ یہ شرح زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے۔

سن کتابت ۱۲۰۴ ہجری ہے۔ اور کاتب کا نام شاہ محمد ولد محمد پناہ بن فتح محمد ہے شرح غیر مطبوعہ اور نادر مخطوطہ ہے۔

قصۃ المعراج (۱) منقول من المعارج النبوۃ :- (عربی) ہر سہ جلد در یک جلد

مولف و ناقل :- غلام محی الدین بن قطب الدین بن محمد عاقل لاہوری -

سطر ۱۵ - صفحات ۱۹۶ سائز ۷" × ۱۰½

اس کے مرتب و ناقل کا نام غلام محی الدین بن قطب الدین بن محمد عاقل لاہوری ہے۔ اور سال تالیف سن ۱۲۲۶ ہجری ہے۔ مولف کا انتقال ۱۲۵۹ھ ہجری لاہور میں ہوا۔

(۲) انتخاب طریقۃ المحمدیہ :- (عربی)

(باب الوسواس الی آخر الکتاب)

مرتب :- غلام محی الدین بن قطب الدین بن محمد عاقل لاہوری

سطر ۱۴ - صفحات ۵ سائز ۷" × ۱۰½

یہ بھی غلام محی الدین ولد قطب الدین ولد محمد عاقل لاہوری کی ترتیب کردہ کتاب ہے۔

شریفیہ شرح سراجی :- (عربی) در علم وراثت و ترکہ و تقسیم

شارح :- سید شریف جرجانیؒ

سطر ۱۹ - صفحات ۱۱۶ سائز ۸" × ۱۳

یہ سید شریف جرجانی کی نہایت مشہور شرح ہے۔ حواشی مستند و نایاب کتابوں سے پُر ہیں۔ متن خوبصورت قلم یکساں ہے۔ حواشی باریک نفیس خط میں ہیں۔ یہ التزام مطبوعہ کتابوں میں مفقود ہے۔ آخر میں فقہی مسائل پر دو ورق مزید ہیں۔ کتاب اگرچہ طبع ہو چکی ہے۔ لیکن تعلیقات و حواشی کی ندرت کے پیش نظر یہ نسخہ غیر مطبوعہ ہی تصور کیا جاسکتا ہے۔

نگار نامہ منشی :- (فارسی)

مصنف :- منشی لال چند
سطر ۱۷ - صفحات ۳۶۸ - سائز ۳/۴ ۶" × ۱/۲ ۹

یہ منشی لال چند کی تالیف ہے۔ جو عہد عالمگیرؒ میں تالیف ہوئی ہے۔ اس کتاب کے اندر ابتدا میں مشہور فارسی انشار پردازوں کے حالات اور ان کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد شاہجہانی اور عالمگیری عہد کے اُمراء کے خطوط و فرامین نقل کئے گئے ہیں۔ مؤلف کی رسائی شاہی دارالانشا تک تھی۔ اس لئے شاہی فرامین اور پروانہ جات بھی اس میں شامل ہیں۔ بعض خطوط ایسے ہیں۔ جو اور کسی مجموعہ میں نہیں ملتے ہیں۔ اور انتہائی اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

کتاب اگرچہ ایک بار طبع ہو چکی ہے لیکن مدت سے مطبوعہ نسخہ بالکل نایاب ہے۔ اور مطبوعہ نسخہ بھی آج کسی قیمت پر نہیں ملتا ہے۔ اس نسخہ کا خط نہایت پاکیزہ اور شکستہ ہے۔ یہ صحت متن کے لحاظ سے خوب ہے۔ نہایت عمدہ اور بے داغ نسخہ ہے۔ سن کتابت ۱۷۰۶ بکرمی ہے۔

رسالہ در خواص بقولات (فارسی)

تالیف :- حکیم محمد شریف خاں دہلوی
سطر ۱۱ صفحات ۳۳ سائز ۱/۲ ۶" × ۱/۲ ۹

کاتب کا نام :- محمد اکرم بن حکیم محمد رخشی خاں مرحوم اور سن کتابت ۱۹۱۰ بکرمی ہے۔

مثنوی لیلیٰ مجنوں ہاتفی

مصنفہ :- عبداللہ ہاتفی برادر زادہ مُلّا نورالدین بن عبدالرحمن جامی
سطر - صفحات - سائز

یہ مثنوی عبداللہ ہاتفی کی تصنیف ہے۔ کاتب کا نام ارجن بن برہمن ہے۔ اور سن کتابت ۱۸۹۲ بکرمی ہے خوشخط اور مکمل نسخہ ہے۔ کتاب اگرچہ طبع ہو چکی ہے۔ لیکن مطبوعہ نسخے حد درجہ غلط چھپے ہیں۔ صحت متن کے اعتبار سے یہ نسخہ قابل قدر ہے۔

سفینۃ الاولیاء (فارسی)

تالیف :- شہزادہ داراشکوہ
سطر ۱۵ - صفحات سائز ۱/۲ ۶" × ۱/۲ ۹

یہ فارسی زبان میں صوفیائے کرام کے حالات ہیں۔ شاہزادہ داراشکوہ کی نہایت مشہور تالیف ہے۔ یہ مکمل اور صحیح نسخہ ہے۔ اس میں کاغذ بھی تمام تر

ہندی استعمال ہوا ہے۔ خط نستعلیق ہے۔ عنوانات اور سرخیاں شنگرفی رنگ میں ہیں۔ اور حاشیے سرخ نیلگوں جدول سے مزین ہیں۔ کاتب کا نام مذکور نہیں، تاہم مذکورہ بالا نسخہ تالیف سے قریب تر زمانے کا ہی معلوم ہوتا ہے۔

رسالہ فی فن اصول حدیث :- (عربی)

مصنف :- سید شریف جرجانی

سطر ۱۲ - صفحات ۱۸ سائز ۵½ × ۷¾

یہ نسخہ سید شریف جرجانی متوفی سن ۸۱۶ ہجری سے منسوب ہے۔ حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق سید شریف جرجانی نے علامہ شرف الدین طیبی المتوفی سن ۷۴۳ ہجری کی کتاب "خلاصہ اصول حدیث" پر جو حاشیہ لکھا تھا، موجودہ نسخہ اس سے مختلف ہے۔ اگر یہ واقعی سید شریف جرجانی کا رسالہ ہے، تو ایک نادر الوجود مخطوطے کی حیثیت رکھتا ہے۔

کاتب کا نام قادر بخش اور سن کتابت ۱۲۸۹ ہجری ہے۔

مطوّل (عربی)

مصنف :- علامہ سعد الدین تفتازانی

سطر ۲۵ - صفحات ۵۱۴ - سائز ۶½ × ۱۰

یہ علامہ جلال الدین خطیب دمشقی کی مشہور کتاب "تلخیص المفتاح" کی نہایت مبسوط شرح ہے۔ شارح علامہ سعد الدین تفتازانی المتوفی سن ۷۹۳ ہجری کی شاہکار تصنیف ہے۔ یہ نسخہ انتہائی مفید حواشی نادرہ تعلیقات سے مزین ہے۔ آخر سے کچھ ناقص اور دسویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

علامہ تفتازانی نے تلخیص المفتاح کی دو شرحیں لکھی تھیں۔ کبیر و صغیر بڑی شرح "مطوّل" کے نام سے اور چھوٹی شرح "مختصر معانی" کے نام سے مشہور ہے۔ موصوف نے "مطوّل" کی تالیف سے سن ۷۴۸ ہجری میں فراغت پائی تھی۔ یہ مخطوطہ قدیم الکتابت اور حواشی و تعلیقات کی بنا پر نادر الوجود نسخہ ہے۔ اور جا بجا بلند خاں اور مفتی لطف اللہ کی مہریں ثبت ہیں۔ مفتی لطف اللہ کی مہر پر سن ۱۱۰۴ ہجری درج ہے۔ یہ کتاب فن ثالث کے خاتمہ تک مکمل ہے صرف آخر کے چند اوراق نہیں ہیں۔

واقعات اسفار حاتم طائی (فارسی)

سطر ۱۶ صفحات ۴۲۶ سائز ۶" × ۹½"

فارسی زبان میں پہلی مرتبہ حاتم طائی کا قصہ نمعلوم کس ذی علم نے لکھا تھا۔ لیکن اتنا یقینی ہے کہ اس کے بعد قصہ کی روح تو وہی رہی لیکن عبارت میں اتنا تغیر تبدل ہوتا چلا گیا۔ کہ قصہ حاتم طائی کے متعدد مختلف نسخے معرض وجود میں آ گئے۔

قصہ کے ترکیبی اجزاء میں اگرچہ اشتراک رہا۔ لیکن عبارت کافی بدل گئی۔ اس قصے کے قلمی نسخے برٹش میوزم، باڈلین لائبریری، بانکی پور، پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔ لیکن ان میں بھی کوئی ایک نسخہ دوسرے نسخے سے مطابق نہیں ہے۔ چنانچہ موجودہ مخطوطہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

قصہ حاتم طائی اگرچہ متعدد بار مختلف مطابع نے شائع کیا ہے لیکن مطبوعہ نسخے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بہرحال موجودہ مخطوطہ اس لحاظ سے انتہائی قابل قدر ہے۔ کہ اس جیسا دوسرا مخطوطہ بھی کہیں موجود نہیں ہے۔ یہ تمام مخطوطات سے بلحاظ عبارت مختلف واقع ہے۔ کتابت سترہویں صدی کے آغاز کی ہے۔ نسخہ عمدہ حالت میں ہے۔ مصنف کا نام آج تک کسی کو علم نہیں۔

رسالہ خواص الجواہرات (فارسی)

مصنفہ:- حکیم محمد شریف خاں دہلوی

سطر ۱۱- صفحات ۱۴ سائز ۶½" × ۹½"

یہ حکیم محمد شریف خاں کی تصنیف ہے اور سن کتابت ۳۵ شاہ عالم ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حکیم شریف خاں کی حیات میں لکھا گیا ہے۔

قرآن مجید

کا

ایک قدیم ترین فارسی ترجمہ

(مجلہ بصائر، جنوری 1963ء)

از مولانا محمد عبدالحلیم چشتی فاضل دیوبند

قرآن کریم کا ایک قدیم ترین فارسی ترجمہ

جناب شمس الدین صاحب تاجر کتب لاہور کو نادر اور قلمی کتابوں کے مہیا کرنے اور ان کو مناسب جگہ پر پہنچانے میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ موصوف اس زمانے میں قلمی کتابوں کا ایک نہایت نادر ذخیرہ لائے تھے ان میں سے کچھ کتابیں انہوں نے قومی عجائب گھر میں دی ہیں جن کی علمی انداز پر فہرست تیار کرنے کا کام میرے سپرد ہوا تھا، جو کتابیں قومی عجائب گھر میں دی ہیں ان کی تعداد ساٹھ باسٹھ سے کم نہیں ہے ان میں اکثر و بیشتر نادر کتابیں ہیں۔

جن میں نحو کی مشہور کتاب شرح جامی کی فارسی شرح کا خوشخط نسخہ تھا، فن قرآت کی کتاب کی فارسی شرح تھی، الشیخ عبدالہادی بن معصوم کا شمائل ترمذی کا فارسی ترجمہ اخلاق المصطفیٰ کے نام سے تھا، نویں صدی ہجری کے نامور فقیہہ عثمان بن محمد غزنوی کی کتاب وسیلۃ السعادات در بیان عبادات کا ۸۹۶ھ کا مخطوطہ نسخہ تھا، مجموعہ الغرائب جو فتاویٰ الغرائب کے نام سے بھی مشہور ہے اور بروکلمان کے بیان کے ابو جعفر حنفی کی تصنیف ہے کا ۹۷۱ھ کا ایک مخطوطہ تھا، عہد شاہجہانی کے نامور فاضل عبیداللہ خویشگی قصوری کی شرح دیوان حافظ کا کابلی نسخہ بحر الفراست نامی بھی تھا، ہند و پاکستان کے باکمال فقیہہ کمال الدین کریم ناگوری کی کتاب مجموعہ خانی غزالمعانی کا ۱۰۴۶ھ میں لکھا نسخہ تھا۔

اس مجموعہ میں دو حمائل اور دو قرآن مجید بھی تھے۔ حمائل خط بہار کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے قرآن مجید ایک معریٰ اور دوسرا مترجم ہے معریٰ قرآن مجید ایک مشہور خطاط یاقوت مستعصمی کے معاصر نظام الدین احمد

کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کے آخیر میں سنہ ۷۰۴ء تحریر ہے یہ قرآن مجید معریٰ ہے لیکن خط، کاغذ، طلاکاری اور نقاشی کے اعتبار سے نہایت اہم خصوصیات کا حامل ہے۔ مترجم قرآن مجید نادرۂ روزگار سے ہے نیشنل میوزیم نے اس کو محفوظ کر کے قومی ورثہ کی حفاظت کا حق ادا کر دیا ہے۔

قرآن مجید فارسی معہ مختصر تفسیر

صفحات ۷۵۸ سائز ۱۵ ½ × ۱۱ ½"

اجمالی کیفیت

یہ قرآن مجید ۷۵۸ صفحات پر مشتمل ہے ہر صفحہ میں متن و ترجمہ کی ۱۹ سطریں ہیں جس صفحہ پر تفسیر ہے اس کی ۲۱ سطریں ہیں پارۂ اول کا ربع اول نہیں ہے لیکن سورۂ طٰہٰ سے لے کر سورۂ قل ہو اللہ احد تک مکمل ہے۔

مذکورۂ بالا قرآن مجید کوفی خط نسخ میں ہے۔ خط نسخ بھی نہایت قدیم ہے اور اس کے طرز خط میں کوفی خط کی ادا جھلکتی ہے یہ ترجمہ متداول فارسی ترجموں سے بالکل مختلف ہے اس ترجمہ کی زبان تمام تر قدیم فارسی ہے سورۂ صاد کا نام اور آئتوں کی تعداد کوفی رسم الخط میں ہے جو کوفی آرٹ کا بہترین نمونہ ہے اس کے علاوہ تمام سورتوں کے نام اور تفسیر کے عنوانات سب آب زر سے لکھے ہوئے ہیں اور رکوع کی علامات پھول کی شکل میں بنی ہوئی ہیں اور ان کے بیچ میں کوئی لفظ خط کوفی میں لکھا ہوا ہے ہر پھول کی جدولیں نہایت ہی باریک ہیں اور ان میں بھی زر افشانی کی گئی ہے آئتوں کے اوقاف کے جو نشان بھی دائرہ کی صورت میں بنے ہوئے ہیں وہ زر افشانی سے مزین ہیں اور ان کے اندر بھی علامات وقف کوفی خط میں لکھی ہوئی ہیں ہر صفحہ پر متن کے چہار طرف نیلم سے جدولیں بنی ہوئی ہیں سورت کے ناموں کی ہر سطر زر افشانی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

ان امور کی تصدیق ان دو قدیم عکسی تصویروں سے بھی کی جا سکتی ہے جو اسلامی انسائیکلو پیڈیا شائع کردہ دانشگاہ پنجاب کی چوتھی جلد کے تیسرے کراسہ میں موجود ہیں جن میں سے ایک چوتھی صدی اور دوسری پانچویں صدی ہجری کے قلمی قرآن مجید کی ہیں ان کے اور اس کے اوقاف اور

نقش و نگار میں سرمو فرق نہیں ہے بلکہ اس میں سورۂ صاد کے اندر جو کوفی آرٹ کا اعلیٰ نمونہ موجود ہے
اس کی مثال سے وہ دونوں قرآن مجید بھی یکسر خالی ہیں صرف یہی ایک بات اس حقیقت کا واضح ثبوت
ہے کہ یہ قرآن مجید چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے درمیانی زمانہ کا لکھا ہوا ہے اسی طرح بوسٹن کے
عجائب خانہ میں کوفی خط میں لکھا ہوا سورۂ طٰہٰ کا ایک نسخہ موجود ہے یہ پانچویں صدی ہجری کے
اوائل کا ہے اس کا عکس مستشرق اسکروڈر Eric Schroeder نے آرٹ اسلامیکا Art Islamica صفحہ ۲۲۹ میں دیا ہے اس کے اوقاف اور گل کاری ہو بہو اسی جیسے ہیں۔

رسم الخط اس قرآن مجید کا رسم الخط وہی ہے جو دنیائے اسلام کے مشہور خطاط ابن البواب
علی بن بلال المتوفی ۴۲۳ھ ہجری کا طرز نگارش ہے خیرالدین زرکلی نے الاعلام ج ۵ ص ۱۶۷ اور لوح نمبر ۹۴۷
میں ابن البواب کے خط کا جو نمونہ دیا ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن البواب کے
دائرے اور کششیں اس قرآن مجید کے متن کے الفاظ کے دوائر اور کششیں ایک ہی جیسی ہیں
اس لئے ممکن ہے کہ متن قرآن اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو نام قطعی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے اگر ہم
اس کو تسلیم نہ کریں تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ اس دور کے کسی باکمال ماہر کے قلم کا شاہکار ضرور
ہے۔

کاغذ کاغذ، کتابت اور نقاشی سینٹرل ایشیا، توران ماوراءالنہر کی معلوم ہوتی ہیں کاغذ
نہایت قدیم ہے اور عجیب اجزا سے تیار کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کو پانی پہنچنے کے بعد پانی کا اثر
کاغذ پر نمایاں ہوا ہے لیکن کاغذ ایک دوسرے سے نہیں چپکا ہے سیاہی بھی کچھ ایسی بنی ہوئی
استعمال ہوئی ہے کہ پانی اس کو پہنچا ہے لیکن سیاہی اس سے متاثر نہیں ہوئی۔

وصلی یہ قرآن مجید نہایت باریک وصلی پر لکھا ہوا ہے وصلی کی صورت یہ ہے کہ دو کاغذوں
کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے اور یہ کام کچھ اس ہنرمندی اور سلیقہ سے کیا گیا ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہے اور
حیرت ہے کہ کاغذ کو پانی پہنچا پھر بھی جوڑ کہیں سے نہیں کھلا اور نہ بظاہر کہیں اس امر کا سراغ ملتا ہے کہ
یہ دو کاغذ ہیں پھر کاغذ کو ایسا گھوٹا گیا ہے کہ اس میں چکنا پن آگیا ہے اور

اسی وجہ سے قرآن مجید وزنی ہو گیا ہے۔ ہم نے ایک مقام پر کاغذ کو تھوڑا سا جُدا کر کے اس حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے کہ یہ قرآن مجید وصلی پر لکھا گیا ہے۔

کاغذ کی ساخت اور قدامت، سیاہی اور اس کی پختگی، خط اور زبان کی قدامت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ قرآن مجید چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کا مخطوطہ ہے، ہمارے اس دعویٰ کی دلیل نظام الدین احمد النسایہ کا تحریر کردہ قرآن مجید ہے جو ۷۰۶ھ ہجری کا مخطوطہ ہے جب وہ آٹھویں صدی ہجری کا لکھا ہے تو یہ کم از کم پانچویں صدی ہجری کا مخطوطہ ضرور تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

املاء قرآن مجید، ترجمہ اور تفسیر تلفظ اور املا کے معاملہ میں تورانی اور ماوراء النہری روایات کا پابند ہے یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ گاف کو کاف اور دال کو ذال لکھا گیا ہے اور یائے مجہول کہ بھی استعمال ہوئی ہے، املا میں انہی امور کی رعایت کی گئی ہے جن کو تورانی یا ماوراء النہری کرتے ہیں۔

ترجمہ اور تفسیر کی خصوصیات ترجمہ اور تفسیر کی زبان بھی نہایت قدیم ہے اس میں حروف زائدہ "اندر با بہرا در ملا وغیرہ" کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ مزید برآں اس میں اور بھی باتیں ہیں مثلاً مترجم خواہید چشید کو خواہیت چشتیت لکھتا ہے یہ ایسی باتیں ہیں جن کو ہر صفحہ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسلوب بیان اور صفائی عبارت، سادگی اور سلاست کے اعتبار سے اس کی زبان تاریخ طبری وغیرہ کی زبان سے ملتی ہے، اس تفسیر میں محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ کے نام کے سوا کسی اور قدیم تر مفسر کا نام نہیں آیا ہے موصوف کا نام حسب ذیل سورتوں کی تفسیر میں ملتا ہے۔

(۱) سورۂ عنکبوت (۲) سورۂ احقاف (۳) سورۂ صافات (۴) سورۂ حجرات (۵) سورۂ اذا السماء انفطرت (۶) سورۂ بلد (۷) سورۂ سجدہ (اس میں تاریخ طبری کا بھی حوالہ موجود ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر صرف محمد بن جریر طبری کی کتابیں ہیں اور یہ ترجمہ محمد بن جریر المتوفی ۳۱۰ھ ہجری کے بعد کی تالیف ہے، ترجمہ اگرچہ لفظی ہے لیکن مترجم نے ترجمہ

کے اندر سہل جامع اور مناسب تر الفاظ کا انتخاب کیا ہے جس سے ترجمہ نہایت جامع، بڑا معنی خیز، عام فہم اور
رواں ہو گیا ہے جس طرح ترجمہ میں فارسی کے غیر مانوس الفاظ کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے اسی طرح ہمیں
ترجمہ کے اندر عربی کے الفاظ بھی خال خال نظر آتے ہیں اور وہ بھی ایسے ہیں جن کا استعمال اس زمانہ میں
بہت عام تھا ان کو بھی مترجم نے مطلب کی وضاحت کے لئے بڑے ہی غور و فکر کے بعد رکھا ہے
اس سے اس کا افادی پہلو اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔

تفسیر

اس وقت ترجمہ اور تفسیر کا جو حصہ موجود ہے اس میں احکام سے متعلق آیتیں
کم ہیں اس لئے ہمیں اس مختصر تفسیر میں قصص کا بیان زیادہ ملتا ہے اس میں بھی مترجم نے مضمون
کے اعادہ سے گریز کیا اور حوالۂ سابقہ پر اکتفا کیا ہے لیکن جہاں کلام سے متعلق کوئی بات آئی ہے
اس کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس پر بحث کی ہے چنانچہ خلافت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے، ایلاء
کی بحث میں مسئلہ ایلاء پر بھی کلام کیا ہے۔

اس ترجمہ کی جامعیت، سادگی اور خوبی کا صحیح اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب نامور
اہل زبان کے ترجموں یا دقیق النظر اہل قلم کے فارسی ترجموں سے اس ترجمہ کی صرف چند آیتوں کا تقابلی مطالعہ
کیا جائے، ہم مشتے نمونہ گلے از گلزارے یہاں صرف ایک دو آیتوں کا ترجمہ شہرۂ آفاق فارسی ترجموں
سے نقل کرتے ہیں جن میں سے بعض ترجمے ایسے ہیں جو انفرادی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ
حکومت افغانستان نے انتخاب زمانہ دیدہ دروں اور باکمال علماء سے ترجمہ کرا کر نہایت صحت
و اہتمام سے شائع کیا ہے اس کو بھی ہم تقابلی ترجمہ میں پیش کریں گے اور پھر اس ترجمہ کو نقل کرینگے
جو خود کہے گا سہ   دلے من چیزے دیگر ام

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ
يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ
الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

(پ ۱ / ۱۱)

(۱) ملا حسین بن علی واعظ کاشفی المتوفی ۹۱۰ھ ترجمہ کرتے ہیں۔

تو بیابی جہودان را، حریص ترین مردمان بر زندگانی واز آنانکہ شریک آورند، دوست دارد یکے از ایشاں کہ کاش عمر دادہ شود ہزار سال، ونیست آنکہ او رہانندہ باشد از عذاب دوزخ آنکہ عمر دادہ شود، وخدا بینا ست بانچہ می کنند۔

(۲) وہ ترجمہ جو سعدیؒ سے منسوب ہے۔

دوست
تو بیابی جہوداں را، حریص ترین مردماں بہ زندگانی وحریص تر از آنانکہ شریک می آرند دارد یکے از ایشاں کہ کاش عمر دادہ شود ہزار سال، ونیست رہاکنندۂ او از عذاب دوزخ آنکہ عمر دادہ شود، خدا بیناست وانچہ می کنند۔

(۳) ترجمہ منقول از قرآن مجید موسوم بہ کشف الآیات مطبوعہ کتاب فروشی اسلامیہ طہران ۱۳۶۷ھ

وہر آئینہ بیابی ایشاں را حریص ترین مردمان، بر زندگانی را آنانکہ شرک آوردہ اند دوست می دارد واحدِ ایشاں را کہ کاش عمر دادہ شود وخدا بیناست انچہ می کنند۔

(۴) ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

وہر آئینہ بیابی ایشاں را، حریص ترین مردم، بر زندگانی وحریص تر واز آنانکہ مشرک اند دوست می دارد یکے از ایشاں کاش عمر دادہ شود ہزار سال، ونیست رہانندۂ وے از عذاب، آن کہ عمر دادہ شود وخدا بیناست وانچہ می کنند۔

(۵) ترجمہ شیخ الہند فارسی طبع کابل ۱۳۲۳ھ

وہر آئینہ بیابی ایشاں را، حریص ترین مردم بر زندگانی وحریص تر اند کسانیکہ شرک آوردہ اند دوست می دارد یک یک از ایشاں کاش عمر دادہ شود ہزار سال، ونیست آں رہانندۂ وے از عذاب کہ عمر دادہ شود وخدا نیک بیناست انچہ می کنند۔

(۶) ترجمہ نسخہ ہذا۔

دیابی ایشاں را آرزومند ترین مردمان بر زندگانی واز آن کس ہا کہ انباز گرفتند، دوست

دارند یکے از ایشاں، اگر زندگانی باشد اور ہزار سال ونباشد آں دور کنندہ اورا از عذاب که زندگانی او دراز باشد وخدا بیناست بر انچہ ہمی کنند۔

اس ترجمہ میں جیسے عام فہم سادہ اور سلیس جامع اور مختصر الفاظ مترجم نے رکھے ہیں بیان سے باہر ہیں۔

اب ذرا اس مقام کو بھی ملاحظہ فرمائیں جہاں مترجم نے عربی الفاظ کو ترجمہ میں جگہ دی ہے، اس کی خوبی کا اندازہ بھی ان مذکورۂ بالا ترجمہ پڑھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، ان ترجموں کے پڑھنے کے بعد یہ بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ مترجم نے ترجمہ میں عربی الفاظ لاکر حقیقت سے ذہن انسانی کو کس قدر قریب تر کر دیا ہے اور مغز کلام کو کس طرح آشکارا کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ مترجم کے ترجمہ کا لطف الفاظ کی ترجمانی سے بالاتر ہے نمونہ درج ذیل ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۝ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۝ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (پ ۱/۱۵)

(۱) ترجمہ ملا حسین کاشفی

اے پروردگار ما گردان ما ہر دو را ثابت باسلام مر ترا واز فرزندان ما گروہے گردن نہندہ مر ترا و بنمائی ما را افعال حج وقبول فرمائی بر ما توبہ، بدرستیکہ توئی توبہ پذیرندہ مہربان، اے پروردگار ما، و برانگیز درمیان ایشان رسولے از ایشاں کہ بخواند بر ایشاں ایتہائے ترا و بیاموزد آنہا را کتاب وحکمت پاک گرداند ایشاں را بدرستیکہ توئی غالب محکم کار۔

(۲) سعدی کا ترجمہ۔

اے پروردگار ما وگردان ما را ہر دو ثابت باسلام مر ترا واز فرزندن ما گروہے گردن نہندہ مر ترا، وبنما ما را افعال حج وقبول فرما بر ما توبہ، بدرستیکہ توئی توبہ پذیرندہ

مہربان اے پروردگار ما وبرانگیز درمیان ایشاں رسولے از ایشاں کہ بخواند بر ایشاں آیتہائے ترا،
دبیاموزد ایشاں را کتاب وحکمت و پاک گرداند ایشاں را بر آئینہ توئی توانا و دانا

(۳) ترجمہ ایمانی کشف الآیات

پروردگار ما، دیگرداں مارا دو منقاد مرترا، و از ذریت ما، امتے منقاد مرترا، ونما
مارا مناسکماں، وبپذیر توبہ از ما، بدرستیکہ توئی توتوبہ پذیر مہربان، پروردگار ما، دبر
انگیز رسولے درایشاں کہ بخواند بر ایشاں، آیتہائے ترا دبیاموزد ایشاں را کتاب وحکمت و
پاک سازد ایشاں را بدرستیکہ توتوئی غالب، درست کردار۔

(۴) ترجمہ شاہ ولی اللہ

اے پروردگار ما، وبکن مارا فرماں بردار خودت آواز اولاد ما، وبکن گروہے منقاد
خودت ونما مارا طریق عبادت ہائے ما، وبمہربانی باز آبر ما، ہر آئینہ توئی باز آئندہ، مہربان
اے پروردگار ما، بفرست درمیان ایشاں پیغامبرے از ایشاں بخواند بر ایشاں آیتہائے
تو وبیاموزد ایشاں را کتاب وعلم؛ وپاک کند ایشاں را، بدرستیکہ توئی غالب حکم کار۔

(۵) ترجمہ شیخ الہند

اے پروردگار ما، بگرداں مارا فرماں بردار بخود، واز اولاد ما گروہے فرمان بردار بخود، ونما
مارا مناسک مارا (قواعد حج) وبپذیر توبہ مارا، ہر آئینہ توئی پذیرندۂ توبہ، مہربان اے
پروردگار ما وبفرست درمیان ایشاں پیغمبرے از ایشاں کہ بخواند بر ایشاں آیتہائے ترا
وبیاموزد ایشاں را کتاب وحکمت و پاک کند ایشاں را بر آئینہ توتوئی بسیار غالب بسیار باحکمت۔

(۶) ترجمہ نسخہ ہذا۔

بارخدائے ما بکن مارا، دو مخلص ترا، و ذفرزنداں ما گروہے مخلص ترا، وبنمائے مارا،
کارہائے حج ما، دتوبہ دہ بر ما کہ توئی توتوبہ دہندہ وبخشایندہ، بارخدائے ما، وبفرست
اندرمیان ایشاں پیغامبرے از ایشاں تا برخواند بر ایشاں آیتہا تو، دبیاموزد ایشاں را،

کتاب وحکمت دہ پاکیزہ کند ایشاں را کہ توئی تو بے ہمتا باحکمت۔

افسوس ہے کہ سعی بسیار کے باوجود قرآن مجید کا پورا نسخہ دستیاب نہیں ہوا، اگر اول، آخر کا صفحہ ہی مل جاتا تو ہمیں شاید مصنف اور کاتب کا نام معلوم ہو جاتا اور سن کا بھی تعین ہو جاتا لیکن کچھ یونہی مقدر تھا تاہم ترجمہ قرآن اور تفسیر کے بالاستیعاب مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہو گیا۔ ہے کہ اس کا مترجم اور مفسر کوئی چوتھی صدی ہجری کا نہایت جیّد عالم تھا اس کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر غیر معمولی عبور حاصل تھا وہ بڑا معتدل مزاج انسان تھا، اختلافی مسائل سے کہیں تعرض نہیں کیا اسی طرح مسلک حق کے اظہار میں کہیں پہلو تہی نہیں کی۔ ہے جس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ مترجم چوتھی صدی ہجری کے وسط میں بقید حیات تھے وہ درج ذیل ہے۔

پس بکتاب فتن اندر چنیں آمدہ است کہ ایں دجال بہ آخر زمان بیرون آید و بیرون آمدن او بیرون آمدن یاجوج ماجوج و بیرون آمدن مہدی و عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام یک سال باشد و باز بروند از یں جہاں جو سال از چہار صد بگذرد دایں راہر ساعتے چشم باید داشتن (حدیث دجال سورۂ مومن)

حافظ محمود شیرانی مرحوم نے ایک نہایت فاضلانہ مقالہ "قرآن مجید کی ایک قدیم تفسیر" کے عنوان سے اورینٹیل کالج میگزین لاہور کے اندر مئی ۱۹۳۳ء میں سپرد قلم کیا تھا جو بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے اس میں موصوف نے فارسی میں تفسیر نگاری کا آغاز چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ۳۴۵ھ ہجری سے قرار دیا ہے اور پھر قدیم ترین پانچ تفسیروں کے حسب ذیل نام گنائے ہیں۔

(۱) تفسیر منصوری (یہ وہی تفسیر ہے جو ابو صالح منصور بن نوح سامانی نے علماء کی ایک جماعت سے تفسیر طبری کا ترجمہ کرایا ہے۔

(۲) تفسیر السورآبادی از ابو بکر عتیق بن محمد السورآبادی الہروی جو الپ ارسلان سلجوقی ۴۵۵ھ ہجری و ۴۶۵ھ ہجری کے عہد کے بزرگ ہیں۔

(۳) تاج التراجم فی تفسیر القرآن للعجم المعروف بہ تفسیر طاہری از عماد الدین ابو المظفر طاہر بن

محمد الامن آیئنی المخاطب بہ شاہفور المتوفی ۴۷۱ھ ہجری۔

(۴) تفسیر زاہدی از ابونصر احمد بن الحسن بن احمد بن سلیمان درواجکی یہ تفسیر ۵۱۹ھ ہجری میں بخارا میں تالیف ہوئی۔

(۵) تفسیر بصائر یمین یا البصائر فی التفسیر از محمد بن محمود اینشا بوری یہ بہرام شاہ غزنوی ۵۱۱ھ ہجری ۵۵۲ھ ہجری کے عہد کے بزرگ ہیں۔

مذکورۂ بالا پانچ تفسیروں میں سے تفسیر منصوری بلاشبہ چوتھی صدی ہجری کی تالیفات میں سے ہے لیکن وہ کوئی مستقل اور جداگانہ تفسیر نہیں وہ تفسیر طبری کا ترجمہ ہے جو چالیس مجلدات پر مشتمل تھا، ظاہر ہے کہ مخطوطہ ترجمہ و تفسیر، تفسیر طبری کا ترجمہ تو کیا خلاصہ بھی نہیں ہے بلکہ ایک جداگانہ اور مستقل ترجمہ و تفسیر ہے، تفسیر منصوری کے علاوہ جو چار تفسیریں ہیں وہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کی تفاسیر میں سے ہیں اور ان میں سے کوئی یقینی طور پر چوتھی صدی ہجری کی تصنیف نہیں ہے چونکہ آج مذکورۂ بالا تفسیریں ہمارے سامنے نہیں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ مخطوطہ بھی ان میں سے ایک ہو اگرچہ یہ امکان بھی ایسا ہے جس پر کوئی قوی قرینہ ثبوت میں پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اس کے برعکس یہ کہنا بے جا نہیں کہ مخطوطہ ہذا کا مذکورۂ بالا اقتباس اس امر کا شاہد ہے کہ ترجمہ و تفسیر چوتھی صدی ہجری کے اختتام سے قبل ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔

بہت ممکن ہے کہ یہی ترجمہ و تفسیر عہد سامانی کا وہ ناقابل فراموش علمی کارنامہ ہو جو تاریخ طبری اور تفسیر طبری کے ترجمہ کے معاً بعد ہوا ہے جیسا کہ بعض مستشرقین کا خیال ہے، عصر حاضر کا نامور مورخ و ادیب ڈاکٹر رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران میں لکھتا ہے۔

"تاریخ طبری اور تفسیر طبری کے ترجموں کے سوا قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کا ایک قلمی نسخہ بھی ہے جس کے بارے میں بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ بھی سامانی دور سے تعلق رکھتا ہے" ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات

ایران ترجمہ سید مبارز الدین طبع ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۵ء ص ۷۱)

ان تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ کہنا حقیقت سے بعید نہیں کہ یہ مخطوطہ مذکورۂ بالا تمام تفسیروں سے جدا ہے اس لحاظ سے یہ عظیم الشان نادر مخطوطہ دنیا بھر میں یکتا و منفرد ہے۔

ان بوریا نشیں ارباب قناعت اساتذہ کا احترام نا صرف میرا بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔
(قول حضرت مدنیؒ)

شیخ الاسلامؒ سیمینار 6 مارچ 2005ء منعقدہ
بمقام جامعہ سیدنا اسعد بن زرارہؓ، بہاولپور۔

صاحبِ خطاب کا مختصر تعارف

موصوف فاضل دار العلوم دیوبند ہیں۔
شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے نامور شاگردوں میں ان کا شمار ہے۔
متعدد تحقیقی کتابوں کے مؤلف ہیں، فن حدیث و اسماء الرجال میں گہری نظر رکھتے ہیں، عرصہ سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شعبہ تخصص الحدیث کے نگران ہیں اور نامور محقق حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں۔

خطاب

حضرت
مولانا ڈاکٹر **محمد عبدالحلیم چشتی** دامت برکاتہم
نگران شعبہ تخصص فی الحدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن،
کراچی

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ
سند حدیث کی مقبولیت و محبوبیت

میرے بزرگو! اور دوستو! میں صرف ایک دو واقعات مختصراً عرض کروں گا!

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مسلم لیگ اور کانگریس کی کشمکش اپنے عروج پر تھی دارالعلوم دیوبند کے دفتر ناظم تعلیمات میں جو صاحب خدمات سرانجام دیتے تھے اور ہر سند پر محرر کے طور پر دستخط ثبت فرماتے تھے ان کی زبان سے حضرت مدنیؒ کے متعلق کچھ نامناسب سے الفاظ نکل گئے قریب تھا کہ حضرت مدنیؒ کے پرستار جن کے دل میں ان کی سچی محبت وعظمت تھی وہ ان الفاظ کی وجہ سے بہت ہی کبیدہ خاطر تھے ممکن تھا کہ انہیں کوئی گزند پہنچ جاتی یہ صورتحال جب نظر آئی تو ارباب اقتدار نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع بہم پہنچائی حضرتؒ اپنا دورہ مختصر کر کے دارالعلوم تشریف لائے اور دارالحدیث میں ایسی تقریر فرمائی کہ جوشیلوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔

> ’’کہ دیکھو جو شخص مجھے برا بھلا کہتا ہے اگر میں ویسا ہوں تو وہ سچ کہتا ہے اگر میں ویسا نہیں ہوں تو وہ مجھ پر احسان کرتا ہے میرا محسن ہے پھر فرمایا میں تو ایسا ہوں کہ حدیث بھی پڑھاتا ہوں تو تنخواہ لیکر پڑھاتا ہوں شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کو دیکھو وہ بغیر تنخواہ لیئے پڑھاتے ہیں۔ میں ایسا ہوں کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت میں رہ کر آج بھی کسی لائق نہیں بن سکا۔ میرے پاس آج تک اتنا روپیہ نہ ہو سکا کہ اپنا ذاتی مکان بنوا سکتا۔‘‘

حالانکہ حضرتؒ کے ابروئے چشم پر محلات کھڑے ہو جاتے۔ مذکورہ بالا بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرتؒ اپنے آپ کو اپنی نظر میں کیا سمجھتے تھے اور معاصرین ان کی نظر میں کیا حیثیت رکھتے تھے۔ جب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (شارح مسلم) کا انتقال ہوا اور یہ خبر وہاں پہنچی تو ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تو اس میں حضرتؒ نے اتنے مناقب بیان فرمائے کہ سامعین حیرت زدہ رہے گئے کہ یہ وہی ہیں جن کا

تذکرہ (مکالمۃ الصدرین) [1] میں موجود ہے۔ جبکہ دونوں کی راہیں جدا تھیں لیکن اس کے باوجود ان کو وہیں خوبیاں نظر آئی تھیں ان میں جن کا انہوں نے ذکر کیا تھا اور ان کے کمالات کا برملا اعتراف کیا تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے کمالات پر کتنے دقیق النظر تھے۔ حالانکہ یہ حضرات خود جامع کمالات تھے اور اس جملے کے مصداق تھے جو درس حدیث میں ملا منصور حلاج ؒ کا قصہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہاں ایسے بھی لوگ گزرے ہیں کہ ! شاعر کہتا ہے ؎

دریاہا نوشیدند و آروغے نمی گیرند

''دریا کے دریا چڑھا بیٹھے ہیں لیکن ڈکار تک نہیں لیتے۔

تو میرے بھائی ! حضرت مدنی ؒ کے تو جتنے بھی پہلو ہیں ان کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا ہر چیز میں آپ ؒ اوالعزمی کا سب سے بڑا پیکر ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ مجھے ہمارے ہم سبقوں نے ہی سنایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ صوبہ بہار سے تشریف لائے تھے کہ طالبعلم حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور کہا کہ: حضرت تین دن سے سبق نہیں ہوا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کھانا کھانے کے لیے جا رہے تھے فرمایا اچھا میں ابھی حاضر ہوا اور جناب حضرت مغرب کے بعد تشریف لے گئے اور پھر وہاں ایک بجے تک سبق پڑھایا بغیر کسی چیز کے کھائے۔

اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ دوسروں کا کس قدر خیال رکھتے تھے کہ اپنی خواہش کے باوجود کھانا نہیں کھایا۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کا فیض بھی ایسا ہی عام اور تام کیا ہے آپ کہیں دوسری جگہ اس کی مثال نہیں پائیں گے۔

اب آپ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وہ سند دیکھئے جس میں انہوں نے سب سے زیادہ اہتمام اپنے شیوخ کے تذکرے کا کیا ہے ان میں وہ شیوخ بھی ہیں جن کا تعلق ہندوستان سے ہے اور وہ شیوخ بھی ہیں جن سے انہوں نے یہاں کمالات حاصل کرنے کے باوجود ان کے علوم سے فائدہ اٹھایا اور سند حاصل کی اور ان میں ایسے شیوخ ہیں جن کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ختم بخاری جوف کعبہ میں کیا۔

---

[1] مکالمۃ الصدرین: یعنی دو صدور کا مکالمہ ایک دوسرے ساتھ بولا گیا مکالمہ...... [1] جمعیت علمأ ہند کے صدر حضرت مدنی ؒ تھے۔
[2] جمعیت علمأ پاکستان کے صدر حضرت علامہ شبیر احمد عثانی ؒ تھے۔

تاریخ میں آپ کو ایسے محدثین بہت کم ملیں گے اگر آپ کبھی ان گوشوں پر غور کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارے اسلاف کی کیا روش تھی اور حضرتؒ نے کس طرح اہتمام کے ساتھ اپنے علوم متداولہ یعنی فلسفہ و منطق کی اور وہ علوم جو خالص علوم نقلیہ ہیں ان سب کی سند ایک ہی زمرے میں تمام کر دی ہے۔ اس میں عالی سند بھی ہے اور سافل سند بھی ہے لیکن عالی سند جو ہے ان میں وسائط زیادہ ہیں اور چونکہ فقہاء نے اصول حدیث میں یہ بات بتائی ہے جو سند فقہا کی ہوتی ہے وہ اگرچہ وسائط میں زیادہ ہو لیکن اس سند سے جو شیوخ حدیث کے ذریعے سے آئی ہے اس سے وہ اعلیٰ اور افضل ہوتی ہے۔ وہ عالی سند شمار ہوتی ہے اس میں عالی سند بھی ہے، اور سافل سند بھی ہے، حضرتؒ نے اس سند کو زیادہ ترجیح دی ہے جو فقہاء کی سند سے آئی ہے۔ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ سند نامہ جو ہمیں عطا فرمایا تھا۔ اور اس پر بھی کبھی خود بیٹھتے تھے، اور ان کے پاس لال قلم (فاؤنٹین پین) ہوتا تھا اس میں سیاہی بھی اتنی بھری ہوتی تھی کہ وہ بہت دیر تک بہت عرصے تک چل سکتی تھی اس سے بیٹھ کے دستخط فرماتے اور پکڑا دیا کرتے۔ آج دوسرا معاملہ ہے کہ ان کے بعض منتسبین ہیں وہ اس پر بھی پچاس روپیہ لیا کرتے ہیں چاہے مدرسے کے نام ہی سے کیوں نہ ہو؟ اور طلباء زبان حال سے کہتے ہیں۔

نرخ بالائن ارزان ہنوز

مجھے بہت دکھ پہنچتا ہے کہ ہم ان سے نسبت رکھنے کے باوجود یہ طریقہ اختیار کریں۔
بس زبان سے کچھ کہہ نہیں سکتا یہ ہے حضرت کے منتسبین کا حال ذرا اپنے آپ پر غور کریں کہ ہم کس کے پیروکار ہیں۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے جس وقت بھی کوئی جائے وہ دستخط کر دیا کرتے۔ یہ ہے وہ سند جو میں نے آپ سے عرض کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بعض خوبیاں وہ ہیں جو میں نے لکھی تو ہیں کسی وقت وہ چھپ بھی جائیں گی اور ہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سند کمالات میں سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے حضرتؒ سے سند لی ہے بعض کی سندیں تو میں نے دیکھی ہیں ان میں مولانا بنوری کا نام بھی سرفہرست ہے [1]
مولانا بنوری نے انہیں سند کیلئے خط لکھا اور حضرتؒ نے اپنے ہاتھ سے وہ سند لکھ کر ان کو دی جو میں نے دیکھی

[1] "***(حضرت علامہ بنوریؒ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد ہیں بطور برکت آپ کے سلسلہ عالی میں شامل ہونے کیلئے سند کی درخواست فرما رہے ہیں)"***

ہے وہ اب بھی حبیب اللہ صاحب کے پاس ہوگی اور خود مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتؒ سے جو سند لی ہے وہ انھوں نے ازیاد السنی میں ذکر کی ہے اور اس میں پانچ سطریں ان کے مناقب میں لکھی ہیں کہ یہ شیخ الہندؒ کے کیسے عزیز ترین شاگرد تھے کہ لوگوں کو یہ بھی تصور نہیں ہوتا تھا کہ یہ گھر کے ایک فرد ہیں یا کوئی غیر۔ حضرت کے کمالات میں یہ بات بھی واضح ہے کہ حضرت گنگوہیؒ نے جب حضرت مدنی کو خلعتِ اجازت بیعت عطاء فرمائی تو فرمایا کہ جسے اجازت ہو جائے تو تمام چیزوں کی اجازت ہوتی ہے۔ لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیخ الہندؒ کے واسطہ کو چھوڑ کر حضرت گنگوہیؒ سے روایت کریں۔

سند عالی کی مزید نمایاں بات یہ ہے کی جب حضرت مدنیؒ مدینہ منورہ تشریف لے جارہے تھے حضرت گنگوہیؒ نے تاکید فرمائی کہ تمہیں ہم نے بیعت تو کرلیا ہے تلقین حضرت حاجی صاحبؒ کرائیں گے۔ جب حضرت حاجی صاحبؒ کے ہاں حاضر ہوئے تو حضرتؒ نے تربیت اور تلقین فرمائی۔ تو حضرت مدنیؒ نے خواب دیکھا کہ میں کھجوریں بانٹ رہا ہوں حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا اس کی تعبیر حضرت گنگوہی سے معلوم کرو جب ان سے معلوم کی تو حضرت گنگوہی صاحب نے فرمایا حضرت حاجی صاحب سے تو اجازت تمہیں ہوگئی میرے ہاں بھی مل جائے گی تو یہ حضرت مدنی کا حال ہے کہ وہاں سے بھی اجازت حضرت گنگوہی کی زبانی تو ہوگئی حضرت مدنی کو اور یہاں بھی ان کی طرف سے بھی ہوگئی تو حضرت گنگوہیؒ ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے بہت کم عرصہ میں حضرت حاجی صاحب سے بھی پورا پورا استفادہ کیا یہ بڑے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمارا حشر ان کے ساتھ فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

......☆......☆......☆......

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۷۷ھ) کی
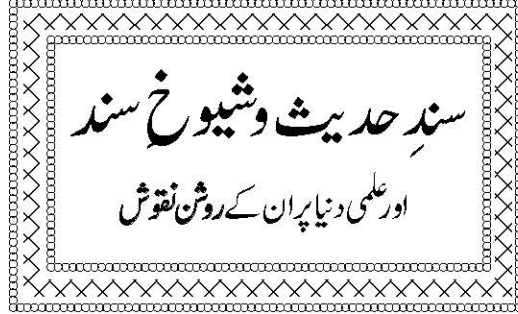
تلمیذ شیخ الاسلامؒ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی دامت برکاتہم

استاذ و نگران شعبہ تخصص فی الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی (پاکستان)

اس مقالہ کا اصل موضوع:

حضرت مدنی کی سند حدیث ''الاجازۃ المسندۃ'' کا تحقیقی جائزہ پیش کرنا ہے لیکن مسنِد (روایتِ حدیث کی سند دینے والی) شخصیت کی عظمت کا اندازہ حسبِ ذیل چند ''عنوانات'' سے کیا جا سکتا ہے اسلئے ان پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حضرت مدنیؒ اپنی نظر میں

حضرت مدنیؒ کی زندگی کے گونا گوں پہلو ہیں جن کا احاطہ میرے بس سے باہر ہے۔ ابوتمام نے سچ کہا ہے۔

اذا شئت أن تحصي فضائل علمه
فكن كاتباً أو فاتّخذ لك كاتبا

کہ اگر تو انکی علمی خوبیوں کو شمار کرنا چاہے تو خود لکھنے کیلئے بیٹھ جا یا کوئی کاتب مقرر کر لے۔

میں نے شرح ملّا سے دورے تک دیو بند میں پڑھا ہے۔ اس کی مختصر داستان مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی کتاب "ہزار سال پہلے" میں لکھی ہے۔ [1] ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۶۹ھ تک سوائے ایک برس ۱۹۴۷ء کے جو قیام پاکستان کے بعد کراچی میں گزرا تقریباً پانچ برس کی مدت ہے۔ جس میں حضرت کو دیکھنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ میں نے حضرت کو ریش مبارک پر خضاب لگا ہوا بھی دیکھا ہے اور قیام پاکستان کے بعد بغیر خضاب کے بھی دیکھا ہے۔ عربی تقریر کرتے ہوئے تو بار بار سنا تھا لیکن فارسی بولتے کبھی نہ دیکھا تھا چنانچہ خان برادرس عبدالغفار خان اور ان کے بڑے بھائی (متوفی ۱۳۰۹ھ- ۱۹۸۸ء) کی دیو بند میں آمد پر حضرت کی فارسی میں برجستہ تقریر سننے کی سعادت بھی حاصل ہے۔

وہ تقریر بھی یاد ہے کہ جب مسلم لیگ اور کانگریس کی کشمش اپنے عروج پر تھی دیو بند کے ناظم تعلیمات کے دفتر میں ایک محرر کی زبان سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کچھ نا مناسب الفاظ نکلے قریب تھا کہ وہ طلبہ کے ہاتھوں مارے جاتے اور طوفان بپا ہوتا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دورے پر

[1] مقدمہ ہزار سال پہلے، ص ۳۰ تا ۴۹ تالیف حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ۔

تھے، انہیں تار دے کر بلوایا گیا، حضرت مدنی نے دارالحدیث میں ایسی تقریر فرمائی کہ جوشیلوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا : ''جو بھی میرے متعلق کچھ کہتا ہے، میں اگر ویسا ہوں تو وہ سچ کہتا ہے اور اگر میں ویسا نہیں جیسا وہ کہتا ہے تو مجھ پر احسان کرتا ہے، میرا محسن ہے۔'' پھر فرمایا : ''میں تو ایسا ہوں کہ حدیث بھی تنخواہ لے کر پڑھاتا ہوں، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ (۱۳۱۵ھ-۱۴۰۲ھ/ ۱۸۹۸ء-۱۹۸۲ء) کو دیکھو وہ بغیر تنخواہ لیے پڑھاتے ہیں، میں ایسا ہوں کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہم کی صحبت میں رہا، لیکن ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا، میرے پاس آج تک اتنا روپیہ نہ ہوا کہ اپنا ذاتی مکان بنواتا۔''

غیران کی نظر میں

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ شارحِ صحیح مسلم (۱۳۰۵ھ-۱۳۷۸ھ/ ۱۸۸۷ء- ۱۹۴۹ء) کی وفات کی خبر جب دارالعلوم دیوبند پہنچی، تو تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جیسا کہ ہر ایک جانتا ہے حضرت مدنیؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سیاسی راستے جداگانہ تھے، "مکالمۃ الصدرین" جسے مولانا محمد طاہرؒ برادر مولانا قاری محمد طیبؒ نے قلمبند کیا تھا، وہ شائع بھی ہو چکا ہے، اس امر کا شاہد عدل ہے، اس کے باوجود حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علمی کمالات و خوبیوں اور فضائل و مناقب پر ایسی روشنی ڈالی کہ شاید و باید۔ دوسروں کی خوبیاں ایسی بیان فرماتے تھے کہ سننے والے بھی دنگ رہ جاتے تھے۔

قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند (۱۳۱۵ھ-۱۴۰۳ھ/ ۱۸۹۷ء-۱۹۸۳ء) پاکستان آئے تھے یہیں رہ گئے تھے، لیکن یہاں کے حالات سے برگشتہ ہو کر حضرت مدنیؒ کو خط لکھا۔ حضرت مدنیؒ نے ویزا دلوایا دیوبند آنے پر انہیں جو استقبالیہ دیا (میں اس میں خود شریک نہ تھا، بزرگوں سے سنا ہے) خاندانی شرافت و عظمت اور ذاتی کمالات، دارالعلوم دیوبند میں ان کی خدمات کے متعلق جو فرمایا اس نے سامعین کو حیرت میں ڈال دیا، اور حضرت قاری صاحبؒ نے جواب میں یہی فرمایا کہ "حشر کے دن بھی حضرت میرے متعلق یہ کلمات فرمائیں تو ان شاءاللہ نجات ہو جائے گی۔" اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں اور غیروں کو کیسا اچھا سمجھتے اور ان کے کمالات کے کیسے قدردان اور شیدا تھے،

یہ سب کچھ حضرت حاجی صاحبؒ کے ادنیٰ فیض صحبت کا اثر تھا اور حدیث "اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً" (اے اللہ مجھے اپنی نظر میں حقیر بنائے رکھ) پر عمل کا شاہد عدل تھا۔

ننگِ اسلاف

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جامع صفات ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اسلاف کے لیے باعث شرم سمجھتے اور اردو میں اس نسبت سے، نام سے پہلے اپنا تعارف "ننگ اسلاف" سے کراتے اور اپنے آپ کو یہی سمجھتے بھی تھے ,ہمارے بزرگوں کا یہی شیوہ رہا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۲۳۳ھ- ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۱۸ء-۱۸۹۹ء) نے ۱۲۸۲ھ میں "ضیاء القلوب"[۱] لکھی تھی اس میں اپنے مجاز حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے متعلق رقم طراز ہیں:

ونیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب را و مولوی محمد قاسم سلمہما را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند، بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند، اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد , کہ او بجائے من و من بمقام اوشاں شدم وصحبت اوشاں راغنیمت دا نند کہ این بچنیں کساں, دریں زماں نایاب اند، وازخدمت بابرکت ایشان فیضیاب بودہ باشندو طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد, در نظرشاں تحصیل نمایند، ان شاء اللہ بے بہرہ نخواہندماند اللہ تعالی در عمر شان برکت دھاد وازتمامی نعماء عرفانی و کمالات قربیت خود مشرف گرداناد وبمراتبات عالیات رساند , وازنور ہدایت شان عالم را منور گرداناد, و تاقیامت فیض اوشان جاری داراد بحرمۃ النبی وآلہ الأمجاد۔

جو بھی اس فقیر سے عقیدت و محبت رکھتا ہے اور میرا مرید ہے وہ مولوی رشید احمد صاحب (گنگوہیؒ) اور مولوی محمد قاسم صاحب (نانوتویؒ) سلمہما کہ جو ظاہری و باطنی تمام علوم و کمالات کے جامع ہیں انہیں اس فقیر راقم الحروف کے برابر بلکہ مرتبہ میں مجھ سے بھی بلند تر سمجھے اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس ہوگیا کہ یہ حضرات بجائے اس کے کہ میں ان سے بیعت ہوتا یہ مجھ سے بیعت ہو گئے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے , کیونکہ اس زمانے میں ان جیسی شخصیات نایاب ہیں اور ان کی بابرکت صحبت سے فیض اٹھانا چاہئے اور اس رسالے میں سلوک کا جو طریقہ لکھا گیا ہے ان کے زیر نگرانی حاصل کرے، ان شاء اللہ فائدہ سے محروم نہیں رہے گا اللہ تعالی ان (حضرات مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب) کی عمر میں برکت دے، اور اپنی معرفت کی تمام نعمتیں اور اپنے قرب کے تمام کمالات سے نوازے اور بلند مراتب پر پہنچائے ان کے نور ہدایت سے عالم کو روشن کرے ان کے فیض کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی پاک آل کے صدقے جاری رکھے۔

---

[۱] ضیاء القلوب، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصحیح کے ساتھ مطبع مجتبائی، ممتاز علی سے ۱۲۸۴ھ میں چھپی مولانا قاسم نانوتویؒ کی تصحیح کا ذکر محمد حسین فقیر نے اپنے ذیل کے اشعار میں کیا ہے ؎

بعد الحمد ایں ضیاء قلب — طبع گردید پے فیض ورا

آنکہ تصحیحش ہمت کار بسبب — دانکہ مولانا محمد قاسم است

آج عالم اسلام حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا اور فیوض و برکات سے منور ہے۔

انہی کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نام کے ساتھ "ننگ اسلاف" کا لفظ لکھتے تھے اور حضرت حاجی صاحبؒ سے نسبت رکھنے والے بعض حضرات، جیسے حضرت شیخ الہندؒ ''بندہ'' لکھتے تھے۔ بعض حضرات نے حضرت حاجی صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے برگشتہ کرنے کیلئے خط لکھا اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت گنگوہی کو جو خط لکھا وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا خط بنام مولانا گنگوہیؒ

بسم الله الرحمن الرحيم,

نحمده و نصلى على رسوله الكريم, از فقير امداد الله عفى عنه,

بخدمت فیضدرجت جامع شریعت و طریقت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی متع اللہ بطول حیاتہ، دمّر اعداۂ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ، مکتوب برکت اسلوب مورخہ چہاردہم رمضان شریف بدست مولوی ممتاز صاحب درود سرور لایا، ممنون و مسرور ہوا، اللہ تعالی آپ کو با یں عنایت و محبت مکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر کونین میں درجات عالیات قرب و رضا عطاء فرمائے ۔مولانا آپ کی تحریر باعث انشراح قلب و موجب جمیعت خاطر فقیر ہے۔ اس لیے آرزو ہے کہ ہمیشہ اپنی خیر و عافیت و حالات ظاہر و باطن سے مسرور و مبتہج فرماتے رہو آپ کے اس خط کے ہر لفظ اور ہر فقرہ سے عجب کیفیت و شیفتگی پیدا ہوئی۔

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کر دی

مولانا! ''ضیاء القلوب'' میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے۔ وہ آپ سے نہیں لکھا گیا، جیسا القاء ہوا ہے ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے پس بدیہیات کو نہ ماننا اور اپنے ذریعہ نجات، وسیلہ فلاح دارین سے علیحدگی کرنا سخت جہالت و محرومی و ادبار ہے۔ خارج کرنا چہ معنی؟ فقیر تو تم علماء و صلحاً کی جماعت میں اپنا داخل ہو جانا موجب فخر دارین و ذریعہ نجات وسیلہ فلاح کونین یقین کرتا ہے اور اللہ تعالی سے بھی یہی دعا ہے کہ تم صالحین کی محبت میں جلا دے یا مارے وہ شخص مُدبر ہے جو تم مقدس و مقتدائے زمان سے کچھ دل

میں کینہ یا سوئے ظن یا بدعقیدگی یا عداوت رکھے ,فقیر تو آپ کی سب حرکات وسکنات واقوال وافعال کو منبع حسنات وبرکات وموافق شریعت وطریقت سمجھتا ہے۔اور کل امور میں مخلص وصادق یقین کرتا ہے الخ۔[1]
حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں حسب معمول "ننگ اسلاف " لکھا حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا ،اس میں لفظ "ننگ" کو اپنے نام کے ساتھ اس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے ، ذرا ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں :''ننگِ انام ،اشرف برائے نام'' [2] سجع (کلام موزوں) ایسا عمدہ ہے کہ داد سے بالاتر ہے اور حضرت حاجی صاحبؒ کی تربیت کا آئینہ دار ہے، تاہم یہ حضرت تھانویؒ کا معمول نہ تھا۔

ہمارے بزرگوں کا مذاق کیسا ستھرا ہے اور جامع صفات ہونے کے باوجود، ہر ایک اپنے آپ کو اپنی نظر میں کیسا حقیر سمجھتا تھا یہی وجہ ہے کہ خلق خدا انہیں کیسا بزرگ سمجھتی اور ان سے اپنی آخرت سنوارتی اور رہنمائی پاتی تھی۔

ذلك الفضل من الله

[1] مکاتیب رشیدیہ،شائع کردہ مکتبہ مدنیہ لاہور، ۱۹۸۳ء
[2] یہاں ''علی'' کا لفظ چھوڑ دیا ہے کہ اس کی عظمت کو ٹھیس پہنچنے کا خطرہ تھا اس لئے صرف ''اشرف'' پر اکتفا کیا۔

جامع کمالات

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ شیخ الہندؒ کے کمالات کے جامع تھے انہی سے ان کا فیض اطراف عالم میں زیادہ پھیلا ہے۔ شیخ الہند کی صحبت اور ان سے استفادے کی سعادت، جتنی حضرت مدنی کو نصیب ہوئی۔[1] اس میں کوئی ہم عصر ان کا شریک وسہیم نہیں۔

حضرات صوفیہ کے یہاں اصل چیز "صحبت شیخ" ہے، چنانچہ حضرت سعید بن مسیّبؒ جن کا نام مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں سرفہرست آتا ہے، وہ صحابی کی تعریف میں طول صحبت کا اعتبار کرتے ہیں۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحبت شیخ کیسی اکسیر ہے۔

شیخ نے ایک بار درس حدیث کے دوران منصور حلاجؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ منصور "انا الحق" کا نعرہ لگا بیٹھے، صوفیہ میں ایسے بھی گزرے ہیں۔

دریاہا نوشیدند وآروغے نمی گیرند

(کہ دریا چڑھا گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لی)

حضرت مدنیؒ کی حضرت گنگوہیؒ سے بیعت

۱۳۲۶ھ میں حضرت گنگوہیؒ نے بیعت فرمالیا، مگر کچھ تلقین نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے بیعت تو کرلیا،

---

[1] چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ (۱۳۱۴ھ-۱۳۹۵ھ/ ۱۸۹۷ء-۱۹۷۶ء) الازدیاد السنی (فہرست شیوخ) میں رقم طراز ہیں۔

زین المشاهدو المنابر ، بقیةاولئک الاکابر العارف بالله المجاهد فی سبیل الله حضرة الشیخ مولانا حسین احمد المدنی ادامه الله تعالی ، بقی مدظله من ریعان عمره تحت نظر حضرة الشیخ شیخ الهند وکان کبعض عیاله بل من اعزعترته فقرأ ما قرأتحت نظره وقرأعلیه کتباً عدیدةً من الفنون المختلفة ولاسیّما کتب الحدیث فلااحصی عدد قراء تها علیه مرة بعد مرة حتی عاد مرجع الخلائق فی العلم والارشاد فاقرء الفنون برمتها ولا سیّما العلوم الحدیثیة مدة مدیدة فی المدینة المنورة تجاه من هو مبدأ الاحادیث ومنتها ها صلی الله علیه وسلّم

اور جلسہ گاہوں اور محرابوں کی زینت اور بزرگوں کے جانشین اور خدا شناس، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، اللہ ان کی عمر دراز کرے۔ حضرت موصوف نے اپنی عمر کا ابتدائی زمانہ حضرت شیخ الہندؒ کی نگرانی میں گزارا، یہاں تک کہ وہ ان کے کنبے کے فرد کی طرح تھے بلکہ انکی اولاد سے بھی زیادہ عزیز تر تھے۔ موصوف نے جو پڑھا وہ انہی کی زیر نگرانی پڑھا، گوناگوں علوم و فنون کی کتابیں خاص طور پر حدیث کی کتابیں، شیخ الہندؒ سے بار بار پڑھیں کہ میں انہیں گن کر نہیں بتا سکتا آخر کار وہ علم حدیث اور تربیت وطریقت میں مرجع خلائق بن گئے۔ سارے علوم پڑھائے خاص طور سے زمانۂ دراز تک مدینہ منورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے علوم حدیث کا درس دیا جو حدیثوں کا سرچشمہ اور مبدأ ومنتہا ہے۔

[2] مقدمۃ ابن الصلاح ومحاسن الاصطلاح۔ تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن ص: ۴۸۷، دارالمعارف القاہرہ، ۱۴۱۱ھ

اب تم مکہ معظّمہ جارہے ہو، وہاں حضرت (قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ) موجود ہیں ان سے عرض کرنا کہ وہ ذکر تلقین فرمائیں گے۔[1]

سفر حج کرتے ہوئے جبکہ اواخر ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ میں حاضری مکہ معظّمہ نصیب ہوئی تو جائے قیام پر اسباب وغیرہ منظم کرنے کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے یہاں صبح کو حاضر ہونے کی عزت نصیب ہوئی، موصوف اس وقت بہت ضعیف ہو گئے تھے، اکثر لیٹے رہتے تھے، صبح کو مثنوی شریف پڑھایا کرتے تھے، اس وقت پلنگ پر کچھ دیر بیٹھ جاتے تھے، مولانا محبّ الدین صاحب مرحوم اور مولانا شفیع الدین صاحب مرحوم اور چند حضرات حاضر درس ہوتے تھے، جب ہم سب مع والد مرحوم حاضر بارگاہ ہوئے تو حضرت قطب عالم نے بہت توجہ فرمائی، حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا سلام و پیام سن کر بہت خوش ہوئے اور دیر تک نہایت محبت سے تذکرہ فرماتے رہے اور فرمایا کہ تمنا ہے کہ ایک مرتبہ پھر زندگی میں ان سے ملاقات ہو جاتی۔

بالآخر ہم دونوں بھائی (سید احمد صاحب اور راقم الحروف) نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے ہم کو بیعت تو کر لیا تھا مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرت سے حاصل کر لینا تو آپ نے پاس انفاس کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ روز صبح کو آ کر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو چنانچہ جب تک مکہ معظّمہ میں رہنا ہوا حتی الامکان روز حاضر ہوتے رہے چونکہ زمانہ حج قریب تھا اس لیے جلد ہی وہ وقت آ گیا کہ جس میں عرفات، منٰی وغیرہ کا سفر ہوا، حج سے فارغ ہونے کے بعد پھر خدمت میں چند دنوں حاضری کا شرف حاصل ہوا، جب قافلہ حجاج اخیر عشرہ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ منورہ کو روانہ ہونے لگا تو خلاف معمول بعد از ظہر ہم تینوں کو حاضری کا شرف

---

[1] نقش حیات ص ۷۸ خودنوشت سوانح حیات (حضرت مولانا حسین احمد مدنی) شائع کردہ: الجمعیت پریس دہلی ۱۳۷۲ھ-۱۹۵۳ء

حاصل ہوا۔

حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تم کو اللہ تعالی کے سپرد کرتا ہوں ہم نے سکوت کیا تو فرمایا کہ کہو ہم نے قبول کیا ہم نے حسب تلقین عمل کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرمائی ہم نے رخصتی مصافحہ کیا اور پھر مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کچھ ایسی مشغولیتیں پیش آئیں
کہ تعلیم کردہ ذکر پر مداومت نہ ہو سکی، چند مہینہ کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کا ماہ جمادی الاولیٰ میں وصال ہو گیا۔[1]

حضرت حاجی صاحبؒ کی اجازت بزبانِ حضرت گنگوہیؒ

حضرت مدنیؒ کو طریقت میں اجازت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت گنگوہیؒ دونوں سے حاصل ہے حضرت مدنیؒ لکھتے ہیں:

اس بحری سفر میں، میں نے ایک شب کو خواب دیکھا کہ حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں مکہ معظّمہ میں حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا کہ تو جو کھجوریں مدینہ منورہ کی دے گیا ہے۔ اس کو آ کر تقسیم کر دے، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو آپ کے لیے لایا ہوں میرے یہاں تو ان کی دوکان ہے۔ تو فرمایا کہ "نہیں تو ان کو تقسیم کر دے، میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں کھجوریں کن دقتوں سے حاصل ہوتی ہیں اس خواب کو میں نے گنگوہ شریف پہنچ کر جب حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز سے ذکر کیا تو فرمایا کہ "تجھ کو حضرت حاجی صاحبؒ کے ہاں سے اجازت ہو گئی۔ میرے یہاں سے بھی ہو جائے گی۔ اس تعبیر پر میں شرمندہ ہو گیا کیونکہ میرے وہم وخیال میں بھی اس وقت اجازت حاصل کرنے کی طلب نہ تھی۔[2]

---

[1] نقش حیات ص ۷۹ تا ۸۰۔

[2] نقش حیات ص ۸۴۔

حضرت مدنیؒ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر:

حضرت انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۳۶ھ-۱۹۳۳ء) نے جب دارالعلوم دیوبند کو خیر باد کہا اور ڈابھیل، سورت چلے گئے، دارلعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کے منصب پر کسی امام فن کے تقرر کا مسئلہ پیش آیا، باوجودیکہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کا سیاسی مسلک جداگانہ تھا، لیکن دارالعلوم دیوبند کے مفاد کے پیش نظر، شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے منصب کے لیے موزوں ترین شخصیت ان کی نظر میں حضرت مدنیؒ ہی کی تھی اس لیے حضرت تھانویؒ نے انہی کے تقرر کی رائے دی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور آپ کے رفقاء کے استعفاء کے بعد حضرت شیخ الاسلامؒ کا تقرر بعہدہ صدر مدرسی دارالعلوم دیوبند میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے عمل میں آیا، اور حسب ذیل تجویز مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند قیدِ تحریر میں لائی گئی:

> حضرت مولانا حسین احمد کا تقرر بعہدہ صدر مدرس بمشاہرہ ما صــــ ۱۵۰ ماہوار تاریخ کارکردگی سے مجلس شوریٰ کو منظور ہے حضرت ممدوح کی اعلیٰ شخصیت اور تبحرِ علمی کے لحاظ سے مشاہرہ مذکور بالکل ناقابل ہے۔ مگر حضرت ممدوح کی اخلاص نیت و خدمت دارالعلوم کے جذبات سے ہم کو توقع ہے کہ حضرت ممدوح اس کو منظور فرما کر مجلس شوریٰ کو شکر گزاری کا موقع دیں گے اور دارالعلوم کی حالت پر اپنی توجہات اور اخلاق بزرگانہ سے نظرِ التفات فرما کر حسبتہ للہ پورے طور پر سنبھالنے کی کوشش فرمائیں گے، جیسا کہ حضرت ممدوح کے استاد بزرگ حضرت شیخ الہندؒ کا طریقہ عمل تھا۔

> فقط اشرف علی ۲۰ رجب ۱۳۴۶ھ ۱۹۲۸ء

کمترین جمیل احمد، محمد مسعود احمد، محمد حسن مراد آبادی، محمد اشفاق، احقر محمد اسحاق عفی عنہ، محمد عبد الرحمٰن مظہر حسن بقلم خود۔[1]

آمدم برسرِ مطلب!

اس عظیم شخصیت کی روایت حدیث کی "**یک ورقی سند اجازت**" پر جس کا مختصر عنوان "الاجازة المسندة لسائر الكتب و الفنون المتداولة" ہے، روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جس کے چشمہ فیض سے عرب وعجم سب ہی سیراب ہو رہے ہیں اور میرے علاوہ ان کے لائق شاگردوں [2] سے اور شاگردوں کے شاگردوں سے تشنگان علوم برابر اپنی علمی تشنگی دور کررہے ہیں۔ اسے ہر شاگرد ہر دلعزیز رکھتا، اس نسبت کو سرمایہ آخرت سمجھتا، اپنی تالیفات میں نقل کرتا، اس نسبت سے اپنی سند بھی شاگردوں کو دیتا ہے۔ حضرت مدنیؒ کے بعض شاگرد جب اپنے شاگردوں کو یہ سند دیتے ہیں۔ اس پر وظیفہ خوار طلبہ سے پچاس روپے کی رقم بھی مدرسہ کے نام سے وصول کرتے ہیں تو یہ بیچارے طلبہ زبان حال سے یہ صدا لگاتے ہیں۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

---

[1] حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ فرمائیے:

۱- الإزدياد السنى على اليانع الجنى (۱۹ تا ۲۳)　۲- نقش حیات　۳- تاریخ دار العلوم دیوبند
۴- ماہنامہ الرشید میرٹھ کا خاص نمبر　۵- نزھۃ الخواطر ۱۱۰/۸ تا ۱۲۱　۶- آپ بیتی
۷- اکابر دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں　۸- شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات　۹- الداعی خاص نمبر
۱۰- الجمعتیہ خاص نمبر　۱۱- اسیران مالٹا　۱۲- علماء دیوبند اور علم حدیث کی خدمات
۱۳- مشاہیر دار العلوم دیوبند　۱۴- علماء ہند کا شاندار ماضی　۱۵- کاروان احرار
۱۶- بیس بڑے مسلمان　۱۷- مشائخ دیوبند کی دوصد سالہ تاریخ تصوف　۱۸- الإعتدال فی مراتب الرجال
۱۹- تکملۃ الإعتدال　۲۰- علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے
۲۱- پاک بھارت کے علماء کے کارنامے شخصیات وکتب　۲۲- پرانے چراغ　۲۳- تشنیف الأسماع بشیوخ الإجازۃ والسماع ۱۷۰، ۱۷۱ حیات شیخ الاسلام، مقدمہ انوار الباری، (ان حوالوں کا تذکرہ صاحبِ الکلام المفید فی تحریر الأسانید نے اپنے مقالہ میں کیا ہے)

[2] چنانچہ ہندوستان اور پاکستان کے دو نامور عالم، ایک جامعہ علوم اسلامیہ، کراچی کے استاذ الحدیث اور بانی، معارف السنن کے مصنف علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور دوسرے دار العلوم کورنگی کراچی کے بانی ومؤسس مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع عثمانیؒ دیوبندی جنہیں حضرت مدنیؒ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے اور مؤخر الذکر کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ثبتِ شیوخ کی تدوین کی سعادت حاصل ہے چنانچہ موصوف نے سب سے پہلے "**الاذدیاد السنی علی الیانع الجنی**" میں حضرت شیخ الہند کی اسانید کو **الدر المنضود فی اسانید شیخ الهند محمود**، حضرت تھانویؒ کی اسانید کو "**الأعرف الحلی من اسانید الشیخ اشرف علی**"، حضرت مدنی کی اسانید کو **سلسلہ الزبرجد فی اسانید الشیخ حسین احمد**، اور حضرت انور شاہ کی اسانید کو **المسلک الاذفر من اسانید الشیخ محمد انور**، کے نام سے عربی میں مرتب ومدوّن کیا ہے۔

میرے علم میں نہیں کہ کسی دانشور و محقق نے حضرت مدنیؒ کی مذکورہ بالا سند پر روشنی ڈالی ہو ان وجوہ سے میں نے اس مختصر سند کو اپنے اس مقالے کا موضوع بنایا ہے۔

اس مختصر سند کے حسب ذیل تین اجزاء ہیں۔

﴾پہلا جز﴿ حمد و ثنا اور صلوۃ و سلام پر مشتمل ہے۔ جو نزالا پر کشش اور عربی ادب کا شہ پارہ ہے۔

﴾دوسرا جز﴿ ہندوستان کے نامور محدثین و مسندین کی اسناد پر مشتمل ہے اس میں علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہرین کے سلسلہ اسناد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ جن علماء سے علوم متداولہ کے تلمذ کا سلسلہ قائم ہے وہ بھی ارباب زہد و تقوی ہیں اور سلسلۂ طریقت کے آفتاب و ماہتاب ہیں، جیسا کہ ضیاء القلوب کی عبارت سے عیاں ہے اور انہی وجوہ سے اس سند میں اس پہلو کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے اور حدیث و فقہ اور کلام میں ان کے فتوے چھپے ہوئے موجود ہیں۔ حدیث میں ان کی درسی تقریریں سب ہی زیور طبع سے آراستہ ہیں اور ان کے کمال فن پر شاہد عدل ہیں۔

﴾تیسرا جز﴿ حجاز کے حنفی و شافعی نامور مسندین کی عالی سند سے آراستہ ہے۔ ان شخصیات کی جلالت شان، زہد و تقوی، تحقیقی و علمی خدمات کے نور سے عالم منور ہو رہا ہے۔ اپنے اساتذہ کے ناموں کو حضرت مدنیؒ نے جس ترتیب سے سند میں ذکر کیا ہے اسی ترتیب سے ان کی علمی خدمات کا مختصر تذکرہ ہدیۂ قارئین ہے جو سند کی اہمیت و عظمت کا شاہد ہے۔ یہ سند بلا شبہ بہت مختصر ہے ان میں اپنے شیوخ کی صفات میں سے بھی ناگزیر صفات کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔

☆ ماخذ و ثبت شیوخ میں بھی ''الیانع الجنی''، ''القول الجمیل'' اور ''حصر الشارد'' کا نام لیا ہے اور وغیرہ کا لفظ بڑھا کر دوسرے اثبات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

☆ اس میں صوفیانہ صفات کا زیادہ اہتمام کیا جو چشتیت وخشیتِ الٰہی کا مظہر ہے۔

☆ عالی سند کی طرف اشارہ تک نہیں کیا بلکہ جس سند میں زیادہ واسطے آئے ہیں اسے نقل کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ فقہا محدثین کی سند ہے جس میں واسطے زیادہ ہونے کی وجہ سے سند نازل ہوتی ہے لیکن

تفقہ کی وجہ سے محدثین کے ہاں شیوخِ حدیث کی سند سے جس میں واسطے کم ہوتے ہیں عالی سمجھی جاتی ہے۔[1]

☆ صوفیہ کے یہاں کثرت وسائط زیادہ بہتر سمجھے جاتے ہیں اس لیے کہ صوفیہ کے یہاں واسطوں کی کثرت باعث برکت وعظمت سمجھی جاتی ہے [2] اور حضرت مدنیؒ کا سلسلہ سند اس امر کا شاہد عدل ہے حضرت مدنیؒ تعلق مع اللہ میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے اس لیے اس سند میں روحانی رشتے کا زیادہ اہتمام پایا جاتا ہے۔

☆ جن فقہا محدثین کا اس سند میں نام آیا ہے۔ان میں مولانا خلیل احمدؒ ''صاحب بذل المجہود'' کی جوسند مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ عن الشاہ محمد اسحاق عن الشاہ عبدالعزیز ہے۔شیخ الہندؒ کے سلسلۂ سند سے اس کا سلسلہ سند عالی ہے۔اس لیے کہ اس میں شاہ محمد اسحاق تک صرف دو واسطے ہیں جبکہ شیخ الہندؒ کی سند میں تین واسطے ہیں۔

اکابر دیوبند کے طبقہ میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی سندیں عالی ہیں،وہ عمر اور طبقہ میں ان سے بڑے تھے،حضرت مدنیؒ شیوخ حجاز کی سند میں،شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے بدوواسطہ روایت کرتے ہیں اور یہ سند ان کی بہت عالی ہے۔ملا عابد سندھیؒ (۱۲۵۷ھ) سے بھی بدوواسطہ روایت کرتے ہیں اس لیے ان کی یہ سند بھی عالی ہے۔حضرت مدنیؒ ان حجازی شیوخ کے واسطے سے حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ہمسر ہو جاتے ہیں۔

---

[1] چنانچہ امام وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ) احادیث میں فقہاؒ کی سند کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ خطیب بغدادیؒ ''الکفایہ'' میں لکھتے ہیں کہ علی بن خشرم سے منقول ہے کہ ''ان دوسندوں'' اعمش عن ابی وائل عن عبداللہ......اور سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہؓ میں سے کون سی سند تمہیں زیادہ اچھی لگتی ہے ہم نے کہا اعمش عن ابی وائل...... (زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتی ہے) وکیعؒ نے فرمایا سبحان اللہ عجیب بات کی ہے اعمش بھی محدث ہیں اور ابو وائل بھی محدث ہیں اور سفیان فقیہ ہیں منصور فقیہ ہیں۔ابراہیم فقیہ ہیں اور علقمہ فقیہ ہیں اور جو حدیث فقہا کی سند سے آئے وہ محدثین کے سلسلۂ سند سے بہتر اور عالی ہے (الکفایہ فی علم الروایہ،خطیب بغدادی ص:۴۳۶)

[2] محبی نے احمد بن علی شناویؒ (م ۱۰۲۸ھ) کی بہت مفید باتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک فائدہ ہدیہ قارئین ہے:

ومن فوائده (اى الشناوى) ......و فى اسانيد نا الاولىٰ كثرة الرجال بخلاف اسانيد المحدثين فالمراد فيهاقلة الرجال لسهولة النقد والمرادهنا كثرة الرجال لتقوى المدد وتعظيم السند فان للمتقدم علىٰ المتأخر زيادة وله عليه امداد و افادة (خلاصة الاثر للمحبّى ١/٢٤٤)

ورصوفیہ کے سلسہ میں کثرت وسائط زیادہ اچھا ہے اور محدثین کی سندوں میں کم واسطے زیادہ بہتر ہوتے ہیں کیونکہ راویوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے نقد وجرح میں سہولت ہوتی ہے اور طریقت کی سند میں رجال کی کثرت زہد وتقویٰ کا باعث ہوتی ہے اور سند کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔کیونکہ متقدم کو موخر پر فضیلت ہوتی ہے اور اسکی مدد موخر کے شامل حال ہوتی ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اسانید کا اجمالی خاکہ

۱۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن محمد قاسم النانوتویؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۲۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن محمد قاسم النانوتویؒ عن احمد علی سہارنپوریؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۳۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن رشید احمد الگنگوہیؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۴۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن رشید احمد الگنگوہیؒ عن احمد علی سہارنپوریؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۵۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہندؒ عن مظہر النانوتوی .... عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

۶۔ الشیخ حسین احمدؒ عن شیخ الہند عن القاری عبدالرحمان الفانی فتیؒ .... عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

۷۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ عبدالعلی عن قاسم النانوتوی عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۸۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ خلیل احمدؒ عن قاسم النانوتویؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۹۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ خلیل احمدؒ عن رشید احمد الگنگوہیؒ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ تین واسطے

۱۰۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیخ خلیل احمدؒ عن عبدالقیوم البدھانویؒ .... عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

۱۱۔ الشیخ حسین احمدؒ عن الشیوخ الحجازیین الاربعۃ رحمہم اللہ عن الشاہ عبدالغنیؒ عن الشاہ محمد اسحاقؒ دو واسطے

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور عرب تلامذہ

۱۔ مولانا احمد بساطیؒ (مدینہ طیبہ میں نائب قاضی رہے)

۲۔ محمود عبد جوادؒ (مدینہ منورہ کی میونسپلٹی کے چیئر مین)

۳۔ مولانا عبدالحفیظ کردیؒ (مدینہ میں ہائی کمانڈ کے رکن)

۴۔ مشہور الجزائری عالم اور مجاہد شیخ بشیر ابراہیمیؒ [۱]

۵۔ ابوتراب علی بن عبدالحق ظاہریؒ [۲]

---

[۱] ماخوذ از ''بیس بڑے مسلمان'' ص ۴۶۶

[۲] **ابوتراب ظاہری (مولود ۱۳۴۳ھ)**

علامہ، محدث، لغوی...... ابوتراب (موصوف کے تین نام ہیں'' علی، عمر، عبدالجلیل'') ابن عبدالحق بن عبدالواحد بن محمد ہاشم ہاشمی، عمری، ہندی۔ اپنی کنیت سے مشہور ہیں

موصوف مختلف لغات عربی، فارسی، اُردو اچھی طرح جانتے ہیں۔

موصوف نے اکثر علماء حرمین شریفین سے اور جو حرمین شریفین میں دوسری جگہ سے آنے والے علماء تھے ان سے تعلیم حاصل کی۔

لغت، ادب اور سیرت وغیرہ دیگر فنون میں تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

(۱) الآثار المقتفی لقصة هجرة المصطفی، مطبوعہ دارالقبلہ جدّہ ۱۴۰۵ھ

(۲) أصحاب الصفه، مطبوعہ دارالقبلہ ۱۴۰۴ھ

موصوف کا ضخیم کتب خانہ جو مطبوعات اور مخطوطات کے مصادر اصلیہ سے مالا مال ہے اور تمام اطراف واکناف سے طالب علم استفادہ کے لئے وہاں آتے ہیں۔

۶۔ حافظ محمد بن موسیٰ بن حمیدؒ (۱۳۳۵ھ- ۱۴۱۸ م)

۷۔ محمد زہیر بن مصطفیٰ شاویشؒ (مولود ۱۳۴۴ھ)

۸۔ عبدالکریم بن عبداللہ مرغینانیؒ

۹۔ ابوبکر بن احمدؒ

۱۰۔ محمد یاسین فادانیؒ [۱] (۱۳۳۵ھ-۱۴۱۰ھ)

۱۱۔ ابراہیم ختنیؒ (۱۳۱۴ھ ، ۱۳۸۹ھ)

---

[۱] **محمد یاسین فادانی (۱۳۳۵ھ-۱۴۱۰ھ)**

شیخ علامہ بلند مرتبے والے مختلف علوم کے ماہر، معاصرین میں ممتاز، دین کی نشانی، محمد یاسین بن محمد عیسیٰ بن فادانی مکی شافعی اصلاً انڈونیشی تھے۔
مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے قرآن مجید حفظ کیا اور عربی وفقہ کے ابتدائی علوم پڑھے اور علم تو حید اور فنِ فقہ، نحو، فرائض اور مصطلح کے متداول متون زبانی یاد کیئے۔ اسی مدرسہ اور حرم شریف میں دار العلوم دینیہ سے فراغت کے بعد اسی میں مختلف علوم وفنون کی تدریس میں مشغول ہوئے چنانچہ حدیث اور فقہ شافعی اور اصول فقہ شافعی اور قوائد الفقہ اور نحو، صرف اور بلاغت اور علم فلکیات میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔
موصوف کو فن اسناد اور فن روایتِ حدیث میں کامل دسترس حاصل تھی۔ موصوف نے نفع بخش اور علمی تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں جن میں اکثر چھپ گئی ہیں۔ چند ایک کے نام مندرجہ ذیل ہیں

۱. بغیته المشتاق شرح لمع الشیخ ابی اسحاق (دو جلدیں)
۲. تعلیقات علی شرح منظومه الزمزی(فی اصول التفسیر)
۳. طبقات الشافعیه الصغریٰ
۴. طبقات الشافعیه الکبریٰ

اسانید کے موضوع پر موصوف کی ۶۵ تصانیف ہیں۔ موصوف کے بعض تلامذہ نے ان کی اسانید کی تخریجات لکھی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ **اعلام القاضی والدانی ببعض ماعلا من اسانید الفادانی** جمع کردہ شیخ محمود سعید ممدوح قاہری (شائع ہو چکی ہے)

۲۔ **بلوغ الامانی فی التعریف بشیوخ و اسانید مسند العصر الشیخ محمد یاسین الفادانی** (جمع کردہ محمد مختار الدین شافعی متوفی ۱۴۱۱ھ یہ ۹ جلدوں میں ہے جن میں سے ۳ جلدیں چھپ گئی ہیں)

۳۔ **تشنیف الاسماع بشیوخ الاجازة والسماع** (جمع کردہ محمود سعید قاہری پہلے دار الشباب قاہرہ سے ۱۴۰۴ھ میں چھپی تھی پھر دار البشائر سے ۱۴۲۱ھ میں چھپی) (معجم المعاجم والمشیخات ۳/۱۸ تا ۶۸)

(ماخوذ از: **معجم المعاجم والمشیخات**، اعداد: یوسف عبدالرحمان المرعشلی، مکتبہ الرشد، الریاض طبعہ اولیٰ ۱۴۲۳ھ)

شیوخِ سند:

حضرت مدنیؒ کی سندِ حدیث میں شیوخِ حدیث کے اسمائے گرامی جس ترتیب پر مذکور ہیں اسی ترتیب پر ان کے حالات کو بیان کیا جاتا ہے، وہ ترتیب حسبِ ذیل ہے:

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

۲۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۳۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

۴۔ مولانا مملوک علی نانوتویؒ

۵۔ مفتی صدر الدین دہلویؒ

۶۔ مولانا رشید الدین دہلویؒ

۷۔ شاہ عبدالغنی دہلویؒ

۸۔ مولانا احمد سعید دہلویؒ

۹۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ

۱۰۔ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ

۱۱۔ ملاّ محمد عابد سندھیؒ

۱۲۔ مولانا مظہر نانوتویؒ

۱۳۔ مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ

۱۴۔ مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ

۱۵۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

۱۶۔ شیخ حسب اللہ مکّی شافعیؒ

۱۷۔ شیخ عبدالجلیل برّادہؒ

۱۸۔ مفتی عثمان بن عبدالسلام داغستانیؒ

۱۹۔ شیخ احمد بن اسماعیل برزنجی

---

[۱] تاہم یہاں شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے حالات بیان نہیں کئے گئے کیونکہ ان دونوں حضرات کے تفصیلی حالات راقمِ سطور نے اپنی کتاب "فوائدِ جامعہ" (شائع کردہ: نور محمد کارخانہ تجارتِ کتب، کراچی ۱۹۸۳ء) میں بیان کردیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، فوائدِ جامعہ، ص ۲۷۶-۲۸۲ (۲) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، فوائدِ جامعہ، ص ۲۶۹-۲۷۶

﴿ ۱ ﴾ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی (۱۲۶۸ھ-۱۳۳۹ھ/۱۸۵۱ء-۱۹۲۰ء)

شیخ الہند مولانا محمود حسن بن ذوالفقار علی عثمانی دیو بندی ۱۸۹۱ء بریلی میں پیدا ہوئے نشو ونما دیو بند میں پائی۔ سید احمد دہلوی (المتوفی ۱۳۰۷ھ) اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (۱۲۴۷ھ -۱۳۰۲ھ) سے پڑھا اور مولانا قاسم نانوتویؒ سے تعلیم وتربیت پائی اور ایک مدت دراز تک ان کی صحبت میں رہے اور ممتاز عالم بن گئے۔ ۱۲۹۲ھ میں دارالعلوم دیو بند میں پڑھانا شروع کیا۔ حضرت گنگوہیؒ سے خلافت پائی ۔مولانا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ نے موصوف کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے۔ [۱]

''الشیخ العالم الکبیر العلامه المحدث. اعلم العلماء فی العلوم النافعة واحسن المتأخرین ملکة فی الفقه واصوله وأعرفهم بنصوصه وقواعده.''	شیخ ،بڑے عالم، علامہ ،محدث، نفع بخش علوم میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ فقہ واصول فقہ میں متاخرین علماء میں سب سے اچھا اور صحیح ملکہ رکھتے تھے اور نصوص فقہ اور اس کے قواعد کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

مولانا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ اپنا مشاہدہ و تأثر بیان کرتے ہیں:

''میں موصوف سے بار بار ملا ہوں انہیں میں نے عبادت کرتے ،تہجد پڑھتے اور نقل روایت میں درست پایا، بات کی تہہ تک جلد پہنچنے والا دیکھا، علمی مذاکرے سے بہت رغبت رکھتے ،فقہ واصول فقہ سے پوری طرح باخبر تھے ،متون حدیث انہیں از بر تھے۔ آخری عمر میں تدریس وفتوی میں سیادت وقیادت انہی پر ختم تھی۔ ۱۳۰۵ھ میں دارالعلوم دیو بند میں درس وتدریس وافتاء کی سیادت انہیں ملی۔ یہاں ۱۳۳۲ھ تک پڑھایا۔ ۲۷ برس حدیث پڑھائی پھر حج کے لئے گئے اور ۱۳۳۵ھ میں حجاز سے گرفتاری کے بعد انہیں مالٹا بھیجا گیا۔ ۳ سال اور چند ماہ وہاں رہے پھر رہائی ہوئی ۱۳۳۸ھ میں ہندوستان آئے اور ۱۳۳۹ھ میں وفات پائی۔''

مولانا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ موصوف کے متعلق نزہۃ الخواطر میں رقم طراز ہیں: [۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ۴۶۵/۸

[۲] نزہۃ الخواطر، ۴۶۵/۸

كان محمودحسن آية باهرة فى علوّ الهمة وبعدالنظر والأخذ بالعزيمة وحبّ الجهاد فى سبيل الله، قد انتهت اليه الامامة فى العصر الاخير فى البغض لا عدآء الإسلام والتشديد عليهم مع ورع وزهادة واقبال إلى الله بالقلب والقالب والتواضع والإيثار على النّفس،وترك التكلّف وشدّة التقشّف والانتصار للدين والحق وقيام فى حق الله وكان دائم الإبتهال وقوى التّوكل ثابت الجأش سليم الصّدر جيدالتّفقه، جيدالمشاركة فى جميع العلوم العقلية والنقليّة مطلعاً على التّاريخ ،كثير المحفوظ فى الشعر والأدب، صاحب قريحة فى النظم، واضح الصّوت، موجزالكلام فى انضمام وبيان، تمتاز دروسه بالوجازة والدقة والإقتصار على اللب، كثير الأدب مع المحدثين والأئمة المجتهدين لطيفاً فى الرّدّ والمناقشة .... وكان قليل الاشتغال بالتاليف بالنسبة إلٰى غزارة علمه وكثرة درسه ، له تعليقات لطيفة علٰى سنن أبى داؤد.[1]

مولانا محمودحسن رحمۃ اللہ علیہ عالی ہمتی، دقت نظر، عزیمت پرعمل پیرا اور جہاد فی سبیل اللہ کی لگن میں ممتاز تھے۔ متقی و پارسا تھے اس آخری زمانے میں دل وجان سے اللہ کی طرف نظر رکھتے تھے، تواضع وانکساری میں دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے بناوٹ وتکلف سے دور رہنے میں زہدانہ طرز زندگی، دین وحق کی نصرت، حقوق اللہ کی ادائیگی میں اسلام کے دشمنوں سے بغض اور ان پر سختی کرنے کی امامت ان پر ختم تھی اور اللہ کے سامنے ہمیشہ گڑگڑانے والے، توکل کے پکے، بڑے حوصلے والے، دل کینہ وکدورت سے پاک رکھنے والے سلیم الصدر تفقہ میں پختہ، تمام علوم نقلیہ وعقلیہ میں ماہر، تاریخ سے باخبر، شعروادب کا وافر حصّہ محفوظ رکھنے والے، نظم میں انشاء پرداز، واضح آواز رکھنے والے اور تقریر و بیان میں مختصر ذومعنی بات کرتے تھے۔ ان کے اسباق اختصار وایجاز کا نمونہ تھے باریکی اور پُرمغز بحث پر اکتفا کرنے میں ممتاز تھے۔ محدثین اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ انتہائی ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، بحث ومناظرہ میں بہت لطیف انداز اختیار کرتے تھے اپنی وسعت علمی اور کثرت دروس کی بہ نسبت تصنیف وتالیف کیجانب انکامیلان کم تھا، سنن ابوداؤد پران کی لطیف تعلیقات ہیں۔

[1] نزہۃ الخواطر، ۸/ ۴۶۹

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے انہی صفات سے حضرت مدنیؒ آراستہ تھے۔

شیخ الہند کی علمی خدمات:

۱- شیخ الہند کی جامع ترمذی پر تقریر "**التقریر للترمذی**" کے نام سے ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک میں شائع ہوئی اور ہندوستان میں موصوف کی درسی تقریر مولانا سید اصغر حسینؒ (۱۲۹۴ھ-۱۳۶۴ھ) نے اردو میں "**الورد الشذی**" کے نام سے شائع کی تھی۔ پاکستان میں اسے ''معہد الخلیل الاسلامی'' کراچی نے ۱۴۱۶ھ میں شائع کیا ہے۔

۲- سنن ابی داؤد کی تصحیح اور عربی میں ان کی تعلیقات مقدمہ کے ساتھ مطبع مجتبائی دہلی سے عبدالاحد نے ۱۳۱۸ھ میں شائع کی تھی، اس کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں بھی محفوظ ہے، چنانچہ دوسری جلد کے آخر میں جو اشتہار محمد عبدالاحد مالک مطبع مجتبائی نے جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ میں دیا ہے۔ اس میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ حسب ضرورت اکثر مقامات پر مفید حواشی تحریر کئے ہیں۔

۳- النور الساری علیٰ صحیح الامام البخاری یہ شیخ الہند کی وہ امالی ہے جسے ان کے شاگرد مشتاق احمد پنجابی نے مطبعۃ العلوم سے ۱۳۸۲ھ میں پہلی مرتبہ شائع کی تھی۔

۴- گوہر محمودی، صحاح ستہ پر اردو میں شیخ الہند کی درسی تقریروں کا مجموعہ ہے اور یہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو گیا ہے۔ اس کا ایک زیادہ صاف نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور ایک نسخہ قاری سید محمد شریف تھانوی کے پاس محفوظ ہے اور اسے ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ بہت مفید کام ہے۔

۵- بخاری شریف کے تراجم ابواب پر ''**الابواب والتراجم**'' کے نام سے ان کا مختصر رسالہ اردو میں موجود ہے جس پر مولانا عزیر گلؒ اور حضرت مدنیؒ کے پیش لفظ ''نبذۂ احوال'' کے عنوان سے مطبع الامان اخبار نگینہ میں طبع ہوا تھا۔

۶- حضرت شیخ الہند نے ایک اور اہم کام ایسا کیا جس پر کسی نے نظر نہیں کی کہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمۂ قرآن میں ایسے قدیم الفاظ کی جگہ جن کا استعمال امتدادِ زمانہ کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تھا،

متداول الفاظ استعمال کیئے۔ اس کی داستان حضرت شیخ الہند کی زبانی سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ!

چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیر الٰہی سے یہ بات دل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا افضل ومقبول ومفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ نہ ہوجائے۔ یہ کس قدر ناقدردانی اور بدقسمتی بلکہ کفران نعمت ہے اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے اور عذر بھی وہ جس میں ترجمہ کا کوئی قصور نہیں۔ اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے۔ اگر دیکھنے والے غور سے دیکھیں اور جو غور کے بعد سمجھ میں نہ آئے اس کو جاننے والوں سے دریافت کریں تو پھر سب کام سہل ہوجائے چنانچہ حضرت ممدوحؒ نے خود شروع میں لکھ دیا ہے کہ قرآن شریف کے معنٰی بغیر سند کے معتبر نہیں اور بغیر استاد کے معلوم نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں عوام کو یہ دشواری تو سب ترجموں میں پیش آتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں کچھ زیادہ سہی۔

اس ننگ خلائق کو یہ خیال ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ممدوح کے مبارک مفید ترجمہ میں لوگوں کو جو دو خلجان ہیں یعنی (۱) بعض الفاظ ومحاورات کا متروک ہوجانا۔ (۲) دوسرے بعض بعض مواقع میں ترجمہ کے الفاظ کا مختصر ہونا۔ جو اصل میں تو ترجمہ کی خوبی تھی مگر ابنائے زمانہ کی سہولت پسندی اور مذاق طبیعت کی بدولت اب یہاں تک نوبت آ گئی کہ جس سے ایسے مفید وقابل قدر ترجمہ کے متروک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ سو اگر غور واحتیاط کے ساتھ ان الفاظ متروکہ کی جگہ الفاظ مستعملہ لے لئے جائیں اور اختصار واجمال کے موقعوں کو تدبر کے ساتھ کوئی لفظ مختصر زائد کر کے کچھ کھول دیا جائے تو پھر انشاء اللہ حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ صدقہ فاضلہ بھی جاری رہ سکتا ہے اور مسلمانان ہند بھی اس کے فوائد مخصوصہ سے خالی نہ رہ جائیں گے۔ اس مضمون کو سوچ سمجھ کر جو اپنے مکرمین مخلصین کی خدمت میں پیش کیا اُن حضرات نے بھی اس عاجز کی

رائے سے اتفاق ظاہر فرمایا۔ اور یہی بات دل نشین ہوگئی کہ مستقل ترجمہ سے یہ امر زیادہ مناسب اور مفید ہے کہ موضح قرآن میں جو شکایت پیدا ہوگئی ہے اس کے رفع کرنے میں کوشش کی جائے۔

جب یہاں تک نوبت پہنچ چکی تو یہ عاجز بنام خدا اس خدمت کے انجام دینے کے لئے تیار ہو بیٹھا گویا دوشالہ میں کمبل سے جگہ جگہ رفو کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جب ایک ثلث قران کا ترجمہ کر چکا تو بوجہ بعض عوارض ایسا طول طویل حرج پیش آیا کہ ترجمہ کی تکمیل کی توقع بھی دشوار ہوگئی۔ مگر بتوفیق الٰہی عین ایام حرج میں اتنا اطمینان نصیب ہوگیا کہ ترجمہ موصوف باطمینان ۱۳۳۶ھ میں پورا کرلیا۔

ان ربی لطیف لما یشاء، والحمدللّٰہ۔

اب حق تعالیٰ کو منظور ہے تو انہی احباب مکرمین کی خدمت میں اس ترجمہ کو پیش کرکے تفصیلی نظر کی درخواست کرینگے۔ اگر ہماری یہ پیوند کاری ان حضرات کے نزدیک مفید اور مناسب سمجھی گئی تو انشاءاللہ شائع بھی ہوجائے گا ورنہ مجبوراً جہاں ہے وہیں رہے گا۔ ـــ

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر   میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا[۱]

شیخ الہندؒ نے یہ ایسی خدمت انجام دی ہے جس سے یہ ترجمہ یادگارِ پارینہ ہونے سے محفوظ ہوگیا۔

ذلك فضل اللّٰه یؤ تیه من یشاء

۱۲۹۴ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمدؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ، مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا احمد حسن کانپوریؒ وغیرہ کے ساتھ حج کیا اور مکہ میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور علامہ رحمت اللہ بن خلیل الرحمان کیرانویؒ کی صحبت حاصل رہی اور مدینہ منورہ میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے خوب استفادہ کیا۔ پھر ۱۳۳۳ھ میں حج کیا اور

[۱] مقدمہ ترجمہ قرآن، شیخ الہندؒ مع تفسیر عثمانیؒ ص ۲، شائع کردہ دارالتصنیف صدر، کراچی، ۱۹۷۵ء

۱۳۳۴ھ میں بخاری پڑھائی۔[۱]

﴿ ۲ ﴾ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۲ھ-۱۲۹۷ھ/۱۸۳۲ء-۱۸۸۰ء)

مولانا محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ صدیقی نانوتویؒ، نانوتہ میں پیدا ہوئے اور نوعمری میں سہارنپور آئے، ابتدائی کتابیں شیخ محمد نواز سہارنپوریؒ سے پڑھیں دہلی کا سفر کیا وہاں مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے علوم کی تکمیل کی۔ پھر شاہ عبدالغنی ؒ سے حدیث شریف پڑھی اور خاصی مدت تک ان کے پاس ٹھہرے رہے، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت پائی۔حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا۔ اس سفر میں مولانا یعقوب نانوتویؒ اور دیگر رفقاء آپ کے ہمراہ تھے......حج کیا اور......حرم نبوی کی زیارت کی۔ اس سفر میں قرآن پاک یاد کیا۔ ہندوستان واپس تشریف لائے۔ ''میرٹھ'' میں قیام فرمایا اور اس دوران محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق مئی ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ ۱۲۸۵ھ میں دوبارہ حج وزیارت کی سعادت حاصل کی۔ ہندوستان آ کر میرٹھ میں قیام فرمایا۔ ۱۲۹۷ھ میں دیوبند میں وفات پائی۔

صاحبِ نزہۃ الخواطر نے موصوفؒ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

الشیخ الإمام العالم الکبیر..........احد العلماء الربّانیّین...... أخذ الطریقة عن الشیخ امدادالله العمری التهانوی وصحبه واستفاض منه فیوضاً کثیرةً، واشتغل فی المطبعة الأحمدیه بدهلی للشیخ أحمدبن لطف الله السهارنفوری، وکان الشیخ فی ذٰلک الزمان مجتهداً فی تصحیح

موصوف شیخ، امام اور بڑے عالم تھے، علماء ربانی میں سے ایک تھے حاجی امداداللہ عمری تھانویؒ سے راہ سلوک طے کی اور ان کی صحبت میں رہے، بہت فیض حاصل کیا۔ شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری کے مطبع احمدی دہلی میں کتابوں کی تصحیح کی۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اس وقت صحیح بخاری کی تصحیح اور حاشیہ لکھنے میں مصروف تھے۔

[۱] حضرت شیخ الہندؒ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ حیات شیخ الہندؒ ۲۔ اسیر مالٹا ۳۔ العناقید الغالیة ۴۔ تاریخ دارالعلوم
۵۔ مشاہیر دارالعلوم ۶۔ ماہنامہ الرشید خاص نمبر ۷۔ الداعی خاص نمبر ۸۔ اسیرانِ مالٹا
۹۔ کاروانِ احرار ۱۰۔ تحریک ریشمی رومال ۱۱۔ تحریک شیخ الہندؒ ۱۲۔ علماء ہند کا شاندار ماضی
۱۳۔ بیس بڑے مسلمان ۱۴۔ مجموعہ مقالات علی الشیخ الہندؒ ۱۵۔ مقدمہ انوار الباری ۱۶۔ علماء دیوبند اور علم حدیث کی خدمات
۱۷۔ فقہ اہل العراق وحدیثہم ۱۸۔ یتیمة البیان ۱۹۔ مقدمہ ترجمہ قرآن الکریم شیخ الہندؒ
۲۰۔ حالاتِ بزرگان دین ۲۱۔ اکابرین دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں

”صحیح البخاری“ و تحشیته،ففوض الیه خمسة أجزاء من آخر ذٰلک الکتاب و کانت تلک الاجزاء عسیرة سیما فی مقامات اورد فیها البخاری علی ابی حنیفة فبذل جهده فی تصحیح الکتاب وتحشیته وبالغ فی تأیید المذهب حتّٰی استوفٰی حقه وکان أزهد الناس وأعبدهم واکثرهم ذکراً ومراقبةً وأبعدهم عن زیّ العلماء ولبس المتفقّهة من العمامة وطیلسان و غیرهما وکان فی ذٰلک الزمان لایفتی ولا یذکّر بل یشتغل فی ذکر الله سبحانه و مراقبته حتی فتحت علیه ابواب الحقائق والمعارف فاستخلفه الشیخ امدادالله المذکور ومدحه بانّ مثل القاسم لایوجد الاّ فی العصر السالف ثمّ تزوّج بأمره الشریف وصعدالمنبربتکلیف الشیخ مظفربن محمودالکاندهلوی فذکّر احسن تذکیر[1]

صحیح بخاری کے آخری پانچ پارے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سپرد کئے، یہ آخری پانچ پارے نہایت مشکل تھے خصوصاً وہ مقامات جن میں امام بخاریؒ نے امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کئے ہیں۔موصوف نے کتاب کی تصحیح وتعلیقات اور حنفی مذہب کی تائید ایسی محنت سے کی کہ اس کا حق ادا کردیا۔حضرت نانوتویؒ، حاجی صاحب کے مریدوں میں بہت زیادہ عابد، زاہد تھے، موصوف کا زیادہ وقت یادِالٰہی اور مراقبہ میں گزرتا تھا علماء کے لباس اوران کی وضع قطع عمامہ چادر وغیرہ کے تکلفات سے بہت بچتے رہتے تھے موصوف ابتدا میں نہ فتویٰ دیتے تھے اور نہ وعظ ونصیحت کرتے تھے بلکہ اللہ جل شانہٗ کے ذکر و مراقبہ میں مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے معارف اور حقائق کے دروازے ان پر کھول دیئے حضرت امداداللہؒ جن کا تذکرہ اوپر آیا ہے انہوں نے ان کو خلافت سے سرفراز کیا اور موصوف کی یوں تعریف کی ...... قاسم جیسے لوگ پہلے زمانے میں ہی پائے جاتے تھے پھر آپ نے حاجی امداداللہؒ کے حکم سے شادی کی اور شیخ مظفر بن محمود کاندھلوی کے حکم سے ممبر پر تشریف لائے اور خوب بیان کیا۔

متعدد تصانیف موصوف سے یادگار ہیں۔[2]

﴿۳﴾ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴ھ-۱۳۲۳ھ/۱۸۲۶ء-۱۹۰۵ء)

۱۲۴۴ھ میں گنگوہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی کتابیں دہلی میں پڑھی تھیں پھر یہیں مولانا مملوک علی سے علوم وفنون کی تحصیل کی۔

الشیخ الامام العلامة المحدث رشیداحمد بن هدایت — شیخ ،امام علامہ محدث، رشید احمد بن ہدایت

---

[1] نزھۃ الخواطر، ۷/۳۸۳

[2] مزید حالات کے لیئے ملاحظہ فرمائیں:-

۱- نزھۃ الخواطر، ۷/۳۸۲-۳۸۴ ۲- سوانح قاسمی ۳- تاریخ دارالعلوم دیوبند ۴- علماءِ ہند کا شاندار ماضی
۵- سیرتِ یعقوب ومملوک ۶- تذکرہ قاسمی ۷- سیرت بانیٔ دارالعلوم
۸- قاسم العلوم والخیرات اپنے معاصر تذکرہ نگاروں کی نظر میں

مولانا سید عبدالحی لکھنویؒ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:[1]

احمد........ أحد العلماء المحققين، والفضلاء المدققين لم يكن مثله في زمانه في الصدق والعفاف والتوكل والتفقه والشهامة والاقدام في المخاطر، والصلابة في الدين والشدة في المذهب، قرأ الحديث والتفسير أكثرها على الشيخ عبدالغني وبعضها على صنوه الكبير أحمد سعيد الدهلوى اخذ الطريقة عن الشيخ الاجل إمدادالله وكان قبل سفر الحجاز في المرة الثالثة يقرئ في علوم عديدة عن الفقه والاصول والكلام والحديث والتفسير وبعدالعود من الحجاز في المرة الآخرة أفرغ اوقاته لدرس الصحاح الستة والتزم أن يدرسها في سنة واحدة وكان يقرئ جامع الترمذي أولاً ويبذل جهده فيه في تحقيق المتن والإسناد ودفع التعارض وترجيح أحد الجانبين وتشييد المذهب الحنفي. ثم يقرئ الكتب الأخر........ مع بحث قليل

احمد ...... محقق علماء، دقیق نظر فضلاء میں یگانہ تھے، راست گوئی وفقہی بصیرت، روشن ضمیری و خودداری فہم و فراست اور خطرات میں کود پڑنے اور دین میں پختگی اور مذہب و مسلک میں پابندی و سختی میں ان جیسا نہیں دیکھا گیا حدیث وتفسیر، زیادہ تر شیخ عبدالغنی سے حاصل کی اور کچھ شاہ عبدالغنی کے بڑے بھائی مولانا احمد سعید دہلوی سے پڑھی سلوک وطریقت میں حاجی امداداللہ صاحبؒ سے خلافت پائی ۔موصوف تیسری مرتبہ حجاز کے سفر میں جانے سے پہلے مختلف علوم وفنون، فقہ، اصول فقہ، کلام، حدیث، تفسیر پڑھاتے تھے اور حجاز کے آخری سفر کے بعد اپنا وقت صرف صحاح ستہ کے درس وتدریس کے لئے خاص کر دیا تھا۔[1] ایک ہی سال میں صحاح ستہ کے ختم کرنے کی پابندی کی، وہ پہلے جامع ترمذی پڑھاتے اور متن وسند کی تحقیق میں بھر پور محنت صرف کرتے، احادیث کے تعارض کو دور کرتے، جہت ترجیح اور مذہب حنفی کی تائید وتقویت میں بھرپور کوشش کرتے تھے پھر باقی کتابوں کے سبق میں مختصر بحث فرماتے تھے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر، ۳۸۳/۷

ہند و بیرونِ ہند کے دارالعلوموں پر حضرت گنگوہیؒ کے درسِ حدیث کا اثر:

حضرت گنگوہیؒ کے مندرجہ ذیل خط سے جو حضرت حاجی صاحبؒ کے نام ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے ہاں دورۂ حدیث کا آغاز ۱۳۰۰ھ میں ہوا تھا۔ یہ حضرت گنگوہیؒ کے تیسرے سفر حج ۱۲۹۹ھ سے واپسی کے بعد کی بات ہے اور یہی سال حضرت تھانویؒ کا دیوبند میں دورہ پڑھنے کا ہے، دارالعلوم دیوبند پر جو اثر ہوا اس کے متعلق خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ کا بیان ہے:

جب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرّہٗ العزیز نے گنگوہ میں درس حدیث شروع فرمایا تو بہت سے طالب علم وہاں پڑھنے چلے گئے اور انہوں نے حضرت والا (حضرت تھانویؒ) کو بھی ترغیب دی کیونکہ مولاناؒ (مولانا محمد یعقوبؒ صاحب) کے ہاں ناغے بہت ہوتے تھے، گو جب پڑھاتے تھے تو بقول حضرت والا سیراب فرما دیتے تھے لیکن حضرت والا نے فرمایا کہ "گو میں سمجھتا ہوں کہ وہاں درسِ حدیث بہتر ہوگا لیکن مجھے تو اپنے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو چھوڑنا بے وفائی معلوم ہوتا ہے جب تک کہ مولانا خود یہ نہ فرما دیں کہ بس اب میرا ذخیرۂ علمی ختم ہوگیا اب مجھ سے تمہاری تعلیم نہیں ہوسکتی۔" (اشرف السوانح جلد اول، ص ۱۳۷، واقعہ نمبر ۴) حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے علوم کو حضرت تھانویؒ نے دل ودماغ میں محفوظ رکھا اور اس کی نشر و اشاعت بھی حضرت تھانوی نے اپنی تالیفات وتصنیفات میں سب سے زیادہ کی اور ان کے علمی کمالات کو جابجا نقل کیا ہے۔ ان کے علمی کمالات کا کچھ تذکرہ ہمیں "فتح الملہم" میں ملتا ہے۔ اور مذکورہ بالا واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں کہیں دورے ہو رہے تھے طلبہ وہاں سے دورہ چھوڑ کر گنگوہ آنے لگے تھے۔ چنانچہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ تذکرۃ الرشید میں رقم طراز ہیں: حجت اللہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سلسلۂ روحانی کا سچا جانشین جس وقت سے مسند خلافت کا صدر نشین ہوا ہے، حق تعالیٰ کے غیبی فرشتوں نے منادی پھیر دی اور اطراف ہند، برہما وسندھ، پورب وبنگال، پچھم وپنجاب، مدراس ودکن، برادر ممالک، متوسط کابل وافغانستان کے بلادِ متفرقہ میں ایک کھلبلی مچ گئی، گروہ ہا گروہ طلبہ گنگوہ میں آنے لگے، آپ کے پاس پندرہ بیس سے لے کر ستّر اسی کا ہر برس مجمع ہوتا اور ایک گروہ، دوسرے گروہ کو سال بھر کیلئے اپنا جانشین بنا کر چلا جاتا۔ (تذکرۃ الرشید حصّہ اوّل، صفحہ ۸۷)

حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ میں حسن بن علی نظیر نعمانی قدوسی گنگوہیؒ نے اپنا جو ثبت مرتب کیا ہے اس میں حضرت گنگوہیؒ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے: **العالم الربّانی الفاضل الصمداني العارف بالله الأحد مولانا رشيد أحمد**......الخ۔[1]

حضرت گنگوہیؒ کا تفقہ میں مقام:-

سید انور شاہ کشمیریؒ، حضرت گنگوہیؒ کو فقہی بصیرت میں علامہ شامیؒ سے بلند تر سمجھتے تھے، وہ فرماتے ہیں:

ان ابن نجيم أفقه عندي من الشّامي، لما أرىٰ فيه أن أمارات التّفقّه تلوح، والشامي معاصر للشاه عبدالعزيز رحمه الله تعالىٰ وهو أيضا أفقه عندي من الشّامي رحمه الله تعالىٰ وكذا شيخ مشايخنا رشيد أحمد الكنكوهي قدس سرّهٗ أفقه عندي من الشامي [2]

میری نظر میں علامہ ابن نجیم، علامہ شامی سے بلند تر فقیہ تھے میں ان میں فقہی بصیرت کے آثار علامہ شامی سے زیادہ روشن پاتا ہوں علامہ شامیؒ، شاہ عبدالعزیز کے ہم عصر ہیں اور وہ بھی میری نظر میں شامی سے بلند تر فقیہہ ہیں اور اسی طرح ہمارے شیخ المشائخ رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ بھی میری نظر میں علامہ شامی سے بلند تر فقیہہ ہیں۔

سرپرستی ''دارالعلوم دیوبند'' و ''مظاہرالعلوم سہارنپور'':-

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تذکرۃ الرشید میں رقمطراز ہیں: [3]

> ۱۲۹۷ھ میں جس کو مدارس دینیہ کی تاریخ میں عام الحزن اور سال غم کہا جاتا ہے۔ وہ سن ہے جس کی چوتھی جمادی الثانی کو پنجشنبہ کے دن معدن الحسنات، قاسم الخیر والبرکات، قدوۃ الأماثل زبدۃ الأفاضل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بمرض ضیق النفس انچاس سال کی عمر میں بمقام دیوبند اس عالم فانی سے انتقال فرما کر احباب واقارب دنیا کو اس وقت الوداع کہا جبکہ آفتاب خطِ استوا سے ڈھل گیا تھا، گویا زوال شمس اس دن اس آفتاب دین کے ڈھلنے کی اطلاع دے رہا تھا، جس کی

[1] یہ وہ پہلا ثبت ہے جو حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے تین سال بعد ۱۳۲۶ھ میں دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سے شائع کیا گیا تھا۔ ثبت مذکور کی تصحیح موصوف نے خود کی اور حضرت گنگوہیؒ کے ایک اور شاگرد ابوالحسن امروہی نے بھی کی ہے۔ یہ دونوں حضرات دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن میں تصحیح کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ صاحب نزھۃ الخواطر سے ان دونوں حضرات کا تذکرہ رہ گیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بھی اس ثبت پر تبصرہ نہیں کیا ہے۔

[2] فیض الباری، باب إیجاب التّکبیر وإفتتاح الصّلوٰۃ، ۲/۲۴۰

[3] تذکرۃ الرشید ۱/۲۴۷، شائع کردہ مکتبہ عاشقیہ، قیصر گنج روڈ، میرٹھ۔

چمک دار شعاعوں سے آج تک عالم جگمگا رہا ہے اور اسی سال حضرت فقید النظیر وحید العصر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے بمقام سہارنپور داعی اجل کو لبیک کہی، گویا دونوں مدرسے یتیم ہو گئے، دونوں جانکاہ و روح فرسا حادثوں سے زمین باوجود وسعت کے تنگ اور عالم روز روشن میں تاریک نظر آنے لگا، اس وقت حضرت قطب العالم قدّس سرّہٗ کی وہ توجہ ان مدارس کی طرف عالم آشکار ہو گئی جو اب تک ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے مخفی و مستور تھی، چنانچہ ۱۲۹۸ھ کی ''روداد مدرسہ اسلامیہ دیوبند'' میں امام ربانی کی سرپرستی شائع ہو گئی اور امّ المدارس کے ساتھ آپ کا ظاہری و باطنی علاقہ (تعلق) دنیا پر ظاہر ہو گیا۔

۱۳۰۲ھ میں مولانا محمد مظہر صاحب اور ۱۳۰۴ھ مولانا فیض الحسن صاحب کا وصال ہو گیا۔ جنہوں نے مظاہر العلوم کو من کل الوجوہ یتیم بنا چھوڑا۔ اس وقت مدرسہ مظاہر العلوم کی بھی ظاہری و باطنی سرپرستی آپ کے حوالے ہوئی۔

حضرت گنگوہیؒ کے درس حدیث کی برکات

حضرت گنگوہی کا خط بخدمت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:

حضور نے جو بندہ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے، میرے ماوائے دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں ہوں مگر جو ارشادِ حضرت ہے تو کیا کروں، بہ ناچاری کچھ لکھنا پڑتا ہے۔

حضرت مرشدی، علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے، اس سال تک دوسو سے چند عدد زیادہ آدمی سندِ حدیث حاصل کر کے گئے[1] اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا

[1] صحاح ستہ پڑھانے کا سلسلہ شعبان ۱۳۱۳ھ تک جاری رہا اور آخری سند ۱۳۱۳ھ میں عطا کی گئی۔ کم و بیش ۴۰۰ سے زیادہ طلبہ نے موصوف سے استفادہ کیا ہے اور سندِ اجازت حاصل کی اور پڑھایا۔

اور سنّت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں، اگر قبول ہو جائے، حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کا خلاصہ یہ ہے کہ جذرِ قلب میں غیر حق تعالیٰ سے نفع وضرر کا التفات نہیں، واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے علیحدگی ہو جاتی ہے، لہٰذا کسی کی مدح وذمّ کی پرواہ نہیں رہی اور ذام و مادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بیرنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوارِ حضرت سے پہنچا ہے، پس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے۔ یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں اور جو میں ہے وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الّا باللہ۔ اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرماویں۔

والسلام ۱۳۰۶ھ [1]

جلسہ دستارِ فضیلت دار العلوم:۔

حضرت گنگوہیؒ کو دیوبند آنے کا اتفاق تو کئی بار ہوا تھا۔ مگر سرپرستی مدرسہ دیوبند کے بعد پہلے جلسۂ دستار بندی میں حضرت گنگوہی نے شرکت کی وہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔

چنانچہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ لکھتے ہیں:

دیوبند میں حضرت قدس سرہ کو بارہا تشریف لانے کا اتفاق ہوا۔ جن میں وہ تشریف آوری ضرور قابل ذکر ہے جس کو ہر نظر بصیرت مدرسہ عالیہ دیوبند کی پیشانی پر آبِ زر سے لکھا ہوا محسوس کر رہی ہے، وہ جلسہ جس میں امام ربانی اس وقت دیوبند تشریف لائے، جلسہ دستار بندی کے نام سے موسوم ہے۔ [2]

---

[1] مکاتب رشیدیہ صفحہ ۱۰

[2] تذکرۃ الرشید ا/۲۴۷

مدرسہ عالیہ دیوبند میں جلسہ دستار بندی چار مرتبہ ہوا۔

۱- ۱۲۹۰ھ میں پانچ مولویوں کے دستار باندھی گئی۔

۲- ۱۲۹۲ھ میں نیز پانچ علماء کی دستار باندھی گئی۔

۳- ۱۲۹۸ھ میں سات مولوی دستار بند ہوئے۔

۴- ۱۳۰۱ھ میں گیارہ علماء کی دستار بندی ہوئی۔ یہی چودھویں ربیع الاول یوم پنجشنبہ کا جلسہ تھا جو تا قیامت یادر ہے گا۔

شاہ عبدالغنی دہلویؒ نے حضرت گنگوہیؒ کو حدیث کی جو سند تحریر فرمائی تھی، اس کی نقل ہدیۂ ناظرین ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہی کا علم و فضل میں مقام اپنے استاذ کی نظر میں کتنا بلند تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيمO الحمدلله اَوّلاً و آخراً، والصلٰوة والسلام علٰى رسوله دائماً وسرمداً، وعلٰى آله واصحابه كذٰلک، امّابعد! فأقول وأنا مُلتَجِي إلٰى حرم النبوى، عبدالغنى بن أبى سعيدالمجددى الدهلوى سامحه الله تعالٰى بلطفه الخفي:

أنّ الأخ الصالح المولوى رشيد أحمد النعمانى اُمّاً والأنصارى أباً توجّه إلى زيارة شفيع المذنبين صلوات الله وسلامه عليه وعلٰى آله وأصحابه أجمعينo

وقدكان قرأ علّى الثلث من "صحيح أبي عبدالله محمدبن اسمٰعيل البخارى o" وجميع "السنن" للإمام أبي داؤد سليمان بن اشعث السجستانى رحمة الله عليهما o وطلب منّى الإجازة لبقية الأمّهات الستِّ وغيرها، فاجزت له لجميع مايجوز لى الرواية فيه، والذى حصلت من مشايخ الحرمين الشريفين ومشايخ الهند فأجزت له، وهوإن شاء الله أهل لذٰلک وذٰلک ظنّى به والله حسيبهo

وأوصيه أن لاينسانى من صالح دعائه وأنا أدعوله أن يُثبّته الله تعالٰى علٰى القول الثابت حيث لايخاف فى الله لومة لائم، وأن ينتفع به المسلمون، ويكون ذاكراً لله تعالٰى علٰى كلّ حالٍ دائم، وحشرنى الله تعالٰى وإيّاه فى زمرة الصالحين بجاه سيّدالمرسلين صلٰوت الله وسلامه عليه وعلٰى آله وأصحابه أجمعين، قاله بفمه وكتبه بقلمه عبدالغنى بن أبى سعيد فى المسجدالنبوىّ يوم الجمعة سنة ۱۲۷۰ ، ۹ محرمo[1]

[1] لامع الدراری، ۱/ ۲۱۷-۲۱۸

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی سندِ حدیث:

اکابر دیوبند کی سند میں محد ثانہ نقطۂ نظر سے حضرت گنگوہیؒ کی سند ایسی ہے جو محدّ ثانہ شان کے موزوں ترین الفاظ کا شاہکار ہے۔

ملاحظہ فرمائیے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله ربّ العالمين، والصّلاة والسّلام علىٰ خيرخلقه محمّدٍ سيّد الأنبيآء والمرسلين، وآله وأصحابه وأتباعه أجمعين إلى يوم الدّين○

أمّا بعد: فيقول المفتقرإلىٰ رحمة ربّه الصّمد الفقير الأحقرالمدعو برشيد احمد الأنصارى نسباً، والجنجوهي موطناً، تجاوزالله عن زلله ومعايبه، ورضى الله عن مشايخه، إنّ المولوي.................. قد قرأ علي واستمع عندي الأمّهات السّتّ المشهورة عندالمحدّثين المحتوية للصحاح والحسان من أحاديث الرّسول السّيّد الأمين، "الصّحيحين للشّيخين"و"الجامع المسند" للترّمذي، والسّنن، لأبي داؤد السّجستاني، و"السّنن" للنّسائي، و"السّنن" لابن ماجه القزويني رضي الله عنهم أجمعين وأفاض علينا من بركاتهم وجمعنا معهم يوم الدّين وأنا أجيزه أن يرويهاعنّي بشرط الضّبط والإتقان في الأ لفاظ والمعاني والتّيقّظ والتّثبّت في المقاصدوالمباني، بشرط إستقامة العقائد والاعمال على طريقة الصّحابة والتّابعين، وحسن التّأدب بحضرة العلماء المحدّثين والمجتهدين۔

وأوصيه بتقوىٰ الله تعالىٰ والإعتصام بسنّة سيّد المرسلين، والإحتناب عن ا لبدع المخترعة في الدّين، والتّبعّدعن صحبة المبتدعين ، وبالاشتغال بإشاعة العلوم السنّية الدّينيّة، والإحتراز عن التّدنّس برذائل الفلسفة وحطام الدّنيا الدّنيّة، وأسأل الله لي ولهٗ أن يوفقنا لما يحبّ ويرضى، وأن يجعل آخرتنا خيراً مّن الأولىٰ، ولاحول ولاقوة إلّا بالله العلي العظيم، والصّلاة والسّلام علىٰ سيّدنا ومولانا محمّدٍ نّبيه الكريم وآله وأصحابه وأتباعه ناصرى طريقة القويم، فقط،حررتّه ....من الشّهر......المنتظم في سنة ألف وثلاثمائة ...... من الهجرة علىٰ صاحبها ألوف الصّلوت والتّسليمات والتحيّة ○ [1]

رشید
احمد
۱۳۰۱

[1] لامع الدراری ۱/ ۲۱-۲۲

﴿ ۴ ﴾ مولانا مملوک علی بن احمد علی صدیقی نانوتوی (۱۲۰۴ھ-۱۲۶۷ھ/۱۷۸۹ء-۱۸۵۱ء)

ابتدائی تعلیم نانوتہ میں پائی۔ پھر دہلی میں مولانا رشید الدین دہلوی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی۔ علوم حِکمیہ میں کمال حاصل تھا، مدرسہ دارالبقا اور دہلی کالج میں پڑھایا۔ خلق کثیر نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو موصوف سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے جب جامع ترمذی چھپوائی تو اپنی تصحیح کے بعد ان سے تصحیح کرائی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصحیح کتب میں مولانا مملوک علی کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ دیوانِ متنبی بھی ان کی تصحیح سے عربی میں شائع ہوا تھا، وہ میرے پاس موجود تھا، افسوس ہے کہ کسی نے چوری کرلیا۔ ان کی تصحیح سے چھپا ہوا نسخہ سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ الحمدللہ سنن ترمذی کا مطبع احمدی میں ان کی تصحیح سے چھپا ہوا نسخہ راقم سطور کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مولانا سید عبدالحیؒ لکھنویؒ موصوف کے متعلق لکھتے ہیں :

تفنّن في الفقه والاصول والعربيّة مع مهارةٍ تامّةٍ في المنطق والحكمة، و ولي التّدريس بمدرسة دار البقا، فدرّس وأفاد مدّة عمرہٖ وأفنٰى قواه في ذٰلک حتّٰى ظهر تقدمهٗ في العلمآء، أخذ عنهٗ خلق كثيرلا يحصون بحدّوعد وسا فر إلى الحجازسنة ثمان و خمسين فحج و زار وعاد إلى الهند بعد سنة كاملة ، مات لإحدى عشرة خلون من ذى الحجة سنة سبع و ستين و مأتين وألف۔[۱]

موصوف کو منطق وحکمت میں کامل مہارت کے ساتھ ساتھ فقہ اصول اور عربّیت میں بھی کامل دستگاہ حاصل تھی۔ مدرسہ دارالبقا میں تدریس ان کے سپرد کی گئی تو وہاں پڑھایا اور تمام عمر علمی فائدہ پہنچاتے رہے، موصوف نے اپنے اعضاء کو اس میں گھلا دیا تھا حتیٰ کہ وہ علماء کے پیشرو رہے، ان سے اس قدر لوگوں نے علمی استفادہ کیا جس کی نہ کوئی حد ہے نہ شمار ۱۲۵۸ھ میں حج کیا۔ حرمین شریفین کی زیارت کی پورے ایک سال کے بعد واپس آئے اور ۱۲۶۷

﴿ ۵ ﴾ خان بہادر مفتی صدرالدین دہلویؒ (۱۲۰۴ھ-۱۲۸۵ھ/۱۷۹۰ء-۱۸۶۸ء)

مفتی صدرالدین بن لطف اللہ کشمیری ثم دہلوی (خان بہادر) موصوف دہلی میں پیدا ہوئے، عقلی علوم مولانا فضل امام خیرآبادیؒ سے پڑھے اور فقہ واصول فقہ اور شرعی علوم کی تحصیل شاہ رفیع الدینؒ سے کی، اس زمانے میں شاہ عبدالعزیزؒ کے یہاں بھی آمد ورفت رہی اور استفادہ کیا، حدیث شاہ محمد اسحاقؒ سے پڑھی

[۱] نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۸۷

اور ان سے حدیث کی سند لی، پھر دہلی میں ایک زمانے تک درس و تدریس اور افتاء کی خدمت انجام دی۔

موصوف اپنے زمانے میں ادبی فنون میں یکتا تھے، کسی فن کے متعلق کوئی بات پوچھی جاتی، دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ انہیں اس فن کے علاوہ کوئی فن نہیں آتا اور اس فن میں ان کی کوئی نظیر نہیں، شعر و سخن، نظم و نثر میں یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ اردو، فارسی، عربی ہر زبان میں شعر کہتے اور کتابوں پر تقریظ بھی لکھتے تھے۔ مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے مطبع احمدی کی مطبوعہ صحیح بخاری پر ان کی تقریظ چھپی ہوئی موجود ہے۔

۱۲۷۳ھ تک مزے کی زندگی گزاری۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے زمانے میں خان بہادر کے خطاب کے باوجود انگریزوں کے خلاف فتوے کی پاداش میں پکڑے گئے پھر رہائی نصیب ہوئی، اس عرصہ میں گھر بار سب لٹ گیا۔ رہائی کے بعد گھر ہی میں بیٹھے رہے۔ درس و افادہ کی مجلس گرم رہتی تھی مدرسہ دار البقا میں پچیس (۲۵) طلبہ کا وظیفہ بھی خود دیتے تھے۔ بعض کی پوری کفالت کرتے اور بعض کی دیکھ بھال فرماتے اور انہیں کئی علوم پڑھاتے رہتے تھے، اکیاسی (۸۱) سال کی عمر پائی تھی۔ ریختی شعراء کا تذکرہ بھی لکھا تھا۔

نواب صدیق حسن خانؒ نے موصوف کو:

''سرخیل علمائے ہند، مفتی محمد صدر الدین خان دہلوی، صدر الصدور شاہجہان آباد'' [۱] اور ''الفقیہ الحنفی المفتی صدر الدین خان بہادر، صدر الصدور دہلوی، آخر فضلائے دہلی بود'' [۲] اور ''الفاضل الفہامۃ'' [۳] وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے، اور نواب صاحبؒ، موصوفؒ کے شاگرد تھے، انہوں نے ان سے روایتِ حدیث کی اجازت لی تھی، جسے نواب صاحبؒ نے ''سلسلۃ العسجد'' [۴] میں نقل کیا ہے:-

بطاقۂ سندِ استاذ العلماء، تاج الفقہاء شیخ صدر الدینؒ ست، و عبارتش
بلفظ وے این ست ''مولوی سید محمد صدیق حسن صاحبِ ذہنِ سلیم
و قوّت حافظہ و فہم درست و مناسبت تمام با کتاب و مطالعۂ صحیح و استعداد
تام دارند جملہ کتب معقول رسمیہ از منطق و حکمت و از علم دین اکثر از

۱۔ سلسلۃ العسجد، صفحہ ۶ ۲۔ اتحاف النبلاء، صفحہ ۲۶۰ نواب صاحب نے ان کو حکومت برطانیہ کی طرف سے دیئے گئے لقب ''خان بہادر'' سے یاد کیا ہے، کیونکہ نواب صاحب خود بھی اسی سلسلہ کے آدمی تھے۔ ۳۔ التاج المکلل صفحہ ۵۴۷، مطبوعہ دار السلام ۱۴۱۶ھ ۴۔ صفحہ ۳۲

بخاری وچیزے از تفسیر بیضاوی وفقہ واصول وعقائد وکلام وعربیت ازفقیر اکتساب نمودندومستعدانہ فہمیدہ خواندند وباوجود آں بسعادت ورشد وصلاح ونیک نہادی وصفائے طینت وغربت واہلیت وشرم وحیاءدراقران وامائلِ خودممتازاند۔ انتہی [1]

﴿ ۶ ﴾ مولانا رشید الدین دہلویؒ (۱۱۸۳ھ-۱۲۴۳ھ/۱۷۶۹ء-۱۸۲۸ء)

مولانا رشید الدین بن امین الدین بن وحید الدین کشمیری ثم دہلوی، دہلی میں پیدا ہوئے یہیں ان کی نشو ونما ہوئی، ابتداء میں مفتی علی کبیر بنارسیؒ سے پڑھا، پھر شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبد القادرؒ اور شاہ عبد العزیزؒ سے پڑھا، انہی کی صحبت میں رہ کر کمال حاصل کیا۔ حضرت مولانا سید عبد الحیٔ لکھنوی موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں: [2]

إنتهت إليه رئاسة التّدريس بمدينة دهلي. دہلی میں درس وتدریس کی سیادت وقیادت ان پر ختم تھی۔

محسن ترہتیؒ ''الیانع الجنی'' میں لکھتے ہیں:

إنهٔ كان فاضلاً جامعاً بين كثير من العلوم اتقن منها جملا مستكثرات وكان حسن العبارة دأبهٔ الذبّ عن حميالسّنّة والجماعة والنكاية في الرّافضة المشائيم. [3]

موصوف فاضل اور بہت سے علوم کے جامع تھے بہت سے ایسے علوم میں جنہیں مشکل خیال کیا جاتا، اتقان وپختگی حاصل تھی عبارت اچھی لکھتے تھے۔ ان کا شیوہ سنّت والجماعت کی حمایت کرنا اور ان کی طرف سے جوابدہی کرتے رہنا تھا منحوس رافضیوں کو سر کے بل گرانا (شکست دینا) ان کا وطیرہ تھا۔

---

[1] ۔ موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ تذکرہ اہل دہلی ص ۵۷ تا ۷۰ تالیف سر سید احمد خان تصحیح قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۵ء

۲۔ تذکرہ علماء ہند ص ۲۴۷-۲۴۸ ۳۔ سلسلۃ العسجد ص ۳۲ نواب صدیق حسن خان مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۲ھ

۴۔ اتحاف النبلاء ص ۲۶۰ تا ۲۶۳ نواب صدیق حسن خان مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ ۵۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۸۱ تا ۴۸۳

۶۔ ابجد العلوم ص ۹۱۷ ۷۔ ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔ مئی، جون ۱۹۲۱ء

۸۔ گلشن بے خار، ص ۱۰-۱۱ تالیف نواب مصطفیٰ خان، نولکشور لکھنؤ، ۱۸۷۴ء ۹۔ نزھۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۲۰-۲۲۱

۱۰۔ علم وعمل، ج ۱، ص ۲۷۴-۲۷۵، ترتیب محمد ایوب قادری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۰ء

۱۱۔ الیانع الجنی، ص ۷۷ ۱۲۔ التمہید ص ۴۲ ۱۳۔ تذکرہ گلِ رعنا ص ۲۴۷ از عبد الحیٔ لکھنوی مطبع معارف اعظم گڑھ

[2] نزھۃ الخواطر ۷/۱۷۷ [3] الیانع الجنی، ص ۷۷

رافضیوں کی تردید میں ان کی بہت سی تالیفات ہیں۔ [1]

﴿ ۷ ﴾ شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ (۱۲۳۵ھ-۱۲۹۶ھ/۱۸۲۰ء-۱۸۷۹ء)

شیخ محمد بن یحیی تیمی ترہتیؒ نے موصوف کے تذکرے کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

تذکرة شیخنا و مولانا المحدث العمدة الفقیه الزاهد القدوة.........فحضنته حجور اهل الصلاح والدین من الصوفیة والفقهاء والمحدثین ......وکان من اجل ماانعم الله علیه ان صرفه عن الاشتغال لمحدثات العلوم ومبتدعات الرسوم التی جدواها قلیل وعدواها کثیر وجبله علیٰ محبة الخیر و حبّبه الیٰ أهله ووفّقه لحلیة المتّقین وبغیة الابرار الصالحین من العلوم النافعة فی الدین و حفظ کتاب الله وحبله المتین ودراسة سنة نبیه المامون الامین والاقتناء عن الفقه علی مذهب النعمان والاجتناء من فنون الزهد وشماریخ العرفان...... شد رحله إلی المدینة...... وهو بحمدالله تعالی کان علیه لیلاونهارا مشتغل بالحدیث مشغوف بروایته وان سالت الحق فهو الیوم عُذَیقُها المرجب والمحدث بین لابیتها لاتکاد تسمع اذناک عند غیره حدثنا الزهری عن سالم عن ابیه الاقلیلا وقدانتفع بعلمه فی المدینة رجالٌ. [2]

ہمارے استاد مولانا محدث قابل اعتماد فقیہ دنیا سے بے رغبت اور پیشوا تھے.........صوفیہ، فقہاء اور محدثین جیسے نیک اور دین دار بزرگوں کی گود میں پلے بڑھے۔ ان پر اللہ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے جدید علوم وفنون سے اور نت نئی رسوم وبدعات سے جن کا نقصان زیادہ اور نفع کم ہے، انہیں باز رکھا موصوف نے قرآن مجید حفظ کیا اور حدیث کی تعلیم حاصل کی مذہب حنفی کے مطابق فقہ......کی تحصیل کی۔ زھد وعرفان کے فنون سے خوشہ چینی کی۔ مدینہ کی طرف رخت سفر باندھا......وہ بحمداللہ دن رات نہایت خوش اسلوبی واہتمام کے ساتھ معمولات وظیفے پورا کرتے اور اس میں کسی اسلوبی واہتمام کے ساتھ معمولات وظیفے پورا کرتے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی روانہیں رکھتے حدیث اور اس کی روایت میں اور مصروف رہتے سچ پوچھیں تو آج موصوف پرمیوہ درخت کیطرح علم سے لبریز ہیں۔ مدینہ بھر میں بس وہی ایک ہیں۔ ان جیسا محدث کوئی اور نہیں، اور آپ ان کے علاوہ کسی کو "حدثنا الزهری عن سالم عن ابیه" کہتے ہوئے شاذونادر ہی سنیں گے، اور مدینہ میں اہل علم نے ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔

---

[1] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تذکرہ اہل دہلی، ص ۷۰ تا ۷۴
(۲) تذکرہ علماء ہند۔ ص ۱۹۱ تا ۱۹۲ تالیف مولوی رحمان علی، ترجمہ وترتیب محمد ایوب قادری شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔ ۱۹۶۱ء
(۳) آثار الصنادید، باب چہارم، ص ۵۱-۵۲ (۴) واقعات دار الحکومت دہلی، ص ۴۰۹-۴۱۰ (۵) ابجد العلوم، ص ۹۱۷
(۶) علم وعمل، جلد اول، ص ۱۵۱-۱۵۲ (۷) نزہۃ الخواطر، جلد ۷ ص ۱۷۷-۱۷۸ (۸) الیانع الجنی، ص ۷۷
(۹) التمہید، ص ۱۴۱

[2] الیانع الجنی ۵۸-۵۹

مولوی فقیر محمد جہلمیؒ کا بیان ہے:

مولوی شاہ عبدالغنی بن شاہ ابوسعید: مفسر، محدث، فقیہہ، جامع اصناف علوم، حافظ، قاری، صاحبِ باطن درویش سیرت تھے، اصل وطن آپ کا سرہند تھا مگر آپ دہلی میں ماہ شعبان ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے، آپ نے اکثر علوم کو اپنے والد وغیرہ سے پڑھا، چنانچہ امام محمدؒ کی موطأ انہی سے پڑھی اور انہی سے طریقہ صوفیہ اخذ کیا۔ اور مشکوٰۃ شریف کو شیخ مخصوص اللہ بن مولانا رفیع الدینؒ سے پڑھا، جنہوں نے شاہ عبدالعزیزؒ کے درس میں پڑھا تھا اور نیز محمد اسحٰق دہلویؒ سے پڑھا اور شیخ محمد عابد سندھی انصاریؒ نزیل مدینہ منورہ سے صحیح بخاری کو پڑھا اور کتب صحاح ستہ کی سند لی اور شیخ ابوزاہد اسمٰعیل بن ادریس رومی ثم مدنی سے کل اجازت حاصل کی............شیخ الحرم آپ کی یہاں تک تعظیم وتکریم کرتے تھے کہ جب مسجد نبوی میں نماز کے وقت آپ کو دیکھ پاتے تو آپ کو ہی امام بناتے مگر آپ کو بسبب کسر نفسی کے امامت پسند نہ تھی، اس لیے یہ عادت کر لی تھی کہ عین تکبیر کے وقت مسجد میں تشریف لاتے۔ آپ کی تصنیفات وتعلیقات سے ابن ماجہ المسمّٰی بہ "انجاح الحاجة فی شرح سنن ابن ماجه" یادگار ہے۔ آپ کی وفات محرم ۱۲۹۶ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ قطعۂ تاریخ وفات حسبِ ذیل ہے۔

شاہ عبدالغنی وحید زماں	نازش علم وعارف باللہ
سالِ نقلش شنیدم از ہاتف	بہترین محدثین اے ماہ [1]
	۱۲۹۶ھ

موصوف کی یہ علمی یادگار انجاح الحاجة علیٰ سنن ابن ماجه جو ۷۹۸ صفحات پر محیط ہے۔ ان کی زندگی میں ہی ''عمدۃ المطابع'' دہلی سے حاجی الحرمین الشریفین مولوی محمد حسین نے ۱۲۷۳ھ میں شائع

[1] حدائق الحنفیہ صفحہ ۵۰۷

کی۔ اس کا نسخہ میرے بڑے بھائی مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔
شاہ عبدالغنیؒ کی سندِ حدیث کے بارے میں علامہ عبدالحیٔ کتانیؒ رقم طراز ہیں:

واشهر أسانيد الشيخ عبدالغني عن ابيه ومحدث الديار الهندية الشيخ محمداسحق كلاهما عن جدالأخير لأمّه الشيخ عبدالعزيز الدهلوى عن ابيه ولى الله عن ابى طاهر الكوراني عن ابيه ا لملا ابراهيم عالم المدينة ومسندها عن النجم الغزّى عن ابيه البدر عن اصحاب الحافظ ابن حجر، لا أتقن ولا أوثق فى سلاسل المتأخرين من هٰذه السلسلةلأ نّهامع علوّها مسلسلة بأئمّة الأعصار والأمصار وأقطاب السنّة ورجال العلم والعمل،ولذلک اذا رويتُ عن الوالد عن الشيخ عبدالغنى بها كأ نّى أقول بالنسبة لزماننا والقرون الأخيرة"حدثنى مالک عن نافع عن ابن عمر" فأجد لهٰذا السياق من الحلاوة والقبول والعظمة ما تنهدّله جبروتية الشهاب وتقف عنده صولة علوم الشقشقة۔[1]

اور شاہ عبدالغنی رحمہ اللہ علیہ کی سب سے مشہور سند، اپنے والد، اور دیارہند کے محدث شیخ محمد اسحاقؒ سے ہے، یہ دونوں حضرات، شاہ محمد اسحٰقؒ کے نانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے وہ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہؒ سے اور وہ شیخ ابوطاہر کورانیؒ سے وہ اپنے والد ابراہیمؒ عالم ومسند مدینہ سے راوی ہیں۔ ان کی سند نجم الدین غزیؒ سے، وہ اپنے باپ بدرالدین غزیؒ سے اور وہ حافظ ابن حجرؒ کے شاگردوں سے روایت کرتے ہیں، متاخرین محدثین کے سلسلۂ سند میں اس سلسلۂ سند سے زیادہ پختہ اور زیادہ مضبوط ومعتبر سلسلہ کوئی نہیں، اس لئے کہ یہ سلسلہ سند عالی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے راویوں سے مسلسل ہے جو اپنے زمانوں اور شہروں کے امام اور سنت کے اقطاب اور میدانِ علم وعمل کے شہسوار تھے اس لئے جب میں اپنے والد کے واسطے سے شیخ عبدالغنی کی اس سند سے روایت کروں تو گویا کہ اپنے زمانے اور آخری ادوار کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں "حدثنی مالک عن نافع عن ابن عمر" تو میں اس سیاقِ سند کی چاشنی، قبولیت اور ایسی عظمت کو محسوس کرتا ہوں جس کے سامنے شہاب ثاقب کی عظمت بھی زمین بوس ہو جاتی ہے اور اس کے پاس فصاحت وبلاغت کے سارے علوم کی شان وشوکت ماند پڑ جاتی ہے۔

[1] فہرس الفہارس، ۷۶۶/۲

شاہ محمد اسحٰقؒ کے تلامذہ میں سے شاہ عبدالغنی دہلویؒ کو اللہ تعالیٰ نے وہ قبولیت بخشی کہ کم ہی کسی کے حصے میں آئی ہوگی۔ اس تیرہویں صدی ہجری میں اگر کسی کے دوثبت (فہرس شیوخ) مرتب ہوئے تو وہ شاہ عبدالغنی ہی ہیں۔ انہوں نے خود اپنا ثبت (فہرست شیوخ) مرتب نہیں کیا لیکن ان کی زندگی میں ان کے دوشاگردوں علامہ محدث ادیب محسن بن یحییٰ تیمی ترہتیؒ اور مولانا محدّث عبدالستار صدیقی مہاجر مکیؒ نے انکا ثبت مدون ومرتب کیا۔

علامہ محسن ترہتیؒ نے ۱۲۸۰ھ میں ''اليانع الجني في اسانيد الشيخ عبدالغني'' لکھی جسے پہلی بار مولانا محمد احسن نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۱ھ) نے مطبع صدیقی بریلی سے اپنی تصحیح کے ساتھ ۱۲۸۷ھ-۱۸۷۰ء میں شائع کیا۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی ثم پاکستانی کے پاس اس کتاب کا وہ تاریخی نسخہ محفوظ ہے جو مولانا محمد احسن نانوتویؒ نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اپنی تحریر کے ساتھ بھیجا تھا۔ غالباً اسی نسخہ سے مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے اسے ''كشف الأستار'' کے حاشیہ پر ۱۳۴۹ھ میں دارالاشاعت دیوبند سے شائع کیا تھا (وہ بھی اب نہیں ملتا ہے اس پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے)۔

دوسرا ثبت مولانا عبدالستار صدیقیؒ مہاجر مکی نے ''المورد الهني في أسانيد الشيخ عبدالغني۔'' لکھا تھا جس کے متعلق شیخ ابوالخیر مجددی فرماتے تھے کہ اس کا نسخہ کوئٹہ (بلوچستان) میں ان کے یہاں موجود ہے لیکن کبھی دکھایا نہیں، یہ دونوں عربی میں ہیں، اور مؤخر الذکر ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگردوں میں شاہ عبدالغنیؒ محدث کی شخصیت ہندوستان میں ایسی ہے کہ جن کی فہرست شیوخ ان کے دوشاگردوں نے تقریباً ایک زمانے میں لکھی ہیں۔ شاہ محمد اسحٰقؒ کے شاگردوں میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ حرم مدینہ میں موصوف کا نام روشن کرتے رہے اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ نے پانی پت کو رشک دہلی بنایا ہوا تھا۔ ہندوستان کا ہر حنفی عالم پانی پت جا کر ان سے سندِ حدیث لیتا اور مسلسل بالأوّلیّہ سنایا کرتا تھا۔ جیسا کہ صاحب ''نزهة الخواطر'' کا بیان ہے۔[1]

[1] نزهة الخواطر، ۲۴۶/۸

ہندوستان کے نہیں، عربی دنیا کے نامور حفاظ وفقہاء محدثین نے شاہ عبدالغنیؒ سے سند لی اور خانوادۂ شاہ ولی اللہ کی اُسانید، شاہ محمد اسحٰق کے واسطے سے اور سندھی علماء وفقہاء محدثین کی اسانید ملا عابد سندھی کے واسطے سے اسلامی دنیا میں پہنچیں اور انہیں قبول عام حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ تیرھویں صدی کے نامور حافظ علامہ سید عبدالحیٔ کتانیؒ نے شاہ عبدالغنیؒ کی سند کے متعلق ''فہرس الفہارس والأ ثبات میں یہ لکھا ہے کہ ان کے تلمیذ محسن ترہتیؒ کا کہنا یہ ہے کہ:

لاتكاد تسمع أذناک عند غيره فيها حدّثنا الزّهري عن سالم عن أبيه إلّا قليلا۔ [1]

یعنی مدینہ میں تیرے کان، ان کے علاوہ کسی اور کے پاس ''**حدّثنا الزهري عن سالم عن أبيه**'' کم ہی سن پائیں گے۔

شاہ عبدالغنی مجددی کے تلامذہ میں اکابر دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگردوں نے ہندوستا ہی میں نہیں بلکہ اسلامی دنیا تک اس کا حلقہ وسیع تر کردیا، ان میں حضرت مدنیؒ اور حضرت مولانا زکریا کاندھویؒ کی تدریسی خدمات نے اہم کردار ادا کیا۔ [2]

﴿ ۸ ﴾ مولانا احمد سعید دہلویؒ (۱۲۱۷ھ-۱۲۷۷ھ/۱۸۰۲ء-۱۸۶۰ء)

مولانا احمد سعید بن ابی سعید بن صفی عمری دھلوی۔ موصوف کی ولادت رامپور میں ہوئی۔ والد ماجدؒ اور ماموں شیخ سراج احمدؒ سے مسلسل بالاوّلیہ کا سماع کیا۔ بعض درسی کتابیں مفتی شرف الدینؒ سے پڑھیں۔ لکھنؤ آئے اور شیخ محمد اشرفؒ اور علامہ نورالحق ؒ سے بعض کتابیں پڑھیں، پھر دہلی آکر

[1] فہرس الفہارس، ۷۵۹/۲

[2] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

(۱) تذکرہ اہل دہلی ص۲۰ تا ۲۱ تالیف سرسید احمد خان تصحیح قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی شائع کردہ انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۵۵ء

(۲) تذکرہ علماء ہند۔ ص ۳۱۰ (۳) حدائق الحنفیہ ص ۴۹۰ تا ۴۹۱ تالیف مولوی فقیر محمد جہلمی۔ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۶ء

(۴) نزہۃ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۲۸۹-۲۹۰ (۵) ابجد العلوم صفحہ ۹۲۹-۹۳۰

(۶) خزینۃ الاصفیا، جلد ۱ صفحہ ۶۹۸-۷۰۱ تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء (۷) الیانع الجنی صفحہ ۵۸ تا ۵۹

(۸) انوار العارفین صفحہ ۵۰۵ تا ۵۰۶ تالیف مولوی محمد حسین مرادآبادی۔ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۰ھ (۹) التمہید صفحہ ۱۴۹-۱۵۰

شیخ فضل امام خیر آبادیؒ (متوفی ۱۲۴۳ھ) شیخ رشید الدین دہلویؒ (متوفی ۱۲۴۳ھ) شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ سے استفادہ کیا۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے حدیث کی سند لی ''حصن حصین''، ''دلائل الخیرات'' اور ''القول الجمیل'' وغیرہ کی اجازت لی۔ شاہ غلام علی دہلویؒ سے خلافت پائی۔ ان کے جانشین بنائے گئے پھر انہیں بڑا قبول حاصل ہوا۔

۵۷ سال کی عمر میں دہلی میں جنگ آزادی چھڑ گئی۔ ۱۶/رمضان المبارک ۱۲۷۳ھ تک خانقاہ مظہری میں قیام پذیر رہے۔ بغاوت کی ان پر تہمت لگائی گئی۔ انگریزوں نے انہیں گرفتار کرنا چاہا لیکن ایک افغان سردار کی سفارش پر چھوڑا گیا۔ شوال ۱۲۷۴ھ میں خاندان کے ساتھ حرمین شریفین چلے گئے اور حج کیا۔ مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔

فقہ وتصوف میں ان کے چند رسالے اور کتابیں یادگار ہیں۔ جن میں شاہ محمد اسحاقؒ کے ''مائۃ مسائل'' کا رد ''تفہیم المسائل'' چھپ گیا ہے اور ''الانہار الاربعة فی شرح الطریق الچشتیة والقادریة والنقشبندیة والمجددیة۔'' (یہ دونوں بہت نادر ہیں میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں)، موصوف جنت البقیع میں قبہ عثمانِ غنیؓ کے پاس مدفون ہیں۔[1]

﴾ ۹ ﴿ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (۱۲۲۵ھ-۱۲۹۷ھ/۱۸۱۰ء-۱۸۸۰ء)

مولانا احمد علی بن لطف اللہ حنفی ماتریدی سہارنپوریؒ، سہارنپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم یہیں پائی پھر دہلی میں مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے پڑھا۔ حدیث شریف مولانا وجیہ الدین سہارنپوریؒ (متوفی غالباً ۱۲۶۱ھ) سے پڑھی۔ جو مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ (متوفی ۱۲۴۳ھ) اور شاہ عبدالقادرؒ (متوفی ۱۲۴۲ھ)

---

[1] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

تذکرہ کاملانِ رامپور، تالیف احمد علی خان شوخی صفحہ ۱۴-۲۰ ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ء

(۱) تذکرہ اہل دہلی میں ۱۹ تا ۳۰

(۲) التمہید صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۶

(۳) تذکرہ علمائے ہند۔

(۴) نزهة الخواطر: ۷/۴۱-۴۲

سے حدیث کے راوی ہیں۔[1] پھر مکہ معظمہ گئے، حج وزیارت کی، شاہ اسحاقؒ صاحب (متوفی ۱۲۶۲ھ) سے حدیث کی سند لی، واپس آ کر تجارت کی اور حدیث پڑھائی، مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ نے ''نزھۃ الخواطر'' میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

الشیخ العالم الفقیه المحدث أحد کبار الفقهاء الحنفیّة [2]	شیخ، عالم، فقیہہ، محدث، بڑے حنفی علماء میں سے ایک تھے۔

چنانچہ مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ ''نزھۃ الخواطر'' میں رقم طراز ہیں:

کان عالما صدوقاً أمینا ذاعنایة تامّة بالحدیث،	موصوف عالم، بہت سچے، امانت دار تھے، تمام تر توجہ
صرف عمرهٗ في تدریس الصّحاح السّتّ	حدیث کی طرف رکھتے تھے، عمر بھر صحاح ستہ پڑھائی
وتصحیحها، لاسیّما صحیح الإمام البخاري،	اوراس کی تصحیح کی، صحیح بخاری کی تصیح وتحشیہ میں دس برس
خدمهٗ عشر سنین فصحّحه، وکتب علیه حاشیة مبسوطه [3]	لگائے تھے، موصوف کی اس پر تفصیلی تعلیقات ہیں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی ''مولانا موصوف'' کے متعلق لکھتے ہیں:[4]

مولوی احمد علی محدث سہارنپوری: عالم، فاضل، فقیہہ، محدث، جامع منقول ومعقول، حاویٔ فروع واصول تھے، حفظِ قرآن کے بعد، علومِ عربیہ وغیرہ میں مشغول ہوئے اور اپنے ملک کے علماء وفضلاء سے علوم متداولہ حاصل کر کے دہلی میں مولانا محمد اسحٰق محدثؒ سے حدیث کو پڑھا اوران سے سند لی، پھر حج کیا۔ اورحرمین شریفین کے علماء ومشائخ سے استفادہ کیا اوراجازت حاصل کی، پھر دہلی آ کر مطبع احمدی جاری کیا جو غدر تک بڑے زوروشور سے جاری رہا اوراس میں بڑی بڑی علمی کتابیں آپ کے اہتمام

---

[1] مولانا احمد علی سہارنپوریؒ حدیث کو یوں روایت کرتے ہیں:

أحمد علی عن الشیخ وجیه الدین عن الشیخ عبدالحنی بن هبة الله الصدیقی البدهانوی المتوفی ۱۲۴۳ھ عن الشیخ عبدالقادر بن ولي الله الدهلوي۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کی سندِ حدیث ''حیات شبلی'' شائع کردہ مطبع المعارف اعظم گڑھ میں نقل کی ہے، اہل ذوق ناظرین وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] :نزہۃ الخواطر جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر ۴۳

[3] :نزہۃ الخواطر جلد نمبر ۷، صفحہ نمبر ۴۳

[4] حدائق الحنفیہ، ص ۴۹۳

اور تحشی (حاشیہ) سے چھپتی رہیں، خصوصاً صحیح بخاری وغیرہ پر آپ نے عمدہ حواشی چڑھائے اور ان میں حنفی مذہب کی خوب تائید کی۔ علاوہ تحشیہ وتعلیقات کے ایک رسالہ "الدّليل القوى على ترك القراءة للمقتدي" خوب تحقیق وتدقیق سے فارسی میں تصنیف فرمایا۔ جس کا ترجمہ اردو میں اب چھپا ہوا موجود ہے۔ [1]

علم وعمل، درس وتدریس، مال ودولت، آل اولاد، عزت وشہرت، اللہ نے سب ہی باتوں سے انہیں نوازا تھا۔ ہندوستان کے چوٹی کے علماء، فقہاء، ادباء، شعراء اور صوفیہ کو موصوف سے تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ اردو زبان کے نامور ادباء میں مولانا شبلی نعمانی، زہد وتقویٰ وشریعت وطریقت میں حضرت گنگوہیؒ وحضرت نانوتویؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور پیر مہر علی شاہؒ اور شاہ محمد سلیمان پھلواری وغیرہ، اور عربی زبان وادب میں مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سب کو موصوف سے تلمّذ کی نسبت حاصل ہے۔

کتبِ حدیث کی نشر واشاعت:

مولانا سید عبدالحیؒ لکھنویؒ "الثّقافة الإسلامية في الهند" میں رقم طراز ہیں۔

ولهٗ مِنّة عظيمة علىٰ العلماء لأنّهٗ صحّح الكتب واشاعها، لاسيّما صحيح البخاري، صحّحه، و علّق عليه بمالا مزيد عليه۔ [2]	مولانا احمد علیؒ کا علماء پر یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے حدیث کی کتابوں کی تصحیح کی اور مطبع احمدی سے ان کتابوں کی نشر واشاعت کی، خاص طور سے (دس برس) صحیح بخاری کی تصحیح کی اور اس پر ایسی تعلیقات لکھیں جن پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے مطبع احمدی [3] سے حدیث کی نشر واشاعت کا آغاز غالباً ۱۲۶۶ھ میں کیا تھا، اس لیے کہ آپ نے سب سے پہلے "سنن ترمذی" چھپوانا شروع کی تھی۔ ۱۲۶۶ھ سے پہلے وہ

---

[1] مذکورہ بالا رسالہ کا اردو ترجمہ مولانا عبدالقادر لدھیانویؒ نے کیا جو لدھیانہ سے شائع ہوا تھا۔

[2] الثّقافة ألإسلامية في الهند: صفحہ نمبر ۱۴۰

[3] مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے مطبع احمدی شاہ رفیع الدینؒ کے نواسے ظہیر الدین سے خریدا تھا۔ جیسا کہ ان کی غیر مطبوعہ سوانح عمری میں مذکور ہے جو مولانا خدا بخش ملتانی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

مطبع العلوم دہلی سے طبع کی جارہی تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک مطبع احمدی میں طباعت کا کام شروع نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ ''سنن ترمذی'' کی دوسری جلد کے آخر میں موصوف نے جواختتامیہ تحریر فرمایا ہے وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔ [۴]

شاہ محمد اسحاق کے شاگردوں میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کو توفیق الٰہی سے یہ سعادت ملی کہ انہوں نے صحاح ستہ کی دو اہم کتابوں (بخاری اور ترمذی) کی تصحیح کی اور ان پر تعلیقات لکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں بڑی برکت رکھی تھی، حدیث کا درس بھی دیا، حدیث کی چار اہم اور مقبولِ انام کتابوں۔ (الف) **صحيح البخاري** (ب) **سنن الترمذي** (ج) **مؤطا امام مالك** اور (د) **مشكوٰة المصابيح** کی تصحیح وتعلیقات لکھنے اور نشر واشاعت کی سعادت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کو حاصل رہی ہے یہ ایسا عظیم کارنامہ ہے جس کا فیض تا حال جاری و ساری ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اصطلاح محدثین میں ضبط صدر اور ضبطِ کتابت ہر دو صفت سے آراستہ تھے، شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگردوں میں یہ صفات مولانا موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

حاشیۂ بخاری کی خصوصیات:

مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بخاری شریف کے حاشیہ میں جن باتوں کا اہتمام والتزام کیا وہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔

۱۔ حدیث کی بہترین تشریح۔

۲۔ اختلافِ روایات کی نشاندہی۔

[۴] اختتامیہ کے الفاظ یہ ہیں: ''الحمدلله الذي وفّقنا بشروع طبع كتاب التّرمذي في مطبع العلوم الدّهلوي في شهر صفر ١٢٦٥ من هجرة خير البشر صلى الله عليه وآلهٖ وسلم باهتمام السيد اشرف علي الواسطي، قيام مطبع الأحمدي سنة ١٢٦٦ ھ، يقول العبد الضّعيف الرّاجي إلىٰ رحمة الولي احمد على السّهار نفوري، قدوقع الفراغ من طبع هٰذا الكتاب الشريف في المطبع الاحمدي. الواقع في الدهلى. ثاني عشر من الصّفر سنة ستّ وستّين بعد الألف والمأتين من هجرة خير البشر عليه افضل الصلوات وأزكى التّحيّة۔ وإني مع قلّة الدّراية والبضاعة قد اجتهدت في تصحيحهٖ وحلّ مطالبهٖ بحسب الوسع والطّاقة. ثم لاحظ ثانياً بالملاحظة التّامة والمراجعة العامة الفاضل الاجل والحبر الأبجل، العالم بالخفي والجلي، مولانا مُحَمَّدَ مملوک العلى. فالمامول ممن ينظر فيه وينتفع بهٖ ان لاينسانا من دعاء الخير. ولو اطلع علىٰ شيئى من الخطأ والزّلل، فينبغي أن يصلحهٗ ويسدّ الخلل، إن تجدعيباً فسُدّ الخللا، جلّ من لاعيب فيه وعلا۔ والله المستعان وعليه التكلان وآخر دعوانا أنِ الحمدلله ربّ العٰلمين، والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسولهٖ محمّدٍ وآلهٖ وأصحابهٖ أجمعين''

۳۔ غریب (کم استعمال ہونے والے) الفاظ کے معانی کی وضاحت۔

۴۔ راویانِ حدیث کے مختصر حالات کا بیان۔

۵۔ مواضع حدیث پر دلالت: یہ حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں مذکور ہے

۶۔ تراجم ابواب کی تشریح اور عنوانات سے حدیث کی مطابقت۔

۷۔ حدیث سے مستنبط ہونے والے مسائل کا بیان۔

۸۔ حنفی مسلک کی ترجمانی [۱]

۹۔ مصطلحات حدیث کی تشریح۔

۱۰۔ مشکل الفاظ کے اعراب کا بیان۔

۱۱۔ ترکیبِ نحوی کی وضاحت۔

۱۲۔ شرحِ حدیث میں شارحین کے اختلاف میں فیصلہ کن بات۔ [۲]

۱۳۔ بخاری کے نسخوں میں باہمی اختلاف کی نشاندہی۔

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے تحریر کردہ مقدمۂ بخاری کا اجمالی خاکہ:

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے اپنے مطبع سے جب بخاری شریف کو شائع کیا تو اس پر، ۷۲ فصول پر مشتمل نہایت مبسوط مقدّمہ لکھا، جس کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے:

پہلی فصل میں امام بخاریؒ کی سوانح عمری ہے۔

دوسری فصل میں بخاری شریف سے متعلق اہم ابحاث کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

تیسری فصل میں تراجم ابواب کا بیان ہے۔

---

[۱] ذکر البخاري في الترجمة: "قرأ الأحنفؒ الكهف في الأولىٰ و في الثّانية بيوسف أويونس، فعلّق عليه: وهذا مكروه عندالحنفيّة لأنّ رعاية ترتيب المصحف العثماني مستحبّةٌ (حاشيه بخارى صفحه ۱۷۰ جلد۱)

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے: احنفؒ نے پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری رکعت میں سورۂ یوسف یا سورۂ یونس کی تلاوت کی۔" محدث سہارنپوریؒ نے اس کی توضیح میں کہا ہے: احناف کے نزدیک یہ (سورتوں کو غیر مرتب پڑھنا) مکروہ ہے کیونکہ مصحف عثمانی کی ترتیب کی رعایت حنفیہ کے ہاں مستحب ہے۔

[۲] :حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "والأوجه أن يحمل حديث النفي علىٰ حالة السير وحديث الثبوت علىٰ حالة القرار، كماهو المختار من مذهبنا. والله اعلم. (صحیح البخاري: صفحہ ۱۴۹، جلد۱، حاشیہ نمبر ۵) کہ: بہترین توجیہ یہ ہے کہ: نفی کی حدیث کو حالتِ سیر پر محمول کیا جائے اور ثبوت کی حدیث کو حالت قرار پر جیسا کہ ہمارے مختار ہے۔ واللہ اعلم۔

چوتھی فصل میں بخاری شریف کے ۹ نسخوں اوران کی علامات کو بیان فرمایا ہے۔
پانچویں فصل میں "حدثنا"، "أخبرنا" اور "أنبأنا" وغیرہ کے مابین فرق کا بیان ہے۔
چھٹی فصل میں "اسناد معنعن" میں امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ کے باہمی اختلاف کی وضاحت فرمائی ہے۔
ساتویں فصل میں بخاری شریف کے راویوں کے طبقات کا بیان ہے۔
آٹھویں فصل میں بخاری شریف کے ''متکلم فیہ راویوں'' کی طرف سے اجمالی دفاع ہے۔
نویں فصل میں صحیحین میں راویانِ حدیث کے جونام بکثرت آئے ہیں ان کے اعراب کی وضاحت ہے۔
دسویں فصل میں امام بخاریؒ کے چند خاص شیوخ کی نسبتوں کا بیان ہے۔
گیارہویں فصل میں اس امر کا بیان ہے کہ سند میں راوی کے نام کے بعد اس کے باقی نسب کو بیان کرنے سے پہلے
"هو" یا "یعنی" کا اضافہ کیوں کیا جاتا ہے؟
بارہویں فصل میں موجودہ زمانے میں اتصال سند کا فائدہ بیان فرمایا ہے۔
تیرہویں فصل صحابی اور تابعی کی تعریف کے بیان میں ہے۔
چودھویں فصل میں حدیث صحیح وحسن اور ضعیف اوران کی اقسام کا بیان ہے۔
پندرھویں فصل میں ان الفاظ کی تشریح کی ہے جو محدثین کے ہاں بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔
سولہویں فصل میں اس بات کا بیان ہے کہ صحابہ (رضوان الله تعالیٰ علهيم اجمعين) کے کس قسم کے اقوال کو حدیث مرفوع شمار کیا جاتا ہے۔
سترہویں فصل میں "اعتبار"، "متابعت" اور "شاهد" کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔
اٹھارہویں فصل میں "مثله" اور "نحوهٗ" کے فرق کی وضاحت کی ہے۔
انیسویں فصل میں بخاری کی معلّق روایات یعنی وہ احادیث وآثار جنہیں امام بخاریؒ نے بغیر

سند کے ذکر کیا ہے یہی مختصر سا بیان ہے۔

بیسویں فصل میں ان ۶۴ کتابوں کی فہرست بیان کی ہے جو ان حواشی کی ترتیب میں موصوف کے پیش نظر رہی ہیں۔

اکیسویں فصل میں ان اصطلاحات کا بیان ہے جن کو محدثین ''ضبطِ الفاظ'' میں استعمال کرتے ہیں۔

بائیسویں فصل میں علم حدیث کے موضوع ومبادی کا بیان ہے۔

تیئسویں فصل میں ''روایت حدیث بالمعنٰی'' کے بارے میں بحث ہے۔

چوبیسویں فصل میں متن حدیث کے جملوں کو آگے پیچھے لانے کی وضاحت ہے۔

پچیسویں فصل میں ''عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم'' کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرنے کا بیان ہے۔

چھبیسویں فصل میں حدیث شریف لکھنے کے متعلق چند اہم فوائد کا بیان ہے۔

ستائیسویں فصل میں نہایت اختصار کے ساتھ موصوف نے اپنی سندِ صحیح البخاری کا تذکرہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں اپنے اساتذہ شاہ محمد اسحٰقؒ اور شیخ وجیہ الدین کی سند ذکر کرتے ہوئے وہ سن تحریر نہیں کیا جس میں ان سے حدیث پڑھی۔

حاشیۂ موطأ امام مالک:

مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے مؤطا امام مالک کو بھی اپنی تعلیقات سے آراستہ کر کے پہلی بار مطبع احمدی دہلی سے شائع کیا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے مؤطا امام مالک کی عربی میں نہایت مبسوط شرح لکھی ہے اور مقدمہ میں تعلیق نگاروں کی بھی نشاندہی کی ہے ان میں مولانا عبدالحئی لکھنوی کی تعلیق کا تو ذکر کیا ہے مگر مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کی تعلیق موطا کا ذکر ان سے رہ گیا ہے حالانکہ وہ تو ان کے شیخ الشیوخ ہیں، مولانا احمد علیؒ نے جس طرح صحاح ستہ اور درسی کتابوں کو حل کیا اور اسی طرح مشکوٰۃ المصابیح

پر عربی تعلیقات لکھ کر خانوادہ شاہی کا فیض عام کیا۔ یہ ایسا کارنامہ ہے کہ اس سے موافق ومخالف ہر ایک یکساں فائدہ اٹھاتا ہے، ہندوستان کی سرزمین پر شیخ محمد طاہر پٹنیؒ کے بعد مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کا نام وکام ایسا ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ درسِ نظامی کا ہر طالب علم اور استاد ان کا زیر بار احسان ہے، ضرورت ہے کہ کوئی ناشر ان کی تعلیقات کو کمپوز کر کے شائع کرے تاکہ پاک وہند کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں ان کا فیض عام ہو سکے۔ صحاح ستہ میں سے ان کے مطبع احمدی کی چھپی ہوئی دو کتابیں صحیح بخاری وسنن ترمذی میری نظر سے گزری ہیں، جب کہ موطأ امام مالکؒ کی فوٹو اسٹیٹ اور سنن ترمذی کا نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

برصغیر میں "مختصر الجرجانی" کی اشاعت:

سرزمین ہند میں اصولِ حدیث کے مشہور رسالہ "مختصر الجرجانی" کو پہلی بار ۱۲۶۴ھ میں سنن ترمذی کے ساتھ شائع کرنے کا فخر مولانا احمد علی سہارنپوری کو حاصل ہے، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی نے ۱۳۰۴ھ میں اس کی شرح "ظَفَرُ الْأَمَاني" کے نام سے لکھی اور وہ ۱۳۰۴ھ میں لکھنؤ سے شائع کی گئی، اصول حدیث میں اس کتاب کو مدارس عربیہ کے نصاب میں قبول عام حاصل ہوا، اس لیے مولانا عبدالحیٔؒ نے "ظفر الأماني" میں یہ لکھا ہے: "رأيت النّاس في هذا الزّمان قد اشتغلوا بدرسه وتدريسه ولم أرلهٗ شرحاً يكتفي لحلّ جليّه وخفيّه"۔[1] کہ میں نے اس زمانے میں اہل علم کو دیکھا کہ وہ "مختصر جرجانی" کے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہتے ہیں اور میں نے اس کی کوئی ایسی شرح نہیں دیکھی جو اس کے جلی وخفی مقامات حل کرنے میں کافی ہو تو میں نے "ظفر الأماني" لکھی۔

تاہم مولانا عبدالحیٔؒ نے اس امر کی طرف اشارہ تک نہیں کیا کہ یہ کتاب سب سے پہلے کس کی کوشش سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ اور "مختصر الجرجانی" کی اشاعت کا تذکرہ سیّد عبدالحیٔ لکھنویؒ سے بھی

[1] ظفر الامانی، ص۲، شائع کردہ مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ، ۱۳۰۴ھ

''الثقافة ألإسلامية''میں رہ گیا ہے۔[1]

مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کے عادات واطوار:

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ''حیاتِ شبلی'' میں مولانا شبلی نعمانیؒ کا بیان نقل کیا ہے:

مولانا احمد علیؒ گھر کا سودا سلف خود خرید کر لاتے اور کسی طالب علم کو خواہ کتنا اسرار کرتا، خدمت کا موقع نہیں دیتے تھے۔

مولانا تکبیر اولیٰ کا اہتمام کرتے تھے۔

امامت نہیں کرتے تھے۔

مولانا احمد علیؒ بڑے متقی تھے، کھانے پینے میں بہت احتیاط کرتے تھے، مولانا بازار کے موسمی پھل بھی خرید کر نہیں کھاتے تھے اسلئے کہ باغ میں درخت پھل آنے سے پہلے خرید لئے جاتے ہیں جب اپنا باغ خریدا تب موسمی پھل کھانے لگے۔

اخیر زمانے میں ۱۲۹۱ھ سے ۱۲۹۷ھ تک سات برس ''مظاہر العلوم'' میں دن بھر بغیر تنخواہ لئے پڑھاتے اور عصر کے بعد کمرے میں جا کر کمر سیدھی کرتے، وہاں طلبہ آ بیٹھتے تھے لیکن کوئی اللہ والا طالب علم آجاتا تو اس کا احترام ملحوظ رکھتے، لیٹے سے بیٹھ جاتے،

چنانچہ ایک مرتبہ مولانا احمد علی مونگیریؒ آ گئے مولانا فوراً بیٹھ گئے، صاحبِ ''مقاماتِ محمدیہ'' کا بیان ہے:

(مولانا سہارنپوریؒ) آپ (مولانا احمد علی مونگیریؒ) کی اس قدر عظمت کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا بعدِ عصر درس سے فارغ ہو کر مولاناؒ مکانِ نو تعمیر میں جا کر لیٹ جاتے تھے اور اکثر طلبہ ہمراہ جا کر قریب بیٹھ جایا کرتے تھے مگر جب حضرت (مونگیریؒ) تشریف لے جاتے تو فوراً اٹھ بیٹھتے تھے، حضرت (مونگیریؒ)

---

[1] اس مذکورہ بالا شرح کو اس زمانے کے دو بڑے عالم شیخ عبد الفتاح ابو غدّہ اور تقی الدین شائع کرنے کے درپے تھے، ''تقی الدین ندویؔ نے پہلے شائع کی اور ابو غدہ صاحب سے اس بات کو پوشیدہ رکھا، اس پر شیخ عبد الفتاح ابو غدّہؒ نے تقی الدین پر سخت تنقید کی اور ان کی غلطیاں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اس مذکورہ بالا شرح کی وجہ سے علمی دنیا میں شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے بہت شہرت پائی۔ حیرت اس امر کی ہے کہ ہر دو محقق شیخ ابو غدّہ اور تقی الدین مظاہریؔ ندوی نے اس امر کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا کہ اس کتاب کی شرح دسویں صدی ہجری میں اس صدی کے ایک عالم شمس الدین تبریزی حنفی نے کی تھی جو مصر سے پہلی بار ۱۳۵۰ھ میں اور دوبارہ ۱۳۷۱ھ میں شرح دیباج المذہب فی مصطلح الحدیث کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔

نے ایک روز فرمایا: کہ جنابِ من ! میں آپ کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں، سینکڑوں علماء آپ کے شاگرد ہیں، سن میں آپ میرے والد سے زائد ہیں، اس سن میں آپ تمام دن پڑھا کر اس وقت لیٹ جاتے ہیں اور پھر میری حاضری میں اٹھ بیٹھتے ہیں، اس کا جواب کچھ آپ (مولانا سہارنپوریؒ) نے نہیں دیا، مگر حضرت (مونگیریؒ) نے اس وقت کا حاضر ہونا چھوڑ دیا۔ [۱]

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ کی عادت تھی کہ بعض اوقات فتاویٰ بھی اپنی کتاب ''سنن ترمذی'' میں رکھ لیتے تھے، ایک شخص نے استفتاء بھیجا جس میں معین ذابح کے بارے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسے بھی بسم اللہ کہنی ضروری ہے، چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں: [۲]

حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) نے جواب میں فرمایا کہ: ''جو شخص ذابح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر چھری چلانے میں شریک ہے، اس پر تو ''بسم اللہ'' کہنا واجب ہے اور ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر واجب نہیں ہے۔'' اور حضرت شاہ اسحٰقؒ کا ہند میں وہی خیال تھا (کہ معین ذابح پر بھی بسم اللہ کہنا واجب ہے) جیسا کہ نواب صاحب (نواب قطب الدین خان مرحوم) نے لکھا ہے مگر جب شاہ صاحب ہجرت کر گئے تو عرب میں ایک حنفی عالم کے سامنے (بندہ نام بھول گیا) جو بڑے فقیہ تھے، یہ استفتاء پیش ہوا، انہوں نے یہ جواب لکھا ہے کہ ''فقط ذابح پر واجب ہے۔'' اور یہ فتویٰ مولوی احمد علی صاحب کی ترمذی میں چسپاں تھا۔ ہم نے یہ فتویٰ مولوی صاحب کے پاس اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، عبارت یہ تھی:

''رَبِّ زدني علماً، بل عليٰ الذابح فقط۔''

﴿ ۱۰ ﴾ شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (۱۱۹۶ھ-۱۲۶۲ھ/۱۷۸۲ء-۱۸۴۶ء)

ابوسلیمان محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد عمری دہلوی، شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے تھے۔ ۱۱۹۶ھ میں دہلی میں ولادت ہوئی، یہیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی زیر نگرانی بیٹے کی طرح تربیت پائی، درسی کتابیں شاہ

[۱] سیرتِ مولانا محمد علی مونگیریؒ ص ۲۷، تالیف سید محمد الحسنی، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، ۱۹۸۰ء

[۲] تذکرۃ الرشید، ۱۳۹/۱، ۱۴۰، شائع کردہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، ۱۴۰۶ھ

عبد القادرؒ سے اور حدیث کی کتابیں شاہ عبد العزیزؒ سے پڑھیں۔ انہی کی مسند علمی پر جانشینی کی سعادت نصیب ہوئی۔ خانوادۂ شاہی کا خزانۂ کتب انہی کو ملا اور انہی سے اہل علم کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔

۱۲۴۰ھ میں حج کیا، دیارِ رسول ﷺ کی زیارت کی، محدث و مسند مکہ شیخ علامہ عمر بن عبد الکریم بن عبد الرسول عطار مکی شافعی [1] (متوفی ۱۲۴۹ھ) سے حدیث کی سند لی۔ پھر ہندوستان آ کر ۱۶ برس حدیث پڑھائی، ۱۲۵۸ھ میں اپنے اہل وعیال اور بھائی شاہ محمد یعقوب کے ساتھ دوبارہ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے، پہلے حج و زیارت کی پھر مکہ مکرّمہ میں سکونت اختیار کی اور یہاں محدّث یمانی شیخ محمد بن ناصر حازمی حسینی (۱۲۸۳ھ-۱۸۶۶ھ) نے موصوف سے حدیث کی سند لی۔

مولانا سید عبد الحیؒ لکھنویؒ نے شاہ محمد اسحاقؒ کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

الشیخ الإمام العالم المحدّث [2]

ہندوستان میں جن نامور علماء کو موصوف سے تلمذ کا فخر حاصل ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی ثم مدنی
۲۔ سید عالم علی مرادآبادی
۳۔ مولانا نواب قطب الدین محی الدین دہلوی
۴۔ مولانا احمد اللہ بن دلیل اللہ
۵۔ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی
۶۔ قاری عبد الرحمٰن بن محمد پانی پتی انصاری
۷۔ مولانا عبد القیوم بڑھانوی
۸۔ مولانا احمد علی سہارنپوری
۹۔ میاں نذیر حسین بن جواد علی بہاری ثم دہلوی
۱۰۔ مولانا اعظم حسین خیرآبادی

ان میں بہت سے ماہر و ممتاز ہوئے ہیں اور بہت سے علماء نے ان سے حدیث کی سند لی۔

---

[1] موصوف کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیے: فہرس الفہارس ۲/۲۹۶

[2] نزھۃ الخواطر، ۷/۵۱

مولانا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

واکثرهم نبغوا في الحديث و أخذعنهم ناس كثيرون حتّى لم يبق في الهند سند الحديث غير هذا السند، وذلك فضل الله يؤتيه من يشآء. ۱

شاہ محمد اسحاقؒ کے بہت شاگردوں نے فن حدیث میں کمال پیدا کیا، یہاں تک کہ سرزمین ہند میں اس کے علاوہ کوئی اور سند قابل ذکر نہیں رہی، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے وہ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔

مولانا شمس الحق ڈیانویؒ ''تذکرۃ النبلاء'' میں لکھتے ہیں:

الحديث طول عمرى ماقلتُ ماقالهُ وكان شيخهُ الشيخ عمر بن عبدالكريم رحمه الله يشهد بكماليه في علم الحديث ورجاله : قدحلت فيه بركة جدّه الشيخ عبد العزيز الدّهلوي، وكان جدّهُ الشيخ كثيراً ما يتلوهٰذهِ الاية الكريمة "الحمدلله الذي وهب لي على الكبر اسمٰعيل وإسحق۔'' ۲

عمر بھر حدیث پڑھتا تو بھی وہ مرتبہ ومقام نہ پاتا جو موصوف نے پایا ہے، ان کے شیخ عمر بن عبدالکریمؒ علم حدیث وفن رجال میں ان کے کمال کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ: ان کے نانا شیخ عبدالعزیز دہلویؒ کی برکت ان میں سرایت کرگئی تھی، یہ (اس کا اثر تھا)۔ ان کے نانا شاہ عبدالعزیزؒ اکثر اوقات یہ آیت شریفہ پڑھتے رہتے تھے:"الحمدلله الذي وهب لي على الكبر اسمٰعيل وإسحق۔'' (کہ تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے ہیں)۔

مولوی فقیر محمد جہلمی ''حدائق الحنفیہ'' میں شاہ محمد اسحٰقؒ کے متعلق رقم طراز ہیں:

مولانا محمد اسحٰق دہلویؒ: آپ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے نواسہ تھے، علوم فقہ وحدیث وتفسیر میں طاق، یگانہ آفاق، صاحب فتویٰ تھے.................. وفات آپ کی ۱۲۶۲ھ میں مکہ معظّمہ میں ہوئی، تاریخ وفات آپ کی ''اسحٰق، شیخ آفاق'' سے نکلتی ہے۔ ۳

۱ نزہۃ الخواطر، ۵۲/۷
۲ نزہۃ الخواطر، ۵۲/۷
۳ حدائق الحنفیہ، ص ۴۹۲

علامہ محسن الدین ترہتیؒ نے ''الیانع الجنی'' میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

الشیخ الأجلّ المحدّث ابو سلیمان إسحٰق بن بنت عبدالعزیز ، أخذمن جدّہٖ عبدالعزیز وجلس بعدہٗ مجلسه ٗورفع من معاوز فقدہٗ وأفادالنّاس أحسن الإفادۃ، وأفاض علیهم من سجالهٖ وکان معروفا بالعلم والورع وغیر ذلک من الفضائل الجلیلۃ۔[1]

شیخ عظیم، محدّث، ابوسلیمان اسحٰق بن بنت عبدالعزیز نے اپنے نانا شاہ عبدالعزیزؒ سے علم حاصل کیا اور شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد ان کے جانشین ہوئے، ان کے اٹھ جانے سے جو خلا واقع ہوا تھا، اسے پُر کیا، اہل علم کو خوب فائدہ پہنچایا اور اپنے علم سے انہیں فیضیاب کیا موصوف علم وتقویٰ اور دیگر کمالات وفضائل کے جامع تھے۔

ترجمة المشکوٰۃ لهٗ معروفة مرغوبٌ فیها۔ [2]

ان کے ترجمہ مشکوٰۃ کو شہرت حاصل ہے اور لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔

موصوف کی تصانیف میں سے ''مائۃ مسائل'' اور ''اُربعین'' یادگار ہیں۔

شاہ محمد اسحٰقؒ کے معاصر سر سید احمد خان ''تذکرۂ اہلِ دہلی'' میں موصوف کے متعلق رقمطراز ہیں: [3]

زبدۃ المحدثین جناب مولانا محمد اسحٰق غفر اللہ لہٗ: مخدومی، مخدوم الانامی، افضل الکرام، اشرف العظام، ملک سیرت، فرشتہ صورت، جامع رموز حقیقت وطریقت، مواظبِ اوامرِ شریعت، فخر علمائے دین، مسند المحدثین یگانہ آفاق، مولانا مولوی اسحٰق، آپ نواسہ ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم قدّس سرہٗ کے، علم حدیث کو شاہ صاحب مبرور ومغفور کی خدمت میں حاصل کیا اور کامل بیس برس تک یہ فن شریف اور علم منیف ان کے حضور میں بیٹھ کر طلبۂ جدید الفکر کو پڑھایا۔[4]

---

[1] الیانع الجنی، ص ٦٠

[2] الیانع الجنی، ص ٧٠

[3] تذکرۂ اہل دہلی صفحہ ٨١، مؤلف سر سیّد احمد خان مرحوم، تصحیح وتحشیہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، شائع کردہ: انجمن ترقی اردو پاکستان۔

[4] شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات ١٢٣٩ھ میں ہوئی، ١٢٤٠ھ میں شاہ محمد اسحٰقؒ حج کے لئے تشریف لے گئے، سر سید کے بیان کے مطابق شاہ محمد اسحٰقؒ نے بیس برس شاہ عبدالعزیز کے سامنے علم حدیث وفنون کا درس دیا۔ گویا پچیس (٢٥) برس کی عمر میں ١٢١٩ھ میں پڑھانا شروع کیا اور پہلے حج سے واپس آ کر ١٢٤١ھ سے ١٢٥٦ھ تک سولہ (١٦) برس مزید ہندوستان میں درس دیا، ١٢٥٨ھ میں ہجرت کی، دوسرے حج کے بعد آخر عمر تک تقریباً پانچ سال وہیں درس وتدریس حدیث میں مشغول رہے، ١٢٦٢ھ میں وفات پائی، گویا اپنی عمر مبارک کے تقریباً اکتالیس سال علم حدیث کی خدمت میں گزارے۔ ذلك فضل الله یؤتیه من یشآء

شاہ محمد اسحاق کے شاگرد، مولانا احمد علی سہارنپوریؒ حاشیۂ صحیح بخاری میں ان سے کہیں کہیں حدیث کی اچھی توجیہ نقل کرتے ہیں، مثلاً اسباغ وضو کی بحث میں فرماتے ہیں:

إسباغ الوضوء : الإسباغ علىٰ ثلثة انواع، فرضٌ : وهو إستيعاب المحلّ مرّةً مرّةً، وسنّةٌ: وهو الغسل ثلثاً ثلثاً ومستحبٌّ: وهو الإطالة، أي الزّيادة علىٰ اعضاء الوضوء۔ مولانا محمد اسحقؒ۔[1]

مولانا شاہ محمد اسحقؒ کے شاگردوں میں سے تین شاگردوں کے ثبت شائع ہوئے ہیں۔

۱- مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے ثبت کا نام ''تحفۃ الاخوان باسانید سیدنا مولانا فضل الرحمٰن'' علامہ احمد ابوالخیر جمال عطار احمدی کی تعریف ہے اور ۱۳۰۶ھ میں اس کی کتابت حافظ علی حسین لکھنوی نے کی تھی یہ ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے، علامہ عبدالحیٔ کتانی ''فہرس الفہارس'' میں اس کا خاص حوالہ دیتے ہیں۔

۲- مولانا محمد اعظم حسین صدیقی خیرآبادی (جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلفاءٔ میں سے تھے) کا ثبت ہے اس کا نام ''الاسناد الاعظم باعلیٰ سند یوجد فی العالم'' ہے، یہ مطبع مجتبائی لکھنؤ سے محمد عبداللہ صدیقی نے شائع کیا تھا۔ یہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے (اس کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے) اس پر تاریخ طباعت درج نہیں۔

۳- میاں سید نذیر حسین بہاری ثم دہلوی کا ثبت مولانا شمس الحسن عظیم آبادی نے ''المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف'' کے نام سے مرتب کیا تھا، ۱۳۴۱ھ میں مطبع انصاری صاحب دہلی سے شائع کیا گیا تھا۔

مشہور عالم اور اردو کے نامور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (۱۲۴۷ھ-۱۳۳۰ھ) نے علمی خانوادۂ شاہی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دینی و علمی خدمات اور کارناموں کا مختصر تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''ایں خانہ تمام آفتاب است اس خاندان نے تو ہندوستان میں اسلام کی وہ خدمتیں کی ہیں کہ بس خدا ہی ان کی داد دے گا، میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ہندوستان کے اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہے جیسا کہ عرب کے اسلام کے حق میں

[1] (صحیح بخاری، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۲۵، حاشیہ نمبر ۱۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

مہاجرین اور انصار نے کیا تھا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین...... پھر یہ مترجم قرآن (شاہ رفیع الدینؒ وشاہ عبدالقادرؒ) دلّی میں پیدا ہوئے، ان کی بولی بجائے خود سند ہے۔ مجھ سے کسی معتبر نے روایت کی تھی کہ شیخ ابراہیم ذوقؔ (۱۲۰۴ھ-۱۲۷۱ھ) شروع شروع میں میاں نصیر (متوفی ۱۲۵۴ھ) سے مشورہ کیا کرتے تھے، پھر دونوں میں منافست پیدا ہوگئی تھی تو میاں ذوق بالالتزام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتے اوران سے استفادہ سخن کرتے۔ [1]

اس علمی خانوادۂ شاہی کے آخری نام دار شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ ثم مہاجر مکّی تھے، جو اکابر دیوبند کے سرتاج ہیں۔ جس طرح شاہ ولی اللہؒ نے اپنے شیخ ابوطاہر کردی سے روایت حدیث کی سند لی، جس میں ابوطاہر کردیؒ نے عالم اسلامی کے اس دور کے نامور حفّاظ ومسندین سے اپنی سند کو زینت بخشی، اسی طرح شاہ محمد اسحٰقؒ دہلوی نے مکہ میں عمر بن عبدالرسول عطّار مکّی شافعیؒ کے واسطے سے اس عصر کے تمام عالم اسلامی کے نامور حفاظ ومسندین سے اپنی سند کو آراستہ کیا۔ یہ شاہ محمد اسحٰقؒ کی سند کی سب سے بڑی خوبی ہے کہ اس میں شاہ صاحبؒ کی طرح اس عصر کے تمام مسندین وحفاظ جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ سعادت شاہ صاحبؒ کے واسطے سے اکابر دیوبند کو بھی حاصل ہے۔

موصوف (شاہ محمد اسحٰقؒ) نے سب سے پہلے ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا اردو میں ترجمہ کیا تھا، ترجمہ بامحاورہ نہیں، لفظی ہے، معنی خیز وبرکت انگیز ہے، موصوف کے نامور شاگرد مولانا نواب قطب الدین خان (۱۲۱۹ھ-۱۲۸۹ھ) نے اردو میں مشکوٰۃ کی **''شرح مظاہر حق''** کے نام سے کی ہے، اس میں انہی کا اردو ترجمہ نقل کیا ہے پھر حدیث کی شرح کی ہے اس میں بھی شاہ محمد اسحٰقؒ دہلوی کے اسلوب وانداز کی پیروی کی ہے، اس ترجمہ وشرح میں اللہ نے جو برکت رکھی ہے اس کا ادراک وہی کر سکتے ہیں جو معنوی بصیرت سے بہرہ ور ہوں۔ [2]

---

[1] مولوی نذیر احمد کے لیکچروں کا مجموعہ، ۲/۲۷، لیکچر ۲۴، شائع کردہ مفید عام آگرہ، ۱۹۱۸ء

[2] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

(۱) نزہۃ الخواطر ۷/۵۱، ۵۲ (۲) الیانع الجنی، ص ۶۰، ۶۱ (۳) حدائق الحنفیہ ص ۴۷۴

﴾ ۱۱ ﴿ ملاّ محمد عابد سندیؒ (متوفی ۱۲۵۷ھ-۱۸۴۱ء)

حافظ محمد عابد بن احمد علی بن یعقوب انصاری سندھی ثم مدنیؒ شہر سیہون میں پیدا ہوئے موصوف کے دادا، شیخ الاسلام علی بن یعقوب سندھیؒ نے یمن کی طرف ہجرت کی اور ملاّ محمد عابد شہر زبید میں پیدا ہوئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا، وہاں سے صنعاً گئے اور وزیر کی بیٹی سے نکاح ہوا اور ایک مرتبہ صنعاً یمن کے والی عبداللہ مہدی نے ان کو مصر کے والی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ وہاں سے اپنے وطن سندھ قصبہ نواری میں واپس آئے پھر مدینہ طیبہ گئے اور حاکم مصر نے انہیں مدینہ منورہ کے علماء کا رئیس مقرر کیا پھر وہیں رہے مدینہ میں وفات پائی، ان کی اولاد نہ تھی، موصوف نے اپنا قیمتی کتب خانہ مدینہ منورہ میں وقف کیا تھا۔

صاحب فہرس الفہارس نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا ہے:

هو محدّث الحجاز ومسندهٔ العالم الجامع المحدّث الحافظ الفقيه المتبحر الزاهد في الدّنيا و زخارفها محيي السنن حين عفت رسومها وهجرت علومها ......ولم يزل مجتهداً في بثّ السنن والصّبر علىٰ جفاء أبناء الزّمن والتصنيف والجمع ...... وكان مدّةً مقامه بالمدينة مثابراً علىٰ إقرا كتب السّنّة حتّٰى اِنَّهٗ كان يختم الكتب السّتّة في ستّة أشهر۔[۱]

وہ سرزمین حجاز کے محدث ومسند، جامع عالم، حافظ حدیث، متبحر فقیہہ دنیا کی زیب وزینت سے دور رہتے تھے، انہوں نے سنن وآثار کو اپنی تعلیقات وتشریحات سے ایسے زمانے میں ازسرنو زندہ کیا جب ان علوم کو چھوڑ دیا گیا تھا اوران کے نشانات مٹ چکے تھے اور اپنی سند کے ذریعہ ان کی نشرواشاعت کی، ہمعصروں کی ایذارسانی پر صبر کیا ہمیشہ تمام تر وقت کتب سنن وآثار کی تالیف وترتیب میں لگادیا...... آخر عمر تک مدینہ میں لوگوں کو صحاح ستہ چھ ماہ میں ختم کراتے رہے۔

موصوف نے بہت سی تصانیف کا عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے۔ جن میں:

(۱) المواهب اللطيفة على مسند أبي حنيفةؒ

(۲) شرح تيسر الوصول لابن الدبيع

[۱] فہرس الفہارس جلد۲، صفحہ ۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲

(۳) شرح بلوغ المرام للحافظ ابن حجرؒ

اور سب سے مشہور ''حصر الشارد من أسانید محمدعابد'' ہے یہ مکتبہ الرشد سے خلیل بن عثمان الجبور السبیعی کی تحقیق کے ساتھ دوجلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔ [1]

﴿ ۱۲ ﴾ محمد مظہر بن لطف علی صدیقی نانوتوی (۱۲۷۲ھ-۱۳۰۲ھ/۱۸۵۶ء-۱۸۸۵ء)

یہ اپنے وقت کے بڑے عالم فقیہ ومحدث تھے۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی موصوف کے متعلق لکھتے ہیں: [2]

''الشیخ العالم المحدث احدالعلماء المبرزین فی الفقه والحدیث''

شیخ عالم محدث اور فقہ وحدیث میں نمایاں علماء میں سے ایک ہیں۔''

مولانا مملوک علی، مفتی صدرالدین کشمیری ثم دھلویؒ اور شیخ رشید الدین دہلویؒ کے شاگرد تھے۔ حدیث شاہ محمد اسحاق ؒ سے پڑھی تھی۔ فقہ کی کتاب غایۃ الأوطار کی تصحیح کی ہے۔ مظاہر العلوم میں فقہ حدیث، تفسیر اور کلام کی کتابیں پڑھاتے تھے۔

مولانا سید عبدالحیٔ لکھتے ہیں:

ثم تصدر للتدریس وافنی قواه فی تدریس الکتاب والسنة ونشر العلوم والفنون بمدرسة مظاهر العلوم فی سهارنپور فی شوال سنة ثلاث و ثمانین و مأتین و الف. [3]

۱۲۸۳ھ سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدر مدرس بنائے گئے، کتاب وسنت کی تعلیم دینے میں اپنے آپ کو گھلا دیا اور علوم وفنون کی نشر واشاعت کی، ۱۳۰۲ھ میں انتقال ہوا۔

---

[1] موصوف کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔فہرس الفہارس جلد۲، صفحہ۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲ ۲۔حدائق الحنفیہ۔ صفحہ۴۷۳

۳۔الاعلام للزرکلی، جلد۶، صفحہ۱۷۹ ۴۔الیانع الجنی، صفحہ۴۰-۶۱-۶۹-۷۳

۵۔نزہۃ الخواطر جلد۷، صفحہ۴۴۶-۴۴۹ ۶۔ابجد العلوم، صفحہ۸۵۰

۷۔الامام الفقیه المحدث الشیخ محمدعابد السندی رئیس علماء المدینة المنورہ فی عصره، بقلم سائد بکداش، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۲۳ھ

۸۔تذکرہ علماء ہند۔

[2] نزہۃ الخواطر ۸/۴۵۵ [3] نزہۃ الخواطر، ۸/۴۵۵

﴿ ۱۳ ﴾ مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ (متوفی ۱۳۱۴ھ-۱۸۹۶ء)

مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی ؒ نے درسیات کی کتابیں مولانا مملوک علیؒ اور مولانا رشید الدین دہلویؒ سے پڑھی تھیں اور تجوید اور قرأت سبعہ نیز مشکوٰۃ نامور قاری، فقیہ ومحدث اور صوفی مولانا سید امام الدین امروہویؒ (۱۱۹۳ھ-۱۲۵۶ھ) سے پڑھی تھیں ان سے سلوک طے کیا تھا۔ پھر شاہ محمد اسحاق ؒ سے حدیث پڑھی۔ ان کی عنایت وشفقت سے ان کے رازدان سمجھے جانے لگے اور انہی کے زیرتربیت ونگرانی ،فتویٰ نویسی وتدریس کے اہل اور لائق ہوئے۔ مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ ''نزہۃ الخواطر'' میں موصوف کے متعلق لکھتے ہیں:

كان أفضل عصره في الفقه وأعرفهم بطرقه [1] موصوف اپنے زمانے میں فقہ میں سب سے برتر تھے اوراس کے اصول کے سب سے زیادہ ماہر تھے۔

علم دوست نواب ذوالفقار الدّولہ نے انہیں باندہ بلایا اور ۱۲۷۳ھ تک وہیں رہے پھر پانی پت آ گئے اور یہاں پڑھاتے رہے، مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ کا بیان ہے:

وانتهت إليه رئاسة المذهب الحنفي و كان ورعاتقيًّا قانعاً مستحضر الفروغ للمذهب مع الخيرة التّامة بالفقه والأصول، صارفاً جميع اوقاته بخدمة القران والحديث عمّ نفعه لأهل العلم ما من عالم من علماء الحنفيّة في عصره إلا أخذ عنهُ رحلتُ سنة ١٣١٢ ھ وسمعتُ المسلسل بالأوّليّة منه وقرأت عليه اوليات الشيخ محمد سعيد سنبل في نسخةٍ عليها خاتم الشيخ المحدّث إسحاق بن محمدأفضل الدّهلوي فأجازني بجميع مروياته من

حنفی مذہب کی سیادت وقیادت ان پر ختم تھی اور قاری صاحبؒ پرہیز گار، متقی، صابروقناعت پسند بزرگ تھے حنفی مذہب کے اصول اور جزئیات پوری مہارت کے ساتھ ان کے ذہن میں نقش تھے، وہ ہمہ وقت قرآن وحدیث کی خدمت میں لگے رہتے تھے اہل علم کو ان سے بہت فائدہ پہنچا، اس زمانے کا کوئی حنفی عالم ایسا نہیں ہے جس نے ان سے استفادہ نہ کیا ہو اور سند نہ لی ہو، میں ۱۳۱۲ھ میں سفر کرکے ان کی خدمت میں پہنچا اور مسلسل بالأولیّۃ کا ان سے سماع کیا نیز اولیات شیخ محمد سعید سنبلؒ ان سے پڑھی، جس پر شاہ محمد اسحاقؒ فرزند شاہ محمد افضل دہلویؒ

[1] نزہۃ الخواطر: ۲۴۵/۸

مقروٴ اتہ ومسموعاتہ إجازۃً عامّۃً تامّۃً ودعالي بالبرکۃ نفعنا اللہ ببرکاتہ آمین لہٗ رسائل في الخلاف والمذھب [1]

کی مہر ثبت تھی موصوف نے مجھے اپنی تمام سنی اور پڑھائی ہوئی حدیثوں کی اجازت عام عطا کی، میرے لئے برکت کی دعا کی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی برکات سے بہرہ مند فرمائے، آمین اختلافی مسائل میں ان سے رسائل بھی یادگار ہیں۔

﴿ ۱۴ ﴾ مولانا عبدالعلی (۱۳۴۰ھ-۱۹۲۱ء)

مولانا عبدالعلی بن نصیب علی میرٹھی۔ میرٹھ کے گاؤں عبداللہ پور میں پیدا ہوئے، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا احمد علیؒ، مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ وغیرہ سے پڑھا اور ایسا کمال بہم پہنچایا کہ ۱۳۱۲ھ میں مدرسہ حسین بخش دہلی میں صدر مدرس کے منصب پر انہی کا انتخاب عمل میں آیا۔ بہت سے اہل علم نے ان سے پڑھا اور سند لی، مولانا سید عبدالحئی لکھنویؒ نے نزہۃ الخواطر میں ان کے تذکرہ کا آغاز ان الفاظ سے کیا، **الشیخ العالم الفقیہ**...... پھر ۱۳۱۲ھ میں موصوف سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے بارے میں اپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

کان کثیر التواضع، طارحاً للتکلف، ألیفا ودوداً، کثیرا الصّدقۃ، موسراً، خرجت علیہ جماعۃ من العلماء الکبار، وقرأ علیہ الشیخ محمد اشرف علی التھانوي والشیخ محمد انورشاہ الکشمیری والشیخ حسین احمد الفیض آبادی وغیرھم۔ [2]

موصوف بہت متواضع، تکلف سے دور، الفت ومحبت سے پیش آنے والے تھے بہت صدقہ وخیرات کرتے تھے، دولت مند تھے، بڑے علماء کی جماعت نے ان سے پڑھا ہے جن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد انورشاہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمدؒ فیض آبادیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دہلی میں شاہ ولی اللہ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

[1] نزہۃ الخواطر: ۲۴۶/۸
[2] نزہۃ الخواطر ۲۶۷/۸، دہلی اور اس کے اطراف، صفحہ ۵۷، تاریخ دارالعلوم صفحہ ۴۲-۴۳

﴿ ۱۵ ﴾ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (۱۲۶۹ھ-۱۳۴۶ھ/۱۸۵۲ء-۱۹۲۷ء)

موصوف انبہٹہ میں پیدا ہوئے، علم کی تحصیل اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے کی، ادب مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ سے پڑھا۔ علوم کی تحصیل سے ۱۲۸۸ھ میں فراغت پائی پھر بھوپال، سکندرآباد، بہاولپور اور بریلی میں درس دیتے رہے، اس سے اہل علم کو فائدہ پہنچا۔ ۱۳۰۸ھ سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھانا شروع کیا پھر اس کے بعد ۱۳۱۴ھ میں مظاہر العلوم میں پڑھانا شروع کیا، ۱۳۱۵ھ سے صحاح ستہ پڑھانا شروع کیں، ۱۳۳۶ھ میں سرپرست مظاہر العلوم بنایا گیا۔ فراغت کے بعد اصلاحی تعلق مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے قائم کیا۔ ۱۲۹۷ھ میں حج کیا، زیارت حرمین سے مشرف ہوئے، مکہ میں حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی زیارت کی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ہندوستان واپسی کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے بھی اجازت خلافت دی۔ [1] مکہ میں شیخ احمد دحلانؒ مفتی شافعیہ (متوفی ۱۲۹۷ھ) شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجددیؒ (متوفی ۱۲۹۶ھ) اور سیّد احمد برزنجیؒ (متوفی ۱۳۳۲ھ) سے اجازت حدیث لی۔ بھوپال میں شیخ عبدالقیوم بڈھانوی سے اور سہارنپور میں شیخ محمد مظہر نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۲ھ) سے حدیث کی سند لی اور تیس سال سے زیادہ عرصے تک یہاں تدریسی خدمت انجام دی۔ مولانا سیّد عبدالحیؒ لکھنویؒ نے موصوف کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وقد أجهدقواه وارهق نفسهٗ في المطالعة ......يصرف اكثر اوقاته في تلاوة القرآن......كان الشيخ خليل احمد له الملكة القوية و المشاركةالجيّدة في الفقه والحديث واليد الطولىٰ في الجدل والخلاف، والرسوخ التام فی علوم الدّين والمعرفة واليقين، وكانت له قدم راسخة،

موصوف نے مطالعہ وتالیف میں اپنے نفس اور قوتوں کو گھلا دیا اور اپنے آپ کو مٹا رکھا تھا، زیادہ وقت قرآن کی تلاوت کرتے تھے شیخ خلیل احمدؒ کو فقہ وحدیث میں قوی ملکہ اور خوب مہارت وقدرت حاصل تھی، اختلافی مسائل اور مناظرہ میں انہیں کامل دستگاہ حاصل تھی دینی علوم میں بڑی پختگی و کامل معرفت حاصل تھی، طالبانِ سلوک کی تربیت،

[1] تذکرۃ الخلیل صفحہ ۷۴ - ۷۵

وباع طويل في إرشاد الطّالبين، والدّلالة علىٰ معالم الرّشد ومنازل السّلوك والتّبصّر في غوامض الطّريق وغوائل النّفوس، صاحب نسبة قويّة، وإفاضات قدسية وجذبة إلهية۔ [1]

رشد وہدایت کی باتوں، سلوک کی منازل اور راہ طریقت کے رموز کی گہرائیوں اور نفوس انسانی کے مکروفریب اوران کی تباہ کن باتوں پر گہری بصیرت رکھتے تھے وہ بڑی قوی نسبت سے آراستہ تھے، فیضان الٰہی اور جذبہ الٰہیہ کی برکات سے بہرہ ور تھے۔

حضرتؒ تدریس وتالیف اور تحقیق ومطالعۂ حدیث میں عرصۂ دراز تک مصروف رہے، ۱۳۳۵ھ میں سنن أبوداؤد کی شرح ''بذل المجہود'' کی ابتدا کی اور ہمہ تن اس میں لگ گئے، دوران تالیف ہی حج کے ارادے سے مکہ معظّمہ تشریف لائے اور حج کیا، اس کے بعد ہندوستان واپس نہیں آئے اور شعبان ۱۳۴۵ھ میں بذل المجہود کی تکمیل مدینہ منورہ میں کی۔

موصوف نے سات حج کئے جن میں آخری حج ۱۳۴۴ھ میں کیا۔ [2]

مولانا نے بدھ کے دن بعد نماز عصر ۱۶/ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ کو مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ اردو میں بھی بعض کتابیں موصوف سے یادگار ہیں۔ [3]

﴿۱۶﴾ شیخ حسب اللہ شافعی مکی (۱۲۴۴ھ-۱۳۳۵ھ/۱۸۳۶ء-۱۹۱۷ء)

شیخ محمد سلمان حسب اللہ شافعی مکی نابینا عالم، مفسر، محدث، مسند مکہ اور مصنف تھے متعدد کتابیں موصوف کی یادگار ہیں۔ [4]

موصوف کے شیوخ حدیث مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شیخ عبدالغنی دہلوی (۱۲۹۶ھ)

۲۔ شیخ عثمان بن حسن دمیاطی (۱۲۶۵ھ) [5]

---

[1] نزہۃ الخواطر، ۸/۱۳۵
[2] نزہۃ الخواطر ۸/۱۳۶
[3] موصوف کے مزید حالات کے لئے دیکھئے: (۱) تذکرۃ الخلیل، (۲) تذکرۃ الرشید صفحہ۱۴۹، (۳) نزہۃ الخواطر ۸/۱۳۳ ، ۱۳۳-۱۳۷ (۴) علمائے مظاہر علوم سہارنپور اوران کی علمی وتصنیفی خدمات جلد۲ صفحہ۷۶-۷۸
[4] الاعلام، زرکلی، ۲/۱۷۷، معجم المطبوعات العربیہ، ۶/۱۵۲، معجم المؤلفین، ۱۰/۴۹
[5] فہرس الفہارس، ۲/۷۷۶

۳۔ شیخ عبدالغنی دمیاطی

۴۔ شیخ مصطفیٰ مبلّط (۱۲۸۴ھ) [۱]

۵۔ شیخ محمد بن خلیل بن محمد بن غلبون اندلسی طرابلسی (تقریباً ۱۱۵۰ھ) [۲]

۶۔ شیخ ابوالمحاسن محمد بن خیل قاوقجی (۱۳۰۵ھ) [۳]

۷۔ شیخ حسین بن ابراہیم ازہری مکی (۱۲۹۲ھ) [۴]

۸۔ شیخ برھان الدین السقا [۵]

۹۔ شیخ الشہاب احمد دمیاطی [۶]

۱۰۔ شیخ عبدالحمید داغستانی

۱۱۔ شیخ الشہاب احمد منۃ اللہ مالکی

حسب ذیل نامور علماء ان کے شاگرد ہیں:

۱۔ عبدالحیٰ بن عبدالکبیر کتانی (۱۲۸۲ھ)

۲۔ محمد بن سالم

۳۔ احمد بن ابراہیم بن عیسٰی تبرکی سدیدی نجدی (۱۳۲۹ھ)

۴۔ احمد مکی (۱۳۳۵ھ)

۵۔ احمد امین بن عزوز

۶۔ محمد عبدالباقی لکھنوی (۱۳۶۴ھ)

۷۔ محمد قیام الدین لکھنوی (۱۳۴۴ھ)

---

[۱] فہرس الفہارس، ۹۳۳/۲

[۲] الاعلام، ۱۱۷/۶

[۳] فہرس الفہارس، ۱۰۵/۱، الاعلام، ۱۱۸/۶

[۴] الاعلام، ۲۳۰/۲

[۵] الاعلام، ۸۹/۱، فہرس الفہارس، ۸۶/۱

[۶] الاعلام، ۱۰۹/۷، فہرس الفہارس، ۲۱۴/۱ و ۲۲۹

﴿ ۱۷ ﴾ شیخ عبدالجلیل برّادہ (۱۲۴۳ھ-۱۳۲۶ھ/۱۸۲۷ء-۱۹۱۸ء)

عبدالجلیل بن عبدالسلام بن عبداللہ بن عبدالسلام برّادہ۔

یہ مدینہ کے شاعر ہیں، موصوف اصلاً مغربی (مراکشی) تھے، ان کے دادا اپنے والد شیخ جیّدہ کے ساتھ ۱۱۴۵ھ میں فاس سے ہجرت کر کے مدینہ آئے اور یہیں قیام پذیر ہوگئے۔ عبدالجلیل مدینہ میں پیدا ہوئے، یہیں زندگی گزاری، دستورِ عثمانی کے اعلان کے بعد مکہ سے مدینہ لوٹتے ہوئے وفات پائی۔ بقیع میں مدفون ہیں۔

جب شیخ محمد محمود ترکزی شنقیطی حجاز میں آئے تو ان کی عبدالجلیل سے دوستی ہوگئی، لیکن باقی نہ رہ سکی پھر ہجو یہ قصیدے لکھے گئے، ان کا ایک خطّی دیوان بھی موجود ہے، انہیں عربی، ترکی، حبشی اور ہندوستانی زبانیں اچھی آتی تھیں۔ [۱]

موصوف کے نامور شیوخ حسب ذیل ہیں

۱۔ احمد منۃ اللہ مالکی ازھری
۲۔ عبدالغنی دھلوی (۱۲۹۶ھ)
۳۔ اسماعیل بن زین العابدین (والد احمد برزنجی)
۴۔ سخاوت علی ہندی
۵۔ یوسف صاوی فریری مدنی
۶۔ محمد عابد بن احمد سندھی انصاری (۱۲۷۵ھ)

موصوف کے تلامذہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ عبدالحئی عبدالکبیر کتانی (۱۳۸۲ھ)
۲۔ احمد مکی (۱۳۳۵ھ)
۳۔ ابوعبداللہ محمد مکی بن مصطفیٰ بن محمد بن عزوز برمی نفطی (۱۳۳۴ھ)
۴۔ ابن ظاھر، ابوحسن علی بن ظاہر وتری مدنی (۱۳۲۲ھ)
۵۔ احمد امین بن عزوز

---

[۱] من سلسلہ، اعلام المدینۃ المنوّرۃ ملحدسعید دفتردار، في جریدۃ المدینۃ، ۲۱ ربیع الثاني ۴ جمادی الثانیۃ ۱۳۷۹ھ، معجم الشیوخ ۲.۶۳، ۶۶ وفیہ وفاتہٗ ۱۳۲۷ھ وخروج جدہٖ من فاس إلیٰ المدینۃ ۱۱۴۱ھ وولادتہٗ ۱۲۴۲ھ الأعلام للزرکلی ۳/۲۷۵۔

﴿ ۱۸ ﴾ مفتی عثمان عبدالسلام بن محمد امین بن شمس الدین داغستانی

موصوف مدینہ منورہ میں حنفیہ کے فقیہ، محدث ومفتی تھے۔ یہ حنفی علماء کا خانوادہ تھا، ان کے باپ ''عبدالسلام'' داغستان کے شہر بشروان میں پیدا ہوئے تھے، ۱۱۴۰ھ میں ہجرت کر کے مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے، یہیں تعلیم حاصل کی، صحیح بخاری پڑھانے پر توجہ رہی۔ چار جلدوں میں اس کی تعلیقات لکھی ہیں، جو نہایت باریک قلم سے ۸۴۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں، ۱۱۶۰ھ میں اس کو مکمل کیا تھا، حرم نبوی مدینہ میں ۱۲۰۲ھ میں منصب تدریس پر ممتاز رہے۔ موصوف کی تصانیف میں ''خلاصۃ الجواہر فی طبقات الائمہ الحنفیۃ الأ کابر''، قدوری کا حاشیہ اور شمائل ترمذی کی شرح یادگار ہیں۔ اوران کے بیٹے شیخ عثمان کا شمار علماء محدثین میں ہوتا ہے، یہ مدینہ منورہ کے مشہور عالم، محدث اور مفتی تھے۔

عثمان کے بھائی عمر بن عبدالسلام (متوفی ۱۲۰۱ھ) عالم وشاعر اور مصنف تھے، موصوف نے مدینہ کے نامور معاصرین کا تذکرہ ''تحفہ الدہر فی اعیان المدینۃ المنورہ من اہل العصر'' لکھی تھی جس کا نسخہ عارف حکمت کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ [1]

موصوف کے نامور شیوخ درج ذیل ہیں:

۱: محمد بن عثمان دمشقی دومانی خطیب دوما۔

۲: عطیۃ قمّاش دمیاطی

۳: شیخ عبدالغنی دھلوی (۱۲۹۶ھ)

موصوف کے مشہور تلامذہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ عبدالحیٔ بن عبدالکبیر کتانی (۱۳۸۲ھ)

۲۔ احمد امین بن عزوز تونسی مدنی

۳۔ شیخ ابوخیر احمد بن عثمان بن علی جمال عطّار مکی ھندی (نحو ۱۳۳۵ھ) [2]

---

[1] الاعلام للزرکلی ۵/۵۰

[2] قال الزرکلی ''محدثٌ عالمٌ بالرجال''۔ (الأعلام ۱/۱۶۸) زرکلی نے موصوف کے متعلق کہا، یہ محدث، عالم اور رجال کے عالم تھے۔

﴿ ۱۹ ﴾ شیخ احمد بن اسمٰعیل بن زین العابدین برزنجی حسینی (متوفی ۱۳۳۲ھ-۱۹۱۴ء)

موصوف مدینہ منورہ میں شافعیہ کے بڑے عالم اور مفتی تھے۔ ان کے متعدد رسالے یادگار ہیں، جن میں ایک رسالہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب اور ایک رسالہ ''مقاصد الطالب فی مناقب علیؓ بن ابی طالب'' ہے۔ [۱]

موصوف کے مشہور اساتذہ:-

۱۔ والد سید اسماعیل برزنجی

۲۔ شاہ عبدالغنی دہلوی (۱۲۹۶ھ)

موصوف کے شاگرد:-

۱۔ علامہ شیخ محمد عبدالباقی بن علی بن محمد لکھنوی ثم مدنی (۱۲۸۶ھ-۱۳۶۴ھ)

۲۔ محمد قیام الدین عبدالباری بن عبدالوہاب لکھنوی (۱۲۹۵ھ-۱۳۴۴ھ)

۳۔ محمد بن عبدالرحمان

۴۔ محمد بن سالم [۲]

موصوف کا ثبت ''الإسعاد بالإسناد'' ۱۳۵۶ھ میں مکتبۃ القدسی ومطبعہ السعادۃ قاہرہ سے چھپ چکا ہے۔ مدینہ منورہ کے نامور عالم محمد ابراہیم ختنی ثم مدنی نے ۱۳۸۰ھ میں اس کا ایک نسخہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ کو ہدیہ دیا تھا۔

ختامہ مسک:

مذکورہ بالا نفوس قدسیہ کی چند تابندہ صفات کے بیان پر اپنے مقالہ کا اختتام کرتا ہوں۔

۱۔ دیوبند کے مذکورہ بالا سب علماً بلند پایہ مفتی وفقیہ تھے۔

۲۔ نامور محدث ومسند تھے۔

---

[۱] معجم المؤلفین: ۱۶۵/۱ معجم المطبوعات العربیۃ

[۲] فہرس الفہارس ۵۷۹/۲

۳۔ ان کے درسی افادات وحواشی اردو، عربی دونوں زبانوں میں زیور طبع سے آراستہ ہیں، اثبات و معجم شیوخ عربی میں مرتب وطبع ہوئے ہیں جو اس باب میں ان کی دقتِ نظر کے شاہد عدل ہیں۔

۴۔ ارشادوسلوک میں اپنے وقت کے امام تھے ان کی تالیفات اس امر کی نہایت روشن دلیل ہیں آج بھی برابر شائع ہورہی ہیں۔

۵۔ ان کے شاگردان کی حیات میں مدارس وجامعات میں افتاء وحدیث کے مسند پر جلوہ افروز تھے اور خانقاہوں میں مسندِ ارشادوسلوک پر ممتاز تھے۔ متحدہ ہندوستان پھر ہند و پاک کے اطراف، نیز سینٹرل ایشیاء میں بھی افتاء وحدیث کی تدریس اور ارشاد کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اب تو یورپ و امریکہ تک ان کے فیض کا سلسلہ جاری ہے۔

۶۔ یہ مجاہد تھے، حکومت سے برابر برسرِ پیکار رہے، حق گوئی وبیبا کی ان کا شعار رہا ہے، اور قیدو سلاسل کی مشقت بھی اٹھاتے رہے ہیں۔

۷۔ اورحدیث ''یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين و انتحال المبطلين'' [۱] کے مصداق میں باطل فرقوں کی تردید میں پیش پیش رہے۔

۸۔ ان کے شاگردوں اور مجازین کی تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔

۹۔ ان کی شخصیت رُحلہ تھیں، ان کی طرف میراثِ رسول حاصل کرنے کیلئے دور دراز سے طالبانِ حق آیا کرتے تھے۔

۱۰۔ یہ علم کے ایسے ناپیدا کنار دریا تھے جو خود پیاسوں کے پاس جاکر ان کی پیاس بجھایا کرتے حالانکہ دنیا کا دستور یہ ہے کہ پیاسے دریا کے پاس جاتے ہیں۔

۱۱۔ مسجد سے یونیورسٹی تک ان کا فیض عام ہے۔ ؎

ہم ہوئے، تم ہوئے، کہ میرؔ ہوئے
ان کے زلفوں کے سب اسیر ہوئے

---

[۱] سنن کبریٰ بیہقی، ۱۰/ ۲۰۹، مشکوۃ ۱/۸۲، شائع کردہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ،
خمس رسائل فی علوم الحدیث جمع کردہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ ص ۱۳۴-۱۴۰ شائع کردہ دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۳ھ

۱۲۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کے اس علمی خانوادہ کی دو گونہ خدمات ہیں:

(۱) عمومی فیض (۲) خصوصی فیض

فیضِ خصوصی:

ان اربابِ صدق و وفا کے خصوصی فیض کا سرچشمہ ان کے علمی اور تحقیقی کارنامے، درسی تقریریں اور ان کے شاگردوں کے درس و تدریس کا وسیع سلسلہ ہے۔ اس سے ایشیاء، افریقہ، یورپ اور امریکہ بھی قال اللہ اور قال الرسول کے نور سے روشنی حاصل کر رہا ہے۔ اور روحانی سلسلہ کا فیض بھی برابر جاری ہیں۔

فیضِ عمومی:

عمومی فیض کا دائرہ خصوصی فیض کے دائرے سے بہت زیادہ وسیع ہے، حضرت تھانویؒ کے مواعظ، ملفوظات اور حضرت مدنی ؒ کے مکتوبات و تقاریر کا وسیع ذخیرہ اور حضرت مولانا محمد الیاس ؒ کی تبلیغی دعوت اور تبلیغی جماعت کا فیضان اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے تبلیغی نصاب، فضائلِ حج، فضائل صدقات وغیرہ ہیں اس سے معمولی پڑھا لکھا بھی اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ اٹھاتا رہتا ہے۔

آج انہی وجوہ سے ان حدیث و ارشاد کی سند سب سے زیادہ احترام و عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اور اس کی حیثیت مسلّمہ و مقبول ہے۔

یہ وہ خصوصیات و امتیازات ہیں جن میں ہندو پاک میں ان کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے، دانشورانِ ہند اور ناموران اہل قلم ان کے خوانِ علم و طریقت میں ان کے زلّہ ربا ہیں۔

محمد عبدالحلیم چشتی

۱۸/۵/۱۴۲۶ھ - ۲۶/۹/۲۰۰۵ء

چہل حدیث

شاہ ولی اللہؒ

(ماہنامہ الرحیم، مئی 1967ء)

چہل حدیث شاہ ولی اللہؒ

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی

محدثین کے یہاں کتب حدیث کے اقسام ستہ میں سے چھٹی قسم اربعینات ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ عجالہ نافعہ میں رقمطراز ہیں:۔

اقسام تصانیف حدیث شش اند، جوامع و مسانید و معاجم و اجزاء ورسائل و اربعینات۔ (اور اربعینات کی تعریف یہ کی ہے) از تصانیفِ احادیث کہ آنرا اربعین نامند یعنی چہل حدیث دریک باب یا ابواب متفرقہ بیک سند یا اسانید متعددہ جمع نمایند و اربعینات ہم بیشمار اند دیدہ و شنیدہ می شوند۔

حاجی خلیفہ المتوفی ۱۰۶۷ھ 'کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، طبع استانبول سنہ ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء ج ۱ ص ۵۲ میں لکھتے ہیں:۔

اربعینات کی جمع وترتیب میں محدثین کے مقصد گوناگوں رہے ہیں بعض نے توحید وصفات کی احادیث کو ذکر کیا ہے۔ بعض نے احکام ہی کی حدیثوں کے نقل کرنے پر اکتفا کی ہے۔ بعض نے صرف عبادات سے متعلق حدیثوں کو بیان کیا ہے۔ بعض نے نصیحت اور یادِ آخرت سے متعلق حدیثوں کو جمع

کیا ہے۔ بعض نے صرف صحیح سند سے چالیس حدیثوں کا انتخاب کیا ہے۔
بعض نے اعلیٰ سند کی چالیس حدیثوں کو مرتب کیا ہے۔ بعض نے لمبی لمبی حدیثوں
کو جمع کیا ہے۔

ایک حدیث میں ایسی چالیس حدیثیں جن کا تعلق اصول یا فروعِ دین سے ہو، یاد کرنے اور نشر واشاعت کرنے پر شفاعت رسول کی بشارت آئی ہے۔ اس وجہ سے قدمانے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور سب سے پہلے عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۵ھ نے "اربعین" چہل حدیث لکھی اور پھر اس سلسلہ کو بڑا قبولِ عام حاصل ہوا۔ اور ہر نامور محدث نے کتاب الاربعین لکھی، جن میں سے بعض محدثین کی اربعینات کی ایسی شہرت ہوئی کہ نامور محدثین نے ان کی ضخیم ضخیم شرحیں لکھیں۔ چنانچہ محی الدین نووی کی کتاب الاربعین کا شمار اسی قسم کی اربعینات میں کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کے مشہور محدثین۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی المتوفی ۱۰۳۴ھ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ کی اربعینات مشہور ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی "چہل حدیث" اردو ترجمہ اور فوائد کے ساتھ کئی بار زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

غالباً سب سے پہلے اس کا اردو میں ترجمہ کرنے کی سعادت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ سید عبداللہ بن سید بہادر علی بن سید حسن بن سید جعفر مدنی ثم ترمذی، ثم لاہوری ثم "سوانی" صاحب مطبع احمدی کو حاصل ہوئی۔ موصوف نے اس کا اردو میں ترجمہ کرکے اپنی "تفسیرِ مقبول" کے مطبع احمدی کلکتہ سے ۱۲۵۴ھ میں شائع کیا تھا۔ اس کا ایک نسخہ راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے جو کتاب مذکور کے صفحہ ۱۴۲ سے صفحہ ۱۵۰ تک پھیلا ہوا ہے۔

اس ترجمہ کے چار سال بعد اس کا دوسرا ترجمہ۔ مع فوائد محمد مصطفٰے خان بن محمد روشن حنفی المتوفی ۱۲۶۹ھ صاحب مطبع مصطفائی کانپور ولکھنو نے اپنے مطبع سے ۱۲۵۸ھ میں حسبۃً للہ شائع کیا۔ موصوف کا بیان ہے:۔

در ماہ جمادی الاخریٰ ۱۲۵۸ہجری مقدسہ بمطبع مصطفائی واقع محلہ محمود نگر

زیر اکبری دروازہ من محلات بیت السلطنت لکھنو حسبۃً للہ محمد مصطفےٰ خان
ولد حاجی محمد روشن عفا عنہما الرحمٰن طبع نمود ۔

یہ ترجمہ پہلے ترجمہ سے زبان و بیان کے اعتبار سے مختلف ہے ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحؒ نے اس رسالہ میں اگرچہ مختصر حدیثوں کا انتخاب کیا ہے لیکن ہر حدیث " دریا بحباب اندر " کا مصداق ہے ۔ اور پھر مضامین کے اعتبار سے تنوع بھی خوب ہے ۔ عقائد، اعمال اور اخلاق، غرض زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایت کا سامان اس مختصر میں ہے ۔ یہ حُسنِ انتخاب شاہ ولی اللہؒ کے ذہن اور افتاد طبع کا پورا پورا غماز ہے اور اپنی افادیت کی وجہ سے بار بار شائع کئے جانے کے لائق ہے ۔

آج سے ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) برس پہلے محمد مصطفےٰ خان نے "چہل حدیث" کا جو ترجمہ اور فوائد شائع کئے ہیں اُن کی زبان قدامت کے باوجود نہایت صاف، سلیس اور رواں ہے اور فوائد بہت مختصر و جامع ہیں، یہی ترجمہ و فوائد ہدیۂ ناظرین ہے ۔

"چشتی"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدَ الْحَمْدِ وَ الصَّلٰوةِ فَهٰذِهٖ اَرْبَعُوْنَ حَدِيْثًا مُسْنَدَةً بِالسَّنَدِ الصَّحِيْحِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبَانِيْهَا يَسِيْرَةٌ وَّ مَعَانِيْهَا كَثِيْرَةٌ لِيَدْرُسَهَا رَاغِبُ خَيْرٍ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے رحم والا ۔ پیچھے تعریف خدا کے اور درود محمد مصطفےٰ کے یہ چالیس حدیثیں مُسنَد[1] ہیں صحیح سند کی نبی صلّی اللہ علیہ وسلم تک ان کے بول تھوڑے ہیں اور مقصد بہت ہیں کہ پڑھے ان کو بھلی بات چاہنے والا

ف[1] حدیث مُسند صحیح سند کی وہ ہے کہ جس کی روایت کا سلسلہ آگے پیچھے ایک دوسرے سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور اُس کے راوی متقی لوگ ظاہر شرع پر چلتے ہوں یاد میں قصور نہیں اور دین کے راہ میں عیب نہیں رکھتے ہوں جیسا آگے شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں اپنے سے آنحضرتؐ تک ۱۲ منہ سلمہ اللہ

رَجَآءَ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْ زُمْرَۃِ الْعُلَمَآءِ
لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَآءُ مَنْ
حَفِظَ عَلٰٓی اُمَّتِیْٓ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا
فِیْٓ اَمْرِ دِیْنِہَا بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی
فَقِیْہًا وَّکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ
شَافِعًا وَّشَہِیْدًا قَالَ الْفَقِیْرُ
وَلِیُّ اللّٰہِ عُفِیَ عَنْہُ شَافَہَنِیْ
اَبُوالطَّاہِرِ الْمَدَنِیُّ عَنْ اَبِیْہِ
الشَّیْخِ اِبْرَاہِیْمَ الْکُرْدِیِّ عَنْ
زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ عَنْ اَبِیْہِ عَبْدِ
الْقَادِرِ عَنْ جَدِّہٖ یَحْیٰی عَنْ جَدِّہٖ
الْمُحِبِّ عَنْ عَمِّ اَبِیْہِ اَبِی الْیُمْنِ
عَنْ اَبِیْہِ شِہَابِ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْہِ
رَضِیِّ الدِّیْنِ عَنْ اَبِی الْقَاسِمِ عَنِ
السَّیِّدِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَنْ وَّالِدِہٖ اَبِی
الْحَسَنِ عَنْ وَّالِدِہٖ اَبِیْ طَالِبٍ
عَنْ اَبِیْ عَلِیٍّ عَنْ وَّالِدِہٖ مُحَمَّدٍ
زَاہِدٍ عَنْ وَّالِدِہٖ اَبِیْ عَلِیٍّ عَنْ

واسطے امیدواری اس کی کہ بیٹھے عالموں کے
جتھے میں بموجب فرمانے نبی کے اُن پر درود
اور ثنا جو یاد رکھے میری امت کے واسطے
نفع کے چالیس حدیثیں دین کے مقدمہ میں اٹھاوے
گا قیامت میں اللہ تعالیٰ اُس کو فقیہ ف۱ اور میں ہوں گا
اُس کا قیامت کو سفارشی اور گواہ ف۲ کہتا ہے فقیر
ولی اللہ معاف ہو بھول چوک اُس کی کہ میرے
سامنے روایت کی ابوطاہر مدنی نے اپنے باپ
شیخ ابراہیم کردی سے اُس نے
زین العابدین سے اُس نے اپنے باپ عبدالقادر
سے اُس نے اپنے دادا یحییٰ سے اُس نے اپنے
دادا محب سے اس نے اپنے باپ کے چچا ابی الیمن سے
اس نے اپنے باپ شہاب احمد سے اس نے اپنے
باپ رضی الدین سے اس نے ابی القاسم سے اس
نے سید ابی محمد سے اپنے باپ ابی الحسن
سے اس نے اپنے باپ ابی طالب سے اس
نے ابی علی سے اُس نے اپنے باپ محمد زاہد
سے اُس نے اپنے باپ ابی علی سے اُس نے

ف۱ فقیہ یعنی بوجھ والا سمجھا خدا اور رسول کی بات ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۲ یہاں سے بیان ہے سند صحیح کا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنے سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک ذکر راویوں کا کرتے ہیں تو ان سے جو خبردار ہیں وہ جان لیں ۱۲ منہ سلمہ ربہ

اَبِی الْقَاسِمِ عَنْ وَّالِدِہٖ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَنْ وَّالِدِہٖ الْحُسَیْنِ عَنْ وَّالِدِہٖ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْہِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ زَیْنِ الْعَابِدِیْنَ عَنْ اَبِیْہِ الْاِمَامِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْہِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

لَیْسَ[۱] الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ وَبِہٖ[۲] اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ وَبِہٖ[۳] اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰۃُ الْمُسْلِمِ وَبِہٖ[۴] اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ وَبِہٖ[۵] اَلدَّآلُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ وَبِہٖ[۶] اِسْتَعِیْنُوْا عَلَی الْحَوَآئِجِ بِالْکِتْمَانِ وَبِہٖ[۷] اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ وَبِہٖ[۸] اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ وَبِہٖ[۹] اَلْحَیَآءُ

ابی القاسم سے اس نے اپنے باپ ابی محمد سے اس نے اپنے باپ حسین سے اس نے اپنے باپ جعفر سے اُس نے اپنے باپ عبداللہ سے اس نے اپنے باپ امام زین العابدین سے اس نے اپنے باپ امام حسین سے اُس نے اپنے باپ علی بن ابی طالب سے راضی ہو اللہ اُن سب سے کہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

خبر[۱] دیکھنے کے برابر نہیں ف[۱] اور[۲] اسی اسناد سے لڑائی دھوکے کا نام ہے۔ ایک[۳] مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے ف[۲] جس[۴] سے مشورت لی جائے اُسے امانت داری لازم ہے ف[۳] نیک[۵] کام کا بتانے والا ثواب میں کرنے والے کے برابر ہے۔ مدد[۶] چاہو کاموں میں چھپا کر ف[۴] دوزخ[۷] سے بچو آدھا ہی چھوہارا دے کر سہی۔ دُنیا[۸] قید خانہ ہے ایماندار کا اور بہشت ہے کافر کی۔ شرم[۹]

ف[۱] مثل مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۱۲ منہ

ف[۲] یعنی روبرو اس کے عیب جتا دیوے اور پیٹھ پیچھے اُس سے دل صاف رہے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف[۳] یعنی جو اُس کے حق میں بہتر اس کو کہہ دے اور اس کے بھید سے کسی کو خبر نہ کرے ۱۲ منہ

ف[۴] یعنی چپکے چپکے اس کی تدبیر میں رہو کہ شر حاسد سے بچو ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف[۵] یہ جو نشانی بہ کی ہے اس کے یہ معنی کہ اسی اسناد سے روایت ہے یہ بھی حدیث ۱۲ منہ سلمہ ربہ

خَيْرٌ كُلُّهُ[۱] وَبِهِ عِدَةُ الْمُؤْمِنِ كَأَخْذِ الْكَفِّ وَبِهِ[۱۱] لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ[۱۲] وَبِهِ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا[۱۳] وَبِهِ مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى[۱۴] وَبِهِ الرَّاجِعُ فِي هِبَتِهٖ كَالرَّاجِعِ فِي قَيْئِهٖ[۱۵] وَبِهِ الْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ[۱۶] وَبِهِ النَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمُشْطِ[۱۷] وَبِهِ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ[۱۸] وَبِهِ السَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ[۱۹] وَبِهِ وَإِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَّإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا[۲۰] وَبِهِ عَفْوُ الْمُلُوْكِ إِبْقَاءٌ لِلْمُلْكِ[۲۱] وَبِهِ الْمَرْءُ مَعَ

سراسر بہتر ہی ہے۔ [۱۰] ایمان دار کا وعدہ کرنا جیسا کہ ہاتھ پکڑ لینا ف۱ [۱۱] حلال نہیں ایمان دار کو کہ اپنے بھائی کو چھوڑے تین دن سے زیادہ ف۲۔ [۱۲] وہ ہم سے نہیں جو ہماری خیانت کرے ف۳ [۱۳] جو تھوڑی چیز ہو اور کفایت کرے بہتر ہے اس سے جو بہت ہو اور غفلت میں ڈالے۔ [۱۴] دی چیز کا پھیر لینے والا جیسے وہ شخص کہ اپنی قے کو کھاجاوے۔ [۱۵] بلا مقرر ہے بولنے پر ف۴۔ [۱۶] آدمی جیسے کنگھی کے دندانے ف۵ [۱۷] بے پرواہی وہ جو دل کی بے پرواہی ہو۔ [۱۸] نیک بخت وہ ہے جو دوسرے کا حال دیکھ کر آپ خبردار ہو جاوے۔ [۱۹] اور البتہ بعضے شعر تو سراسر حکمت ہی ہوتے ہیں اور البتہ بعضی تقریر تو جادو ہوتی ہے ف۶ [۲۰] بادشاہوں کی بخشش ملک باقی رکھنے کا سبب ہے ف۷۔ [۲۱] آدمی اس کے ساتھ ہوگا

ف۱ یعنی مؤمن نے جب زبان سے وعدہ کیا پھر اُس کے خلاف ہرگز نہیں کرتا ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۲ یعنی اگر تین دن خفگی رہے تو روا ہے اور اگر نہ رہے تو اور بھی بہتر ہے۔ مُراد دنیا کی ناخوشی ہے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۳ یعنی اسلام کے طریق پر نہیں جو مسلمانوں سے دغابازی کرے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۴ یعنی اکثر بولنے سے آدمی بلا میں گرفتار ہوتا ہے اگر چپ رہا کرے تو بچا رہے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۵ یعنی اگر بعضوں میں خلل ہوا تو سب میں ہوا ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۶ یعنی آدمی سُن کے لوٹ پوٹ ہو جاتا ہے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۷ یعنی اگر زیادہ تیزی کرے تو رعیت ویران ہو جاتی ہے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

مَنْ اَحَبَّ [۲۲] وَبِهٖ مَا هَلَكَ امْرُءٌ	جس سے محبت رکھتا ہے۔ [۲۲] نہ برباد ہوا وہ آدمی
عَرَفَ قَدْرَهٗ [۲۳] وَبِهٖ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ	جس نے اپنی حقیقت پہچانی۔ [۲۳] لڑکا عورت کا
وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ [۲۴] وَبِهٖ اَلْيَدُ الْعُلْيَا	اور مرد حرام کار کو پتھر ف ۱۔ [۲۴] اوپر کا ہاتھ
خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى [۲۵] وَبِهٖ	بہتر ہے تلے والے ہاتھ سے ف ۲۔ [۲۵]
لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ	خدا کا حق نہ مانے گا جس نے لوگوں کا حق نہ مانا۔
[۲۶] وَبِهٖ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ	[۲۶] دوستی چیز کی تجھ کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے ف ۳
[۲۷] وَبِهٖ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ	[۲۷] احسان کرنے والے کی محبت پر
مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا وَبُغْضِ مَنْ اَسَاءَ	دل بنائے گئے اور برائی کرنے والے کی
اِلَيْهَا [۲۸] وَبِهٖ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ	عداوت پر ف ۴۔ [۲۸] گناہ سے توبہ کرنے والا
كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ [۲۹] وَبِهٖ اَلشَّاهِدُ يَرٰى	بے گناہ کے برابر ہے ف ۵۔ [۲۹] حاضر دیکھتا ہے
مَا لَا يَرَاهُ الْغَائِبُ [۳۰] وَبِهٖ اِذَا جَاءَكُمْ	اس کو کہ غائب نہیں دیکھتا ف ۶ [۳۰] جب کسی قوم
كَرِيْمُ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ [۳۱] وَبِهٖ اَلْيَمِيْنُ	کا سردار آوے تم پاس تو اس کی تعظیم کرو۔ [۳۱] جھوٹی
الْفَاجِرَةُ تَدَعُ الدِّيَارَ الْبَلَاقِعَ	قسم ملکوں کو اجاڑتی ہے۔
[۳۲] وَبِهٖ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ	[۳۲] جو اپنے مال کے بچانے سے مارا جاوے

ف ۱ یعنی اگر زنا سے لڑکا پیدا ہو تو اُس کی ماں مالک ہے باپ مالک نہیں ۱۲ منہ

ف ۲ یعنی دینے والا بہتر ہے سائل لینے والے سے ۱۲ منہ

ف ۳ یعنی جس چیز کی محبت تیرے دل میں جمی پھر اس کا عیب تجھ کو نظر نہیں پڑتا اور اگر کوئی اس کی برائی بیان کرے تو تو اُس کو دل سے نہیں سنتا ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف ۴ یعنی محسن کی محبت اور موذی کی عداوت دل کی پیدائشی صفت ہے ۱۲ منہ

ف ۵ یعنی توبہ کرنے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں ۱۲ منہ

ف ۶ مثل مشہور ہے ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ — یعنی جب تک نہ دیکھے چیز کو آنکھوں سے اُس کی گواہی نہ دے ۱۲ منہ

فَهُوَ شَهِيْدٌ ۳۳ وَبِهٖ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ ۳۴ وَبِهٖ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ ۳۵ وَبِهٖ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا ۳۶ وَبِهٖ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ اُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا يَوْمَ الْخَمِيْسِ ۳۷ وَبِهٖ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا ۳۸ وَبِهٖ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ ۳۹ وَبِهٖ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ ۴۰ وَبِهٖ خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى۔

تو وہ بھی شہید ہے۔ ۳۳ کاموں کا اعتبار نیت سے ہے ف۱۔ ۳۴ قوم کا سردار اُن کا خدمت گار ف۲۔ ۳۵ سب کاموں میں میانہ روی بہتر ہے ف۳۔ ۳۶ الٰہی برکت دے میری امت کے اوّل روز کے جانے میں روز پنجشنبہ کے۔ ۳۷ لگتا ہے کہ محتاجی کفر ہو جاوے ف۴۔ ۳۸ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے ف۵۔ ۳۹ مجلسیں امانت داری کے ساتھ ہوتی ہیں ف۶۔ ۴۰ سب سے بہتر توشہ پرہیز گاری ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

ف۱ یعنی اگر نیت صحیح ہے تو عمل بھی صحیح ہے اور اگر نیت خراب تو عمل بھی خراب ۱۲ منہ

ف۲ یعنی سردار کو لازم ہے کہ اپنی قوم سے غافل نہ ہو اور خدمت کرے ۱۲ سلمہ ربہ

ف۳ یعنی کمی اور زیادتی خوب نہیں ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۴ یعنی بعضے قسم کا فقر آدمی کو کافر کرتا ہے اس سے بچا کرے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

ف۵ یعنی بے حاجت آدمی کو سفر نہ چاہیئے کہ مفت محنت اور مشقت میں پڑ جاتا ہے ۱۲ منہ

ف۶ یعنی مجلس کی بات باہر نہ کہے ۱۲ منہ سلمہ ربہ

خطاب

رموزِ تدریس و تربیت

(12 مئی 2010ء)

حضرت مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم

﴿مورخہ ۱۲ رمئی ۲۰۱۰ء بروز بدھ﴾

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

اما بعد! أعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم

(قل اطيعوا الله واطيعو الرسول)

میرے بزرگو! میں تو اس لائق نہیں کہ آپ سے خطاب کرتا یہ حضرات لے آئے ہیں تو کچھ کہنا ہے تو قرآن مجید میں جو فرمایا گیا ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو جاہلیت کا زمانہ تھا اس میں ظاہر بات ہے کہ ساری ایسی قوم میں حضور کو بھیجا گیا جو تمدن سے یعنی جو مروجہ معنی ہے اس اعتبار سے تمدن سے وہ قوم بہت دور تھی۔ اس میں پڑھے لکھے لوگوں کا شمار تو انگلیوں پر ہوتا تھا۔ ایسی قوم میں بھیجا گیا جنہیں تمدن سے کم ہی واسطہ تھا۔ تمدن کا مطلب یہ ہے جن میں لکھنے پڑھنے کا کوئی رواج ہو، تو ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج برائے نام تھا ایسا کہ انگلیوں میں گنا جائے ان کے یہاں معراج تمدن کی یہ تھی کہ آدمی کو تین باتیں آتی ہوں۔

۱۔ تیراندازی آتی ہو۔

۲۔ تیراکی آتی ہو۔

۳۔ لکھنا پڑھنا آتا ہو۔ وہ پڑھا لکھا متمدن کہلاتا تھا۔ اس کو مرد کامل کہا جاتا تھا۔ آدمی ایسا ہو جو لکھ پڑھ سکتا ہو وہ مرد کامل ہے۔ جس میں یہ تین باتیں ہوں گویا وہ مرد مہذب بھی ہے اور عرف عام میں گویا مرد کامل بھی ہے۔ جو خوبیاں کمالات کی ہوتی ہیں وہ اس میں جمع ہیں۔ آپ اندازہ کیجئے کہ ایک ایسی قوم میں حضور ﷺ کو مبعوث کیا جس کی معراج کمال یہی ہے کہ اس کو اتنا آتا ہو۔

جب حضور ﷺ کو بھیجا گیا رسالت سے سرفراز کیا گیا تو آپ نے خفیہ طور پر دعوت کا آغاز کیا اور پڑھنے لکھنے کا سوچنے سمجھنے کا اس قوم کو عادی بنایا چنانچہ حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو وہ بھی ایسی خفیہ کہ رازداری کے ساتھ یہ کام چلتا رہا اور جب تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام نہ لائے اس وقت تک یہ قصہ ایسا ہی چلتا رہا۔

مکی زندگی میں فقہی بصیرت کا آغاز:

ابھی حضور ﷺ کی بعثت کے چھ سال گزر چکے تھے، آپ دیکھئے کہ اس خفیہ دعوت وتبلیغ کا ایسا اثر تھا کہ پورا معاشرہ بلبلا اٹھا تھا۔ جو وہاں جاتا ان کا اسیر ہو جاتا، اور ایسا گرویدہ ہوتا کہ سب کچھ چھوڑ کر انہیں کی بات مانتا انہیں کے کہے پر چلتا، یہ ۶۱۷ء کی بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) نے جب یہ ساری صورتحال دیکھی تو ان سے برداشت نہ ہوا، چنانچہ ایک روز تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے کہ آج اس کا کام تمام کرنا ہے۔ راستے میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا کیا حال ہے؟ کہاں چلے؟ کہا کہ بس آج تو اس کا کام تمام ہی کرنا ہے، ان صاحب نے کہا کہ بھائی وہاں بعد میں جاؤ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ آپ کی بہن اور بہنوئی خود ہی اس دعوت کے شکار ہو گئے ہیں۔ یہ سن کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بجائے ادھر جانے کے بہن کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، یہاں پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز سنی۔ پتہ چلا کہ کوئی صاحب بہن اور بہنوئی کو پڑھا رہے ہیں۔ کنڈی کھٹکھٹائی۔ بہن، بہنوئی نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کو جو قرآن پڑھا رہے تھے یعنی معلم کے فرائض انجام دے رہے تھے، مکان کے کسی کونے میں چھپا دیا اور دروازہ کھولا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر داخل ہوتے ہی کہا کہ جلدی بتاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے؟ لاؤ دکھاؤ کیا ہے تمہارے پاس؟ وہ بے چارے انہیں سمجھانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپے سے باہر ہو گئے اور بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا پیٹا، آخر کار بہن نے کہا کہ بھائی ہمیں دکھانے میں کوئی تامل نہیں ہے لیکن اس کے چھونے کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ ظاہری طہارت کرلیں **لا یمسه الا الطاهر** اسے پاک صاف ہو کر ہی چھونا چاہئے چنانچہ وہ پاک صاف ہو گئے، اب بہن نے وہ آیت انہیں دکھادی جو وہ پڑھ رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ آیت پڑھی، اور پڑھتے ہی ان کی کایا پلٹ گئی، اندازہ فرمائیے کہ تعلیم وتربیت کا اس زمانہ میں یہ حال تھا کہ خواتین تک کتاب کا ادب واحترام جانتی تھیں اور فقہی بصیرت ومسائل سے واقف تھیں کہ کس طرح سے اس کو پڑھنا ہے، اور کیسے اس کی حفاظت کرنی ہے؟

اس واقعہ سے یہ عقدہ کھلا اور یہ حقیقت سمجھ میں آئی کہ بعثت نبوی کے ابتدائی زمانہ میں تعلیم وتربیت کا سلسلہ ایسے موثر انداز میں جاری تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جبکہ ابھی صرف ۱۲ خواتین اور

۴۰ مرد اسلام لائے تھے، پڑھنے لکھنے سے نا آشنا ونابلد اور سامان کتابت سے ناواقف قوم کو ادب واحترام اور پاکیزہ اخلاق کے اعلیٰ معیار کا مالک بنادیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی دور کے مسلم معاشرہ کا ہر فرد بلند اخلاق سے آراستہ تھا، اور جو ایسا ہو وہ کسی بھی طرح کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا، اور معلوم ہوا انفرادی واجتماعی دونوں طرح کی تعلیمات ہر مسلمان کا فریضہ ہیں، اسی سے اسلام کی روشن تعلیمات کی حقانیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی آیت پڑھ کر متاثر ہوئے تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو بلا لیا گیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابشر، تمہیں بشارت ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے اسلام کے لئے دعا کی تھی ان میں سے ایک تم ہو۔ ابھی اور آگے چلیں، ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت نہیں کی تھی کہ مدینہ سے ایک وفد آیا اور اسلام قبول کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی کہ ہماری رہنمائی وتعلیم کے لئے کسی کو بھیجئے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر مدینہ بھیجا، اور فرمایا

"لیقرأهم القرآن ولیفقههم"

"اصل مقصود حدیث سے فقہی بصیرت پیدا کرنا ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریرات۔

کسی صحابی نے کوئی عمل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی اور اسے درست قرار دیا تو اسے تقریر کہتے ہیں۔

احادیث کا ایک حصہ وہ ہے جس میں آپ کے جسمانی اوصاف یعنی حلیہ مبارکہ، قد وقامت، گفتار ورفتار، عادات واطوار، اور میل جول وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ان احادیث کو شمائل کہا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابدی ہے اور ان کی رسالت قیامت تک کے لئے ہے اسی لئے انبیاء میں کوئی نبی ایسا نہیں جس کی تعلیمات روز اول سے ایسی محفوظ ہوں جیسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات محفوظ ہیں

یہ اس امت کا کمال ہے کہ اس نے اپنے نبی کی ساری چیزیں محفوظ کیں۔ یہی دین اور یہی شریعت ہے۔امت محمدیہ میں دین کی حفاظت کرنیوالے دوقسم کے ہوئے۔

(۱) ایک فریق وہ ہے جس نے حضور ﷺ کے مبارک ارشادات کو جوں کا توں محفوظ رکھنے کی خدمت سرانجام دی اور عربوں کا حافظہ ضرب المثل ہے، وہ لکھتے کم تھے، وہ اپنا ثقافتی سرمایہ اشعار کی صورت میں اپنے دل ودماغ میں نقش کر لیتے تھے، کسی کے ہاں کوئی شاعر پیدا ہوتا تو بڑی بڑی ضیافتیں اوردعوتیں کی جاتی تھیں، حتی کہ عہد عباسی تک عرب اپنا ثقافتی سرمایہ سینوں میں محفوظ رکھتے آرہے تھے۔

ابوعمرو اسحٰق بن مرار مشہور امام اللغۃ، محدث اور امام احمد بن حنبل کے استاد ہیں، ان کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ اسّی (۸۰) سے زیادہ قبائل کے دواوین انہیں حفظ تھے، موصوف نے ان دواوین کو مرتب کیا، جب ایک دیوان مرتب کرتے تو قرآن کریم کا ایک نسخہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر کوفہ کی مسجد میں وقف کردیتے تھے، اس طرح کرتے کرتے قرآن کریم کے اسّی (۸۰) سے زیادہ نسخے وقف کردیئے، موصوف نے ۱۱۲ سال عمر پائی اور جب تک دم میں دم رہا اپنے ہاتھ سے لکھتے رہے۔اس سے معلوم ہوا کہ عرب کس بلا کے حافظہ کے مالک تھے، اور معلوم ہوا کہ صحابہ احادیث کے علوم صدور میں محفوظ کرتے تھے حتی کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ارشادات کو لکھنا شروع کردیا تو اس پر بعض صحابہ نے اعتراض کیا کہ حضور ﷺ تو بشر ہیں خوشی ناخوشی مختلف کیفیات میں ہوتے ہیں ہر بات لکھنے سے خلط ملط کا اندیشہ ہے۔اس پر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے یہ بات رکھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"لایخرج منہ الاحقا"

فرمایا کہ لکھا کرو، میری زبان سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی، تو اس طرح سے لکھنے والے بھی پیدا ہوگئے اور حضور ﷺ نے لکھنے کا بھی اہتمام فرمایا، چنانچہ غزوۂ بدر میں لکھنا پڑھنا جاننے والے قیدیوں کی رہائی کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں، پھر آزادی ملے گی۔جس دنیا میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون ہو وہاں ارباب فن وکمال کو اتنی آسانی سے رہائی نہیں ملتی، چنانچہ جب جرمن کی حکومت جاتی رہی تو وہ وہاں کے سارے جرمنی دانشوروں کو پکڑ کرلے گئے اپنے وطن میں رہنے نہ دیا، اور سال بھر کے بعد ایک دیوار برلن بنادی کہ اس پر آکر درشن کروادیا کرو۔لیکن

ادھر حضور ﷺ کے کریمانہ اخلاق ملاحظہ فرمائیں کہ صرف دس بچوں کولکھنا پڑھنا سکھانے پر ارباب فن وکمال کوبھی رہائی مل رہی ہے، سبحان اللہ، حضور ﷺ نے اقرأ اور علّم بالقلم دونوں چیزوں پر کام کیا اور کروایا۔ حتی کہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ کے پاس قلم ودوات موجود تھے، چنانچہ دوران ہجرت آپ ﷺ نے سراقہ کوامان نامہ لکھ کردے دیا تھا۔ جیسے جیسے قرآن کریم کا نزول ہوتا، حضور ﷺ اسے لکھواتے یوں کتابت کا سلسلہ پروان چڑھتا رہا۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح آپ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے تعلیم کوعام کیا آپ کے شیدائیوں نے بھی آپ کے اقوال وافعال اور کیفیات کو اقرأ اور علم بالقلم کے ذریعہ محفوظ کیا، توایک فریق تو وہ ہے جو حضور ﷺ کے اقوال وافعال کو جوں کا توں محفوظ رکھتا ہے یہ فریق محدثین کی جماعت ہے۔ حضور ﷺ نے ان کو ہدایت کی تھی کہ تم نے جو چیز محفوظ کی ہے وہ دوسروں تک پہنچادو۔ ممکن ہے جن کو تم پہنچارہے ہو وہ تم سے زیادہ سمجھدار ہوں، اور سب سے زیادہ اس کی تہ تک پہنچنے اور حکم مستنبط کرنے والے ہوں، تو حضور ﷺ نے سارے عالم کو یہ ہدایت کی یہ علم کسی کی میراث نہیں ہے، اسے آگے پہنچاؤ، الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدها فهو احق بها اور مسلمانوں نے یہی کیا کہ جن کے کتب خانوں سے انہوں استفادہ کیا ان میں علمی اضافہ کرکے ان کے فیض کوعام کردیا اور ہر پڑھے لکھے کوان سے استفادہ کا موقع حاصل ہوا۔

اسلام میں کتابوں پر کوئی ٹیکس نہیں ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بعض حضرات مسجد میں بیٹھ کردرس دیا کرتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنروں کولکھا کہ بھائی مسجدوں میں درس دینے والوں کے نام اور کیفیات میرے پاس بھیجدو، گورنروں نے درس دینے والوں کی کیفیات لکھ کر عمر بن عبدالعزیز کو بھیج دیں، چنانچہ انہوں نے ان سب کا وظیفہ جاری کردیا، اس میں بعض حضرات نے لیا اور بعض نے انکار کردیا۔ جنہوں نے انکار کیا ان کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز نے لکھا۔

"کثر الله امثالك" اللہ تم جیسے بہت پیدا کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کی تعلیمات کی حفاظت کس طرح سے ہوئی ہے، ان ہی تعلیمات کوعام کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اقوال واحوال کو کتابوں میں درج کرلیا گیا۔ اب کسی نے

حدیثیں زبانی یاد کیں تو حافظ حدیث کہلایا، اور کسی نے ویسے ہی سمجھ کر کوئی حکم مستنبط کیا تو وہ فقیہ کہلایا، کہیں ایسا بھی ہوا کہ دونوں جمع ہو گئے تو حافظ حدیث بھی ہوئے اور فقیہ بھی۔

رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو انہیں زبردستی سوار کیا اور خود پیادہ پا ساتھ چلے، پھر جو سوالات کئے ان میں جو سب سے اہم ہے یہ تھا کہ بھئی تمہیں جہاں بھیجا جا رہا ہے وہاں تم معاشرہ کے مسائل کیسے حل کرو گے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ میں تلاش کرونگا، آپ نے فرمایا اگر اس میں نہ ملے تو؟ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت رسول میں دیکھونگا، فرمایا اس میں بھی نہ ملے تو؟ اس سوال سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ دیکھو نصوص وسنن محدود ہیں اور نوازل واقعات غیر محدود ہیں، انہیں کیسے حل کرو گے؟ فرمایا پھر میں اجتہاد کرونگا، دیکھئے حضور ﷺ نے اس کو بہت پسند کیا اور آپ کی بڑی تعریف کی، اور دعا بھی دی، اور فرمایا کہ ممکن ہے آئندہ تم مجھے نہ پاؤ، گویا آپ نے خود اپنی امت کو یہ فرما دیا کہ پیش آمدہ مسائل کا حل تمہارے ذمہ ہے، چنانچہ جس جماعت کا کام مسائل حل کرنا تھا وہ مسائل حل کرتے رہے، اور جس جماعت کا کام حدیثیں یاد کر کے آگے پہنچانا تھا، وہ حدیثیں لکھواتے رہے اور آگے پہنچاتے رہے، اور املا کا ایسا چرچا ہوا کہ محدثین نے حدیث کے جملہ علوم میں اس کا اہتمام کیا، محدثین جب پوری کتاب املا کرا دیتے تو استاد آخر میں تمام شاگردوں کے نام مع اجازت کے کتاب پر لکھ لیتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک صاحب نے جس کا نام کتاب کے آخر میں درج تھا اپنے شریک درس سے (جس کے پاس کتاب کا نسخہ موجود تھا) کہا آپ اپنی کتاب مجھے عاریتاً دیدیں میں نقل کر کے آپ کو دیدونگا، اس نے دینے سے انکار کر دیا، اس ساتھی نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ میں اس شخص کے ساتھ درس میں شریک تھا اور اب یہ اپنا نسخہ نقل کے لئے مجھے دینے سے انکار کرتا ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب نے موصوف کے حق میں فیصلہ کر دیا اس طرح سے اسلامی قلمرو میں سارے نسخے پھیلتے رہے۔

عہد رسالت میں مفتی کے فتوے پر صحابہ کا عمل:

گونا گوں مشغولیوں کی بنا پر حضور ﷺ ہمہ وقت دربار رسالت میں موجود نہیں رہتے تھے، اس

لئے حضورﷺ کی غیر موجودگی میں کوئی مسئلہ یا حادثہ پیش آتا اور حضورﷺ کے مامور کردہ مفتیان کرام موجود ہوتے تو مسئلہ بتادیتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کسی جگہ جنگل سے شیر آنکلا اس کو پکڑنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ گڑھا کھودا گیا اس پر بلیاں اور چٹائیاں ڈالکر اوپر سے مٹی ڈالی گئی، چنانچہ شیر اس گڑھے میں جاگرا، اور ادھر شور ہوا کہ شیر آگیا شیر آگیا، سب شیر کو دیکھنے دوڑے، اب گڑھے کے اردگرد کچھ نہ ہونے کی وجہ سے دیکھنے والوں میں ایک کا پاؤں پھسلا، اس نے برابر والے کو پکڑا، اس نے تیسرے کو پکڑا تیسرے نے چوتھے کو پکڑا، اب چاروں کے چاروں گڑھے میں گرے، اور شیر نے چاروں کو شکار کیا۔ اب دیت کا مسئلہ پیدا ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے مسئلہ کا جواب ارشاد فرمایا، پھر یہ فتویٰ حضورﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے اس کی تصویب فرمائی، یہ چیزیں تقریر کہلاتی ہیں، اور فتوے پر عمل کرنا تقلید ہے۔

اور محدثین جو حدیثیں یاد کرتے تھے کبھی کبھار چپ چاپ ان کا امتحان بھی لیا جاتا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ عبد الملک نے کہا کہ بچوں نے آپ سے حدیثیں سننے کی فرمائش کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک تختہ پر بٹھایا جس پر پردہ تھا اور تختہ کے نیچے خفیہ طور پر ایک کاتب بٹھایا، اب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثیں بیان کرتے رہے، اور وہ کاتب لکھتا رہا، یہاں تک کہ اس طرح عبد الملک نے بچوں کو پڑھانے کے بہانے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیثیں لکھوالیں پھر سال بھر کے بعد عبد الملک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بلایا اور کہا کہ بچوں کو وہ حدیثیں اب یاد نہ رہی، لہذا آپ دوبارہ بیان کردیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر حدیثیں بیان کردیں، اور حسب السابق تختہ کے نیچے کاتب لکھتا رہا یہاں تک ۴۰۰ حدیثوں میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا، اندازہ کیجئے صحابہ وتابعین نے احادیث کی حفاظت میں کس درجہ محنت اور احتیاط کی ہے۔

محدث کا وظیفہ صرف حدیثیں بیان کرنا ہے۔

مسائل کا استنباط مجتہد کا وظیفہ ہے۔

نصوص شرعیہ سے مسائل کا استنباط کرنا فقیہ ومجتہد کا کام ہے چونکہ فقیہ مجتہد خوف آخرت کے پیش نظر استخراج مسائل سے احتراز کرتا ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے اجتہاد میں بایں معنی وسعت رکھی کہ جو شخص صدق نیت سے محض شرعی مسئلہ واضح کرنے کے لئے اجتہاد کرے تو اس پر اجر کا وعدہ کیا، اجتہاد

درست ثابت ہونے پر دو اور غلط نکلنے پر ایک اجر کا وعدہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوا مجتہد مخطی ہونے کی صورت میں بھی اس سے باز پرس نہیں ہوگی، ہاں اگر اجتہاد کی بنیاد محض ہوا وہوس پر ہو تو اس پر کسی بھی اجر کا وعدہ نہیں ہے اور اس کی سزا جہنم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مجتہدین استنباط مسائل میں کس درجہ احتیاط کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اگر قضا کا عہدہ سرکار کی طرف سے ملتا تو محتاط لوگ اسے قبول نہیں کرتے تھے، چنانچہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ویسے تو سارا مذہب مدون کیا لیکن سرکار کی طرف سے پیش کردہ قضا کا عہدہ قبول کرنے پر موت کو ترجیح دی۔

پھر فقہا میں دو گروہ ہو گئے۔

۱۔ ایک طبقہ وہ تھا جو مسئلہ پیش آنے کی صورت میں حکم بتا دیتے تھے۔

۲۔ دوسرا طبقہ وہ تھا جو مسئلہ پیش آنے سے پہلے ہی اس کی پلاننگ کرتے تھے، چنانچہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انہی فرضی مسائل کو بھی زیر بحث لاتے تھے اور یہ بات کوئی خلاف شریعت نہیں ہے، عہد رسالت میں بھی صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرضی مسائل پوچھے ہیں، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں اپنے بستر پر کسی غیر مرد کو دیکھوں تو کیا کروں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار گواہ لاؤ۔ ملاحظہ فرمائیں آپ نے کہ ابھی مسئلہ واقع نہیں ہوا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کا حکم پوچھ رہے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں۔

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان فرضی مسائل کا زیادہ تر جواب نہیں دیتے تھے، چنانچہ اسد بن فرات امام مالک کے پاس آئے تو امام مالک بڑی توجہ سے ان کو پڑھاتے رہے، پھر جب اسد بن فرات نے فرضی سوالات شروع کر دیئے تو امام موصوف نے دو تین کے تو جوابات دیئے، مزید فرضی سوالات کرنے پر امام مالک نے اسد بن فرات سے کہا کہ میاں عراق کا راستہ لو تمہارا مطلب وہیں حاصل ہو سکتا ہے ہم واقع شدہ مسائل کا جواب دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسائل کا استنباط فقیہ و مجتہد کا وظیفہ ہے محدث کا نہیں۔ کتب حدیث پڑھانے کے تین طریقے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پڑھانے کے تین طریقے ذکر کئے ہیں:

۱۔ سرد کا طریقہ: سرد یہ ہے کہ صرف الفاظ کو پڑھا جائے۔

۲۔ بحث کا طریقہ: عبارت پڑھتے پڑھتے صرف مغلق مقامات کی وضاحت کرنا۔

۳۔ امعان کا طریقہ: غور وفکر کے ساتھ تہہ تک پہنچنا، اور ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرنا، یہ تینوں طریقے شاہ صاحب کے ذریعے عام ہوئے، اور ہمارے ہاں بھی یہی رائج ہیں، ترمذی شریف کے علاوہ اکثر کتابوں میں سرد ہوتا ہے، مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے فرمایا کہ مفتی شرف الدین رامپوری ایک دفعہ ٹونک تشریف لائے تو مفتی محمود حسن صاحب ''معجم المؤلفین'' کے والد صاحب نے مفتی شرف الدین رامپوری صاحب سے کہا کہ میرے لڑکے کو تحریر ابن ہمام پڑھا دیں، انہوں نے فرمایا کہ میاں پڑھا دیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ عبارت میں کوئی غلطی نہ آئے، اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے عبارت پڑھی اور عبارت میں کہیں بھی غلطی نہیں کی۔ یہ مثال ہے سرد کی، اور اگر عبارت میں استاد بحث کر لے تو یہ مثال ہے بحث کی، اور اگر مکمل تفصیل کے ساتھ پڑھائے تو یہ امعان کی مثال ہوگی، مفتی محمود حسن صاحب کے فہم وفراست کا یہ عالم تھا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ محسن یمانی جو ایک واسطہ سے علامہ شوکانی کا شاگرد اور فتح الباری کا حافظ تھا، کو ھندوستان لے آئے، ادھر مفتی محمود حسن صاحب بھی سند حدیث کے لئے شیخ حسین العرب کے پاس آئے انہوں نے ان سے سنن نسائی پڑھوائی، یہ نسائی پڑھتے رہے، ایک جگہ شیخ حسین العرب نے ان سے ایک حدیث کی توجیہ پوچھی، انہوں نے توجیہ بیان کی توجیہ سن کر شیخ حسین العرب فوراً اٹھ کر چلے گئے (اور کہا کہ ان سے کہدو بیٹھے رہے جائے نہیں) اور فتح الباری میں مفتی محمود حسن کی بیان کردہ توجیہ ڈھونڈنے لگے، آخر کار یہ توجیہ شیخ حسین العرب کو نہ ملی تو انہوں نے مفتی محمود حسن صاحب سے کہا کہ تمہیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اور سند عنایت کر دی، یہ سرد، بحث اور امعان تینوں کی مثال ہے سرد اس طور پر ہے کہ طالب علم عبارت پڑھ رہا ہے، بحث یوں ہے کہ استاد نے شاگرد سے پوچھ لیا اور امعان اس لئے ہے کہ شاگرد نے توجیہ بیان کی اور وہ بالکل درست تھی شاگرد امعان کے ساتھ پڑھتا

رہا استاد عمق وامعان کے ساتھ سنتا رہا بحث وتحقیق کی ضرورت نہ رہی یوں استاد نے شاگرد کو سند عنایت کردی۔

اس دور میں اسی طرح جانچ پڑتال کے بعد سند دی جاتی تھی۔

استاد شاگرد کا تعلق:

اب کچھ باتیں ان لوگوں سے عرض کرنی ہیں جو یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں ان سے عرض یہ ہے کہ بھئی شاگرد استاد سے بہت کچھ سیکھتا ہے، مسائل کا حل، نفس موضوع پر گرفت، اخلاق وعادات، یہ ساری چیزیں شاگرد اپنے استاد سے سیکھتا ہے تو استادوں کو چاہئے کہ ان تمام چیزوں کا خیال رکھیں۔ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو پانچ برس دیکھا اور ایک سال ان سے پڑھا ہے، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کے سر میں درد ہوا ہو، انہیں کھانسی آئی ہو یا ان کے لب ولہجہ میں فرق آیا ہو۔ جس نشست پر بیٹھتے تو آخر تک اس پر بیٹھے رہتے، تین تین گھنٹے گزر جاتے اور ان کی آواز میں ذرا فرق نہ آتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ صحابہ کا نام آیا ہو اور انہوں نے رضی اللہ عنہ نہ کہا ہو، اور کسی امام کا نام آئے اور انہوں نے رحمۃ اللہ علیہ نہ کہا ہو، جب اللہ پڑھانے کا موقع دیں تو، ایک تو یہ جانیں کہ یہ اللہ کی نعمت ہے اور پھر اس کے ذریعہ اپنی آخرت سنوارنے کی فکر کریں۔

یہ شاگرد اللہ کے مہمان ہیں:

یہ شاگرد یہ نعمت اللہ نے تمہیں دی ہے ان کی قدر کیجئے، آپ یہ سوچیں کہ مجھے جو آتا ہے وہ کم از کم انہیں آجائے، اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ رکھیں ممکن ہے یہی موقع ہو آپ کی آخرت سنوارنے کا، ہم نے جن اساتذہ سے پڑھا ہے، ہم نے انکا حال دیکھا ہے ان کی نظر سب پر ہوتی تھی، اور وہ تنخواہ صرف اس دن کی لیتے تھے جس دن سبق پڑھاتے تھے، باقی کی کوئی تنخواہ نہیں تو بھی بڑی ذمہ داری سے یہ فریضہ انجام دینا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص وذمہ داری کے ساتھ یہ فریضہ نبھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تدریس وحفظِ قرآن

کے

چند رہنما اصول

(مجلہ بینات۔ جنوری 1997ء)

مولانا محمد عبدالحلیم چشتی

تدریس وحفظ قرآن کے چند رہنما اصول

حفظ کرنے والے طلبہ' ان کے والدین اساتذہ کرام اور ادارہ کے لئے لمحہ فکریہ مذکورہ بالا چار عناصر کی ذمہ داریاں اور کوتاہیاں (مذکورہ مقالہ جمعیت تعلیم القرآن کے تحت تدریس قرآن کے موضوع پر منعقدہ سیمینار کراچی یونیورسٹی میں پڑھا گیا)۔

قرآن مجید حفظ کرنے والے اور کروانے والے یعنی (۱) طلبہ و طالبات' (۲) ان کے والدین' (۳) اور اساتذہ کرام متعلقہ ادارہ کے مابین باہمی ربط و تعلق استوار رہنا ایک ناگزیر امر ہے کسی موقعہ پر بھی اس تعلق میں فرق آیا تو حفظ کا سلسلہ اس سے متاثر ہوتا ہے اس لئے ان تینوں شخصیات اور ادارہ میں سے ہر ایک کے لئے مندرجہ ذیل رہنما اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

الف: یاد کرنے والے طلبہ و طالبات کے لئے رہنما اصول:

۱۔ بچہ جب چار سال کا ہونے لگے تو اسے نورانی قاعدہ پڑھانا چاہئے یہ قاعدہ عام طور پر لڑکا زیادہ سے زیادہ چھ مہینے میں آسانی سے ختم کر لیتا ہے اور اسے ہجے کرنا آنے لگتا ہے۔

۲۔ اس کے بعد جب وہ عم پارہ شروع کرتا جاتا ہے تب سے وہ نکالنے لگتا ہے اس موقعہ پر اسے یہ پارہ یاد کرانا چاہئے اس میں بھی چھ ماہ لگ جاتے ہیں۔

۳۔ عم پارہ ختم کرنے کے بعد اگر ناظرہ قرآن پڑھوانا چاہیں ناظرہ پڑھوائیں روزانہ پڑھے تو پانچ ماہ میں باآسانی ناظرہ پڑھ کر قرآن ختم کرلے گا پھر حفظ کرائیں تو یہ آٹھ اور دس لائن یاد کرنے لگے گا۔ بصورت دیگر پانچ چھ لائن یاد کرنے لگتا ہے کچھ عرصہ بعد وہ آٹھ لائن تک پہنچ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ چار ماہ میں پندرہ لائن بھی یاد کرنا شروع کردے گا بعض لڑکے ذرا دیر بھی لگاتے ہیں۔

۴۔ اسے عم پارہ یاد کرنے کے بعد پندرہ لائن کا قرآن مجید یاد کرنے کے لئے دینا چاہئے اور اس مطبع کے پانچ چھ قرآن مجید بازار سے لے کر محفوظ کر لینے چاہئیں تاکہ ہمیشہ اس میں تلاوت کرتا رہے اس قرآن کی ہر سطر اور صفحہ اس کے ذہن پر نقش رہتا ہے اسی لئے یہ قرآن تاحیات اس کے کام آتا ہے۔ دو نسخے تو اس کے بالکل ہی محفوظ کرلیں جو قرآن مجید یاد کرنے کے بعد اس کو دیئے جائیں۔

۵۔ قرآن مجید میں کل چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) آیتیں ہیں پندرہ سطری قرآن مجید میں روزانہ اگر نو آیتیں بھی یاد کرائی جائیں تو جمعہ کی ایک سو بیس (۱۲۰) چھٹیاں منہا کرنے کے بعد ڈھائی سال میں (۷۰۰) دن رہ جاتے ہیں اس میں بچہ اگر روزانہ ساڑھے آٹھ آیتیں بھی یاد کرتا رہے تو آسانی سے ڈھائی سال میں قرآن مجید یاد کر سکتا ہے۔

۶۔ بچوں کی فطرت میں قدرت کی طرف سے نقل کرنے کا مادہ فراوانی سے رکھا گیا ہے۔ عام طور پر پاکستانی قاری کا انداز قرات وہ نہیں ہے جو عرب اور مصر کے قاریوں کا ہوتا ہے اس لئے مصر کے قاری محمد صدیق منشاوی یا مدنی قاری علی بن عبدالرحمن حذیفی کے عم پارہ کے کیسٹ خرید لئے جائیں۔ ان میں سے ہر ایک کا انداز قرات شروع سے آخر تک یکساں ہے' اسے باآسانی اپنایا جا سکتا ہے اس

لئے ہم نے ان کے کیسٹوں کا انتخاب کیا ہے۔ آپ کو اختیار ہے آپ کسی اور مصری یا حجازی قاری کا کیسٹ لے لیں۔

پاکستان کے ہر بڑے شہر میں مذکورہ بالا قاریوں کے کیسٹ با آسانی مل جاتے ہیں وہ خرید کر ٹرانسسٹر میں لگا دی جائے تا کہ ان کی آواز کانوں میں پڑتی رہے اس سے بچہ شعوری و غیر شعوری طور پر متاثر ہوتا ہے اور کچھ عرصہ میں وہ اس طرز ادا کو اپنانے لگتا ہے اس کے مخارج بھی درست ہو جائیں گے اور قرآن پڑھنے کا ایک دلکش انداز ابھر آئے گا۔

ب: استاد کے لئے رہنما اصول :

۱۔ استاد کا مستند اور تجربہ کار قاری ہونا ضروری ہے تا کہ ابتداء ہی سے طلبہ و طالبات کے مخارج درست ہو جائیں اور ان کے اخفا و اظہار وغیرہ بلا تکلف ادا ہوتے رہیں انہیں ادائیگی پر ایسی قدرت حاصل ہو جائے جیسی کار ڈرائیور کو حاصل ہوتی ہے کہ وہ حسب موقعہ و محل کی مناسبت سے گیر Gear بدلتا رہتا ہے۔

۲۔ ایک استاد کے پاس کلاس میں بیس طلبہ سے زیادہ نہیں رہنا چاہیں اس لئے کہ اسے ہر بچہ کو سبق پڑھانا پھر اس کا پارہ یا آدھا پارہ سننا ہوتا ہے۔

۳۔ استاد کو چاہئے کہ متشابہ آیتوں میں ایک جگہ وقف سے یاد کرائیں اور دوسری جگہ وصل کرائیں یعنی ملا کر یاد کرائیں انشاء اللہ متشابہات میں بچہ اٹکے گا نہیں' رکے گا نہیں اور طلبہ و طالبات کو قرآن سنانے میں خود اعتمادی حاصل ہو جائے گی۔

۴۔ لڑکا جب ربع پارہ یاد کر لے تو اسے ایک دن سبق نہ دیں اور ربع پختہ کرائیں اسی طرح نصف اور ثلث میں کریں پارہ جب پورا ہو جائے تو چار دن اس پارہ کو پختہ کرائیں سبق نہ دیں اس طرح پچھلا خوب پختہ ہو جائے گا اور اگلا با آسانی

یاد کرتا رہے گا اس کے ذہن پر بار بھی نہ ہوگا اور خود اعتمادی بھی آئے گی۔

۵۔ بچہ کو جلدی جلدی پڑھنے کی عادت سے باز رکھیں بلکہ منشاوی اور حذیفی کے انداز پر آیتوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا عادی بنائیں اس انداز پر پڑھنے والا بچہ آئندہ تیز بھی پڑھ سکے گا لیکن تیز پڑھنے والا بچہ ٹھہر کر نہیں پڑھ سکتا اگر وہ غیر جگہ ٹھہرا تو اگلی آیت نہیں پڑھ سکے گا بھول جائے گا۔

۶۔ استاد گاہ بگاہ مذکورہ بالا قاری کے کیسٹ سے مد متصل و منفصل' اظہار و اخفاء اور راو قاف بھی لڑکے کو سمجھائیں تاکہ اس پر قاری کے طرز و ادا کی خوبیاں اجاگر ہو سکیں اور وہ بھی ان باتوں کا شیدا ہو جائے۔ دھیمی آواز سے پڑھنے کی اجازت کبھی کسی لڑکے کو نہیں دینی چاہئے اس کی وجہ سے اس لڑکے میں اعراب و تلفظ دونوں طرح کی غلطیاں رہ جاتی ہیں اور بلند آواز سے قرآن سنانے کا حوصلہ نہیں ہوتا ہے اور خود اعتمادی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

۷۔ قرآن مجید کی قرات و تلاوت میں اخفاء' اظہار' ادغام و اقلاب' مد متصل اور منفصل کی کشش' غنہ اور حروف کی گوناگوں صفات کی ادائیگی' قرآنی آیتوں میں سجع و قوافی کی رعایت سے جو زیر و بم Rhythm اور ترنم Metre رونما ہوتا ہے۔ ان سے روح انسانی پر سرور و مستی طاری ہوتی ہے۔ وہ جھوم جھوم جاتی ہے اور یہ سوز و سرور ایک عالم کو نہیں عام آدمی کو محو حیرت بنائے رکھتا ہے اس کیف و وارفتگی نشہ و مستی کو یوں سمجھئے جیسے سپیرا جب بین بجاتا ہے زندہ سانپ کو بل سے باہر نکالتا اور ایسا مست و بے خود کرتا ہے کہ وہ مجمع میں کسی کو ڈسنا تک بھول جاتا ہے اسی طرح تجوید (قواعد کی رعایت) و خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت و قرائت سے روح انسانی کو تازگی' فرحت و بالیدگی حاصل ہوتی رہتی ہے اور فرشتے اس کے گرد گھیرا ڈالتے اور اس سے قریب سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے گھٹنے سے آلگتے ہیں پھر اس کے ہونٹ چاٹنے لگتے ہیں جیسا کہ حدیثوں میں بصراحت مذکور ہے۔

قرآن کے پڑھنے میں مذکورہ بالا باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تو پھر سعدیؒ کا یہ شعر ہم پر ہی صادق آتا ہے وہ فرماتے ہیں۔

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی

ببری رونق مسلمانی

قرآن اگر تو اسی بے تکے پن سے پڑھتا رہا تو رہی سہی مسلمانی کی رونق کا خاتمہ کر دے گا یعنی ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدل جانا حرکات زیر زبر میں تمیز کا نہ رہنا انہیں بڑھا چڑھا کر پڑھنا حروف مدہ کو گرا دینا اور حرکات و سکنات میں غلطی کرنا یہ سخت ترین غلطی ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کے فرائض منصبی میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن مجید تجوید سے پڑھوائے ورنہ آخرت میں باز پرس کا سخت اندیشہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے (مسند احمد جلد ا صفحہ ۲۳۹) میں ایک روایت ہے تم تعلیم دو پڑھاؤ خوشخبری سناؤ (اللہ کے وعدوں کو یاد دلاؤ) آسانیاں کرو، تنگی نہ کرو۔ لڑکا جہاں غلطی کرے اسے Under Line کریں اس پر نشان لگائیں تاکہ وہ غلطیاں یاد کرے ان غلطیوں کے یاد کرنے میں اس سے کوتاہی ہو تو یہی غلطیاں پھر یاد کرائیں تاکہ اس کی خامیاں دور ہو جائیں اور غلطیوں کی اصلاح ہو جائے۔

ج: والدین کے لئے رہنما اصول:

ا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید کا یاد کرنا مشکل کام ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بچوں پر اس امر کو قرآن کا یاد کرنا آسان بنا دیا ہے چنانچہ جو زمانہ کھیل کود کا ہوتا ہے اس میں وہ قرآن مجید یاد کر لیتا ہے والدین کو چاہئے کہ وہ اس کی جسمانی نشو و نما کا خیال رکھیں اس کو دودھ اور ہو سکے تو بادام ضرور دیا کریں تاکہ اس کے اعضاء رئیسہ متاثر نہ ہوں۔

۲۔ لڑکے کو قرآن مجید رکھنے کے لئے ایسی تپائی یا رحل دینی چاہئے جس سے اس کے اور قرآن مجید کے مابین کم از کم آٹھ انچ کا فاصلہ رہنا چاہئے۔ اس رحل یا تپائی کا

فوقانی سرا دو انچ اونچا اور تحتانی حصہ دو انچ نیچا ہونا چاہئے نیز تحتانی حصہ پر آدھ انچ یا ایک انچ کی لکڑی کی پٹی کو رکاوٹ کے طور پر لگانا چاہئے تاکہ قرآن کی بے ادبی نہ ہو سکے اس قسم کی تپائی کے استعمال سے بچہ کی آنکھیں متاثر نہ ہوں گی اور اسے عینک کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

۳۔ والدین کو چاہئے کہ مغرب اور عشاء کے مابین بچہ کو سبق ضرور یاد کرائیں یا کسی قاری کو رکھ کر یاد کروائیں تاکہ بچہ کے سبق کی ناغہ نہ ہو۔

۴۔ والدین کو چاہئے کہ ماہ بماہ ایسی تقریب منعقد کریں جس میں ایسے لڑکوں کو مدعو کریں جو قرآن حفظ کرتے ہیں ان سے قرآن مجید سنا کریں ان میں جو لڑکے اچھا پڑھیں اور جنہیں یاد اچھا ہو انہیں حسب مراتب انعام دیں اس سے بچوں میں مسابقت کا جذبہ ابھرے گا ان کی ہمت افزائی ہوگی اور مجمع پر قرآن پڑھنے کا حوصلہ ہو جائے گا۔

۵۔ والدین کو گھر پر بھی بچوں کا قرآن سنتے رہنا چاہئے اس کے دو فائدے ہیں۔

الف: بچوں کا قرآن پختہ ہوتا ہے۔

ب: والدین کا بھی قرآن درست ہوتا ہے خاص طور پر خواتین کو صحیح پڑھنا آجاتا ہے۔

۶۔ مملکت عربیہ سعودیہ ریاض سے چوبیس گھنٹے قرآن مجید نشر کیا جاتا ہے آج کل تقریباً ہر گھر میں ریڈیو موجود ہے والدین اگر ایک ریڈیو ریاض کے چینل سے لگا دیں تو گھر میں ہمہ وقت قرآن کی تلاوت آتی رہے گی اس سے گھر والوں کو بھی فائدہ ہوگا اور بچوں کو بھی قرآن پڑھنا آجائے گا۔

۷۔ والدین پر یہ بھی ضروری ہے کہ گھر کا ماحول پرسکون رکھیں ماں، باپ میں تلخی اور باہمی آویزش و تکرار بچوں کے ذہن پر برا اثر ڈالتی ہے۔ اور اس کے اسباق اور آموختہ دونوں ان باتوں سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے بسا اوقات سبق یاد نہ ہونے اور بچے کے آگے نہ بڑھنے کا سبب یہ امر

بھی ہوتا ہے اس لئے ان دونوں باتوں سے احتیاط کرنی چاہئے۔

بچوں کو کھیل کود کا وقت بھی ضرور دینا چاہئے تاکہ طبیعت بوجھل نہ رہے کام خوش دلی اور نشاط سے ہوتا رہے۔

والدین پر لازم ہے کہ استاد سے ربط رکھیں لڑکے کی تعلیمی رفتار و ترقی سے باخبر رہیں لڑکا اگر کبھی استاد کی شکایت بھی کرے تو اس موضوع پر استاد سے گفتگو لڑکے کے سامنے نہیں کرنی چاہئے۔ استاد سے نہایت ادب و نرمی سے بات کرنی چاہئے تاکہ انہیں ناگوار نہ ہو اور یہ محسوس نہ ہو کہ آپ لڑکے کی حمایت کر رہے ہیں انہیں اگر ایسا محسوس ہوا اور انہوں نے سرزنش و بازپرس سے دست کشی اختیار کرلی تو ظاہر ہے لڑکا مطمئن ہو جائے گا اور اس کی ترقی و رفتار بری طرح متاثر ہوگی لہذا نہایت خوش تدبیری سے اس مشکل کو حل کرتے رہنا چاہئے۔

حفظ کرنے کے فوراً بعد لڑکے کو اسکول میں داخل نہیں کرانا چاہئے اور نہ کسی اور کام میں لگانا چاہئے بلکہ سال چھ ماہ اسے دور کرانا چاہئے پانچ پارے یا کم از کم تین پارے اسے روزانہ پڑھنا اور سنانا چاہئیں تاکہ اسے قرآن خوب یاد ہو جائے اس کے بعد اسے مدرسہ یا اسکول میں داخل کرانا چاہئے یا کام پر لگانا چاہئے ورنہ قرآن مجید رفتہ رفتہ پٹ ہوتا جائے گا۔

قرآن یاد کرنے کے بہترین اوقات فجر اور مغرب کے بعد کا وقت ہے ان دو اوقات میں بچہ تازہ دم (Fresh) ہوتا ہے بلند آواز سے پڑھنے کا عادی بنائیں اور والدین بچوں کی نگرانی کریں کہ وہ وقت برباد نہ کریں۔

اس بات سے بھی غافل نہیں رہنا چاہئے کہ ایک دن کی ناغہ کا اثر ایک ہفتہ تک رہتا ہے اور ایک ہفتہ کے ناغہ ایک ماہ تک اثر انداز ہوتی ہے بیماری کے علاوہ ناغہ نہیں کرانا چاہئے۔

۱۳۔ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تاکید ہے کہ اس کی تلاوت و حفظ پر پابندی کرنی چاہئے اس معاملہ میں ذرا سی ڈھیل سے قرآن مجید رخصت ہو جاتا ہے اس کی مثال اونٹ کی نکیل کی سی ہے جب تک ہاتھ میں اس کی گرفت رہتی ہے وہ بس میں رہتا ہے جہاں ہاتھ سے چھوٹی پھر اونٹ کو پکڑنا مشکل ترین کام ہے یہی حال قرآن مجید کا ہے اس کی تلاوت اور حفظ سے غفلت ہوئی پھر پابندی مشکل ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ حفظ کی مدت لمبی ہوتی ہے یہ کوئی مختصر کورس نہیں کہ دو تین مہینوں میں پورا ہو جاتا ہو اس لئے والدین کو تحمل و برداشت سے کام لینا چاہئے اس میں ناغہ نہیں ہونا چاہئیں بچہ کبھی تیز چلتا اور کبھی سست رفتاری اختیار کرتا ہے استاد ہی ان باتوں کی نگرانی کرتا اور رکھتا ہے اور اس کی کو دور کراتا ہے یہ معاملہ اس کی صواب دید پر چھوڑ دینا چاہئے تاہم یہ بات والدین کو استاد کے گوش گزار کراتے رہنا چاہئے۔

۱۵۔ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ بیجا شکایت سے نہ استاد کو کوئی نقصان ہوتا ہے نہ ادارہ پر کوئی اثر ہوتا ہے بلکہ طالب علم کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اس لئے اس قسم کی باتوں سے والدین کو بچنا چاہئے۔

۱۶۔ استاد اور والدین پر یہ ضروری ہے کہ تادیب 'تنبیہ' سرزنش و مناسب معمولی سزا Punishment اور تعذیب سخت ترین سزا Tarturing کے فرق کو ملحوظ رکھیں تعذیب جائز نہیں۔ تادیب کی گنجائش ہے اس لئے کہ بچوں اور بچیوں کو نماز کا عادی بنانا' ادب سکھانا' لکھنا پڑھنا سکھانا فرائض میں سے ہے اس مقصد کے لئے مناسب حد تک شریعت میں سزا کی گنجائش ہے چنانچہ ایسی سزا جس سے ہڈی متاثر نہ ہو خون نہ نکلے' نشان نہ پڑے اور اعضاء رئیسہ متاثر نہ ہوں' یعنی اس کی نشو و نما' صحت و شادابی پر سزا

اثرانداز نہ ہو اس کی گنجائش ہے لہٰذا بے دردی سے مارنا' ڈنڈے توڑنا' مرغا بنانا' لاتیں اور گھونسے مارنے کی اجازت نہیں۔

۱۷۔ قرآن مجید کا حفظ فرائض میں سے نہیں فضائل میں سے ہے سعادت و فضیلت کی بات ہے اس لئے سزا کا کوئی طریقہ اختیار کرنا جس سے مذکورہ بالا خرابیاں رونما ہوں درست نہیں یاد رکھئے اس طرز عمل سے طلبہ کے دل و دماغ میں شوق و رغبت کے بجائے نفرت اور استاد سے بغض ہو جاتا اور لڑکا قرآن حفظ کرنے سے بھاگنے لگتا ہے اس کا ظاہری سبب استاد کا بے جا طرز عمل ہوتا ہے اس سے ہمیشہ بچنا چاہئے اس لئے کہ اس پر آخرت میں باز پرس کا قوی اندیشہ ہے۔

۱۸۔ اس امر کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ عصر حاضر میں سائنس کی نت نئی ایجادات اور انگریزوں کی حکمرانی اور اقتصادی و معاشی برتری کی وجہ سے مسلم قوم دو طبقوں میں بٹ گئی ہے ایک وہ طبقہ ہے جو یورپی طرز معاشرت اپنائے ہوئے ہے گو قلیل ہے لیکن بہت با اثر ہے دوسرا غریب و متوسط طبقہ ہے اس کے طرز زندگی میں کچھ پرانی قدریں باقی ہیں لیکن ان کی گرفت ڈھیلی ہو گئی ہیں چنانچہ وہ بھی غیر شعوری طور پر بعض ان باتوں کو اپنا چکا ہے جو مغرب زدہ طبقہ میں پائی جاتی ہیں۔ آج کل ٹیلیویژن کلچر Television Culture نے عیاری کی نت نئی چالیں لڑکوں کو سکھا دی ہیں اور ہر کھاتا پیتا گھرانہ اس نعمت سے محروم نہیں رہا ہے تاہم امیر اور آسودہ حال گھرانہ کے پلے بڑھے بچوں میں عام طور پر ایک قسم کی خود سری پائی جاتی ہے ایسے لڑکے حافظ جی کو کم ہی خاطر میں لاتے ہیں اس لئے کہ ان کی تنخواہ و مشاہرہ نہایت قلیل ہوتا ہے انہیں زندگی بسر کرنے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے ان کا Status بلند نہیں ہے (اس پر بھی ارباب اختیار کو غور کرنا چاہئے) یہی وجہ ہے کہ بار بار ڈائری میں بچہ بچیوں کی لاپرواہی اور بے توجہی کی شکایت درج کرنے اور والدین کو باخبر رکھنے کے باوجود استاد

نے ذرا تنبیہہ و سرزنش کی والدین استاد سے ناراض ہو جاتے ہیں اپنی کوتاہی نہیں دیکھتے برہم ہو کر منتظمین کو بھی سنانے لگتے ہیں اور کورٹ، تھانے اور ادارہ کی بدنامی کی دھمکی دیتے اور دھونسا دھونسی سے منتظمین کو مرعوب اور خائف کرتے ہیں وہ بھی خطرہ کے پیش نظر کامیاب و تجربہ کار استاد کو رخصت کرنے میں ادارہ کی عافیت سمجھتے ہیں۔

۱۹۔ مالکان ادارہ یا ارباب حل و عقد اپنی سلامتی اور مفاد اس میں سمجھتے ہیں کہ ایسی صورت میں کلاس کے طلبہ دوسری کلاس میں منتقل کر دیئے جائیں اور وہ کلاس ہی ختم کر دی جائے اس سے بھی طلبہ کا نقصان ہوتا ہے اس لئے کہ وہ استاد ایک مدت سے انہیں پڑھاتا ہے وہ ان میں سے ہر ایک کی نفسیات سے واقف و مزاج شناس ہوتا ہے دوسرے استاد کو نفسیات اور مزاج شناسی میں وقت لگتا ہے اس طرز عمل سے طلبہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ ادارہ صرف فیس کا خواہاں ہوتا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ کام چلتا رہے اور لوگوں کو ادارے کے خلاف آواز بلند کرنے کا موقع ہاتھ نہ آئے یہ طرز عمل بھی اچھا نہیں بعض اوقات نئے استاد کا تقرر کیا جاتا ہے اور دو تین ماہ میں اسے نکال دیا جاتا ہے اور دوسرا لے آتے ہیں یہ بات بھی درست نہیں تقرر کرتے وقت خوب چھان بین کر کے اور تجربہ اور پچھلا ریکارڈ معلوم کر کے تقرر کرنا چاہئے۔ دو چار ماہ تو لڑکوں کی نفسیات اور مزاج شناسی میں لگ جاتے ہیں۔ ارباب ادارہ کو بہت ہوشمند اور تجربہ کار ٹھنڈے مزاج موقع و مردم شناس ہونا چاہئے۔ پھر ادارہ ترقی کرتا ہے۔

اب تعلیم بھی تجارت کی صورت اختیار کر گئی ہے اس لئے بعض ادارے استاد کے بول براز کے اوقات کی بھی نگرانی کرنے لگے ہیں اور اس پر بھی باز پرس کرتے ہیں یہ نہایت مذموم بات ہے۔

۲۰۔ کراچی کا ماحول ان دنوں کچھ ایسا ہو گیا ہے مار دھاڑ اور اغوا کی دھمکیاں بہت عام

ہوگئی ہیں استادوں کو بھی اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا اللہ تعالیٰ کو جواب دینا بچوں کو پڑھانا ان کی نگرانی کرنا والدین کی شکایت کا ازالہ کرنا اور انتظامیہ کو جواب دینا سارے کام انجام دینا ہوتے ہیں ظاہر ہے اسے اس ماحول میں کام کرنا ہے اس لئے ان حقائق کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ بعض اوقات استاد سے چوک ہوجاتی ہے اور کبھی انتظامیہ غلط فہمی کا شکار ہوجاتی ہے اور کبھی والدین بھی حدود کے دائرہ میں نہیں رہ پاتے ایسے موقع پر ہر شخص کو اپنا احتساب کرنا چاہئے اور اپنے فرائض منصبی کا خیال رکھتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہئے معذرت خواہی اور اصلاح سے یہ راستہ باآسانی طے کیا جاسکتا ہے۔ استاد کو اپنی عزت مقدس خدمت اور باعظمت و باوقار پیشہ دین داری و دیانتداری کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے اور اپنے مرتبہ و مقام سے فروتر کام نہیں کرنا چاہئے ایسی حرکت سے بھی بچنا چاہئے جس سے تعلیم کی عظمت یا اساتذہ کرام اور ادارہ کی عزت و شہرت کو ٹھیس پہنچتی ہو اسی طرح والدین کو ان حقائق سے چشم پوشی روا نہیں یہی ذمہ داری کم و بیش ادارہ پر بھی عائد ہوتی ہے۔ انہی چار عناصر کے باہمی ربط و مشاورت سے بچے اور بچیاں پڑھتے اور ترقی کے راستے پر آگے بڑھتے ہیں۔ یہ راستہ کٹھن ضرور ہے لیکن قابل عمل ہے مذکورہ بالا باتوں پر عمل ہوتا رہے تو اس میں ہر ایک کا فائدہ اور قوم کے بچوں کا مستقبل سنورتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

میری مطالعاتی زندگی

کی

مختصر رُوداد

(یادگارِ زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ—ماہنامہ النخیل، مطالعہ نمبر)

میری مطالعاتی زندگی کی مختصر رُوداد

مولانا عبدالحلیم چشتی ☆
نگران تخصص جامعہ بنوری ٹاؤن

☆......جب والد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ساتھ حیدرآباد دکن جانے کیلئے کہا اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے، وہاں کا ماحول دیکھ کر اہل علم خصوصا مولانا حیدر حسن خان صاحبؒ، مولانا محمود حسن خان صاحبؒ وغیرہ کو دیکھا، وہاں کی علمی مجالس دیکھیں، میری عمر تو اس وقت کم تھی، مگر ایک سال والد صاحب کے ساتھ حیدرآباد دکن رہا، تب سے طے کر لیا تھا کہ مجھے پڑھنا ہے اور اگلے سال سے پڑھنا شروع کر دیا۔

انگریز کا دور تھا، ہر ایک چاہتا تھا کہ اپنے بچوں کو انگریزی پڑھائے لیکن ہمارے والد صاحب ''عبدالرحیم مرحوم'' کی خواہش تھی کہ بچے عربی پڑھیں، اسی لئے سب کو قرآن پڑھایا اور کوشش بھی کرتے رہے، خود صاحب نسبت بزرگ تھے، کبھی ہمیں مارا نہیں، جب میری شکایت پہنچی تو بس اتنا کہا کہ تم ہمارے ساتھ حیدرآباد چلنا، ایک سال وہاں رہ کر وہ خاموش تربیت ہوئی جو برسوں کے مراقبوں سے بھی شاید زیادہ تھی، اس وقت سے پڑھنے کا ذوق پیدا ہوا اور آج تک پڑھنے ہی میں لگے ہیں۔

☆......حیدرآباد دکن میں ان بزرگوں کا دیکھنا اور خصوصا بڑے بھائی صاحب مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کے ساتھ ''لغات القرآن'' کے کام میں شرکت کی، اس کے بعد تو خود ہی کتابوں کے سمجھنے میں لگے رہتے تھے، پڑھتے تھے اور یہی مشغلہ تھا، بس اسی سے کام چلایا ہے۔ ابتداء میں تو اردو ادب وغیرہ سے لگاؤ تھا لیکن بعد میں بس تحقیقی کام ہی پسند تھا اور اسی میں وقت صرف کرتے رہے ہیں۔

☆تاریخ پیدائش: ۱۶ اپریل ۱۹۲۹ء، آبائی وطن: جے پور، راجھستان، مادرِ علمی: مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور، راجھستان، فراغت: دارالعلوم دیوبند، سنِ فراغت: ۱۹۴۷ء، تدریسی خدمات: رئیس شعبہ تخصص علومِ حدیث، جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی، استاذ الحدیث جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی، تصانیف: ''اسلامی کتب خانے عہدِ عباسی میں''، جس کا دوسرا نام ''اقرأ اور علم بالقلم کے ثقافتی جلوے'' ہے، ''فوائد جامعہ شرح عجالہ نافعہ''، ''عدۃ الحصن الحصین خلاصہ حصن حصین'' وغیرہ

☆...... پسندیدہ مصنّفین میں ''شبلی'' ہیں کہ وہ علمی زبان لکھتے اور بولتے ہیں، انداز بھی علمی ہے۔

☆...... پسندیدہ کتابیں تو بہت ہیں، رسائل میں ''فکر ونظر'' اور ''معارف''، اعظم گڑھ ہیں۔ افسانوں، کالموں، طنز و مزاح سے لگاؤ بالکل نہیں، بس علمی انداز ہی پسند ہے۔

☆...... فرصت کے تمام اوقات پڑھنے میں ہی لگتے ہیں، رفتار تو بہت تیز نہیں لیکن بس پڑھتے ہی رہتے ہیں، دوران سفر علمی کتابیں نہیں پڑھتا، یکسوئی پسند ہے اور یکسوئی سے پڑھتا ہوں۔

☆...... **نئے لکھنے والوں کے لیے:** اپنا ذوق متعین کریں، راہ متعین کریں، اس فن کے ماہرین سے راہنمائی لیں اور پھر خود سی محنت کریں، راہیں خود ہی کھلتی رہیں گی۔

☆......☆......☆